

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188722

UNIVERSAL
LIBRARY

مکتبہ جامعہ ہند

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 922.242A

Accession No. 12329

Author

ع - 1

Title

دعوات

This book should be returned on or before the date last marked below.

”حیاتِ حافظِ حمتِ حال“

مؤلف

سید الطاف علی بی، اے (علیگ) بریلوی

پیش نامہ

از

آئریل سیتارام صاحب

پریسڈنٹ یو، پی کونسل



(جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں)



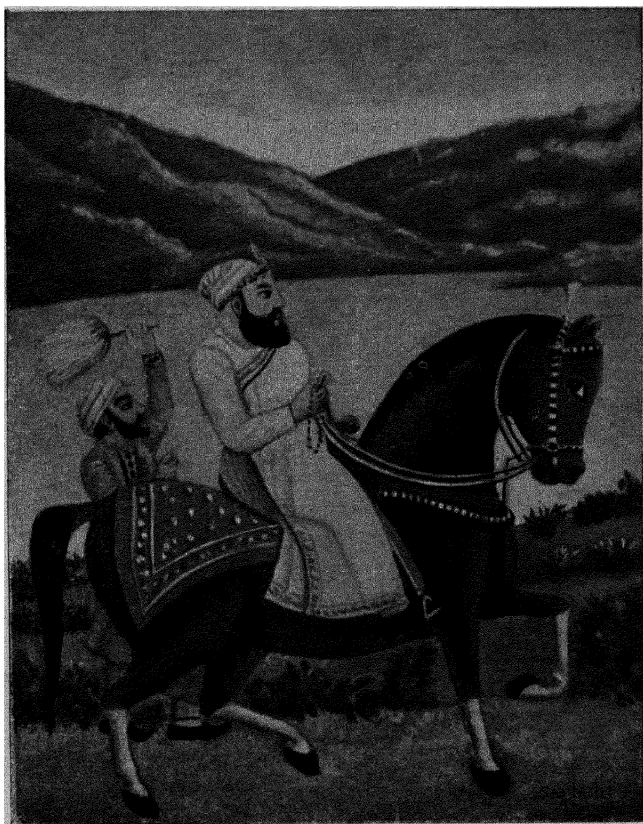
نظامی پریس بدایوں - یو پی - انڈیا

محمد احیدر الدین - ایف۔ آر۔ ایس۔ (کلکتہ)

قیمت ہے،

۱۹۳۳ء

باراول ۱۰۰۰



حافظ الملک حافظ رحمت خان

پیش نامہ

از

آرٹھل سٹیرٹارام صاحب پریسڈنٹ یو پی لچلیٹیو کونسل



سابق وائسرائے ہند لارڈ کرزن کا ایک قول بتلایا جاتا ہے کہ اگر ایک طرف ایمپائر یعنی وسیع سلطنت برطانیہ، اور دوسری جانب شکسپیر (مشہور انگریز مصنف و زباں داں) کا موازنہ کیا جاوے اور مجھ سے دریافت کیا جاوے کہ دونوں میں سے کون زیادہ پسندیدہ ہے تو میں بلا دروغ شکسپیر کو ترجیح دوں گا اور ایمپائر کو چھوڑ دوں گا۔

جس کسی صاحب کا بھی یہ قول ہو بالکل صحیح اور پر معنی ہے اور خصوصاً ہم ہندوستانیوں کے لئے بڑا سبق آموز ہے۔ جب تک کہ ایک ملک اور قوم کے سرمایہ ہیں۔ اُس کی زبان میں۔ اُس کے ہی افراد کے نتائج محنت اور فکر کو ظاہر کرتی ہوئی کافی تعداد میں مختلف مضامین کتب

دستیاب نہ ہوں وہ قوم اور ملک زندہ نہیں کہے جاسکتے چنانچہ
 میں جلوں میں اکثر اس امر کی طرف توجہ دلاتا رہا ہوں کہ اُردو
 اور ہندی میں ایسی کتب کی سخت ضرورت ہے جن سے تعلیم یافتہ
 لوگ اپنی واقفیت و علم کے لئے محض غیر زبان کے دست نگر نہ ہوں۔
 تواریخ پر تو ہمارے اہل ملک کے نقطہ خیال سے لکھی ہوئی اور
 واقعات پر مبنی کتب کی کمی بہت محسوس کی جاتی ہے۔ صحیح تواریخ پر
 قوم اور ملک کی ہمدردی کا بہت کچھ دار و مدار ہے اس لئے مبارک
 ہیں وہ لوگ جو اس کمی کو پورا کریں اور سرمایہ قومی میں اضافہ کریں۔
 سید الطاف علی صاحب کا ہمدردانہ ہونا چاہئے کہ انھوں نے محنت
 بسیار و تحقیقات وافر کے بعد ایک ایسے نمایاں شخص کی حیات پر روشنی
 ڈالی ہے جس نے کہ اپنی زندگی میں ممالک کی قسمت کو بدل دیا ہو۔
 مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب مفید اور دلچسپ ثابت ہوگی۔ کتاب معلوما
 سے بھری ہوئی ہے اور اکثر واقعات پر نئی روشنی ڈالتی ہے۔

سیتا رام

لکھنؤ۔ ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء

”فہرست مضامین“

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
۱۸	حافظ الملک کو پہلی بھیت کی جاگیر ملنا	۱۱	انتخاب		
(۵)	حافظ الملک کے ہاتھ سے کامیاب کی فتح۔	۱۲	مقدمہ۔ از مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی بدایونی۔		
۱۹	انورہ پرفضہ۔	۱۴	دربارچہ۔ از مولف۔		
۲۰	راجہ سری نگر سے خراج وصول کرنا۔	۲۴	فہرست کتب حوالجات		
(۶)	محمد شاہ بادشاہ کا روہیل کھنڈ پر حملہ۔	۱	(۱) روہ۔ روہیلہ اور روہیل کھنڈ۔		
		۲	(۲) حافظ الملک کا خاندان۔		
		۴	شیخ شہاب الدین المعروف بکوٹا بابا۔		
		۷	محمود خاں عرف موتی بابا۔		
		۱۱	شاہ عالم خاں۔		
۳۱	نواب علی محمد خاں کی نظر بندی۔	۱۲	شاہ عالم شاہ کا غلام داؤد خاں۔		
۳۲	حافظ الملک کی پامردی۔	۸	شاہ عالم خاں کی شہادت۔		
	حافظ الملک کے تدبیر سے نواب جت کی رہائی۔	۱۰	داؤد خاں کا عورت آمیز انجام۔		
۳۳		۱۱	علی محمد خاں کی سرداری۔		
۳۴	سرہند میں حافظ الملک کی جانبازیاں	(۷)	حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے		
۳۵	والی رائے سپر جنگ۔	۱۳	ابتدائی حالات اور کٹھیر میں ورود۔		
۳۵	تصہ جوت پور کی فتح۔	۱۶	روہیلوں کا حکومت دہلی سے تضاد		
۳۷	کوٹ و جڑاؤں کی تیغیر۔		راجہ ہرنند سے جنگ۔		
۳۷	روہیل کھنڈ پر روہیلوں کا دوبارہ تسلط۔	(۸)	رہائی میں حافظ الملک کی دلیری۔		

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
(۹)	حافظ الملک کی مدد سے صفدر جنگ		(۱۱)	نواب قائم خاں بنگش سے جنگ	
	کی وزارت -	۲۹		اور تہذیبیوں وغیرہ کی منہج -	۳۰
	صفدر جنگ کا خط -	"		صفدر جنگ کی افغانوں میں نفاق انگیزی -	"
	خط کا جواب -	۳۰		حافظ الملک کی مصالحت کو شیخ سید احمد شاہ	
	حافظ الملک کا درود دہلی	"		کی سفارت -	۳۱
	صفدر جنگ کو وزارت دلانا -	۳۱		سفارت سید احمد شاہ کے متعلق مورخین کی	
	خطاب نواب کرم الدولہ حافظ الملک			کذب بیانی -	۳۲
	بہادر نصیر جنگ ملنا -	"		معز جنگ -	۳۳
	روہیل کھنڈ کو واپسی	۳۲		سید حسن شاہ کی مردانگی -	۳۵
(۱۰)	حافظ الملک نواب علی محمد خاں			نواب قائم خاں کا مارا جانا اور روہیلوں	
	کے بعد -	۳۳		کی منہج -	"
	نواب علی محمد خاں کی حالات وفات -	"		حافظ الملک کی مفتوحین کے ساتھ رعایت	
	نواب علی محمد خاں کا حافظ الملک کو اپنا			والدہ قائم خاں کے نام دردمندانہ خط -	۳۶
	جانشین نامزد کرنا -	۳۴		بدایوں - جہر آباد - اُسہت اور پرم نگر کا	
	حافظ الملک کا ایثار - سدر اللہ خاں کو اپنی			روہیل کھنڈ میں شامل ہونا -	۳۷
	جانب سے نواب بنانا -	۳۶	(۱۲)	پرگنات داسن کوہ کی فتح -	۳۸
	بعض مورخین کی غلط بیانی -	"		پرگٹہ سنہد کی فتح -	"
	حافظ الملک کی اہمیت کار -	۳۸		کھیر گڑھ کی فتح -	"
	صفدر جنگ کی احسان فراموشی -	"		قلعہ بھڑنا پور پر قبضہ -	۳۹
	قطب الدین خاں کا حملہ -	۳۹		بجولیا - دراپور اور سنگلیا کی فتح -	"

صفحہ	مضمون	باب	صفحہ	مضمون	باب
۵۷	صفدر جنگ کی شکست فاش اور مجروح ہونا۔	(۱۴)	۵۰	ملہوارہ اور لچیلی کی تسخیر۔	(۱۳)
۵۹	حافظ الملک کی ٹر بیٹر مرہٹوں سے اور ملک میں بد امنی۔		۵۱	صفدر جنگ کے ہاتھوں خاندان بنگش کی تباہی۔ حافظ الملک کی مدد اور احمد خاں کا عروج۔ والدہ قائم خاں کی گرفتاری۔ فرخ آباد پر صفدر جنگ کا قبضہ۔	
۶۰	صفدر جنگ اور مرہٹوں کا فرخ آباد پر نواب احمد خاں کا حافظ الملک کے پاس پناہ لینا۔		۵۲	ایک عورت کی لٹن و شنیع نے احمد خاں کو مرد بنا دیا۔	
۶۱	صفدر جنگ اور مرہٹوں کا رد ہیل کھنڈ پر حملہ۔ حافظ الملک سے جنگ۔		۵۳	ایک ہندو ملازم کی وفا داری سے والدہ احمد خاں کی رہائی۔	
۶۲	جنگ کے بعد صلح حافظ الملک اور صفدر جنگ کے درمیان تجرید تعلقات۔		۵۴	صفدر جنگ کے نائب نول رائے کی احمد خاں سے جنگ۔	
۶۳	مرہٹوں کے حملہ کی وجہ سے رد ہیل کھنڈ میں عام تباہی۔	(۱۵)	۵۵	نول رائے کا مقتول ہونا۔ احمد خاں کی فرخ آباد پر قبضہ۔	
۶۴	سرداران روہیلہ پر تقسیم ملک اور حافظ الملک کی سیاسی غلطی۔		۵۶	صفدر جنگ کی فرخ آباد پر دوبارہ فوج کشی۔	
۶۵	پہلی تقسیم۔			نواب احمد خاں کا حافظ الملک سے طالب امداد ہونا۔	
۶۶	عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کی قید سے رہائی۔ دوسری تقسیم۔			رد ہیلوں کی امداد سے نواب احمد خاں کی فتح۔	
۶۷	عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں میں نا اتفاقی				

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
۸۳	مرہٹوں کا نجیب الدولہ پر حملہ جنگ گڑنوال	۷۰	حافظ الملک کو قتل کرنے کی کوشش۔		
۸۴	حافظ الملک سے نواب نجیب الدولہ کی طلب امداد۔	۷۱	ملک کی تیسری تقسیم۔		
۸۵	عالمگیر ثانی کا قتل۔	۷۲	تیسری تقسیم کے بعد حافظ الملک کی اولاد سے ترک سکونت بریلی کو دارالحکومت بنانا۔		
۸۶	احمد شاہ درانی کا چوتھا حملہ۔	۷۳	سیاسیات دہلی میں حافظ الملک کا حصہ۔		
۸۸	سورج مل سے زیر پیش کش وصول کرنا۔	۷۴	صفر جنگ کی بادشاہ سے بغاوت		
۸۹	دربار شاہ درانی میں حافظ الملک کی قدر و منزلت۔	۷۵	حافظ الملک کا چالیس ہزار فوج لے کر دہلی کی طرف جانا۔		
۹۰	حافظ الملک کی وساطت سے نواب احمد خاں بنگش کی شاہ درانی سے فوجت	۷۶	حافظ الملک سے نجیب خاں کی بیوفائی اور ان کا عروج۔		
۹۱	جنگ پانی پت میں حافظ الملک کی شرکت۔	۷۸	بادشاہ دہلی کی مغزولی۔		
۹۲	روہیل کھنڈ پر مرہٹوں کے حملہ کا اندیشہ اور اُس کی روک تھام۔	۷۹	احمد شاہ درانی کا تیسرا حملہ۔		
۹۳	عنایت خاں کا جگ میں شریک ہونا۔	۸۰	حافظ الملک اور شاہ درانی کے تعلقات کی ابتدا۔		
۹۴	مرہٹوں سے افغانان روہیل کھنڈ کی جھڑپ اور عنایت خاں کی دلیری۔	۸۱	شاہ درانی کے حکم سے عداد الملک کی شجاع الدولہ پر چڑھائی اور حافظ الملک کے تدبیر سے صلح۔		
۹۵	حافظ الملک کی والدہ کے انتقال کا اثر شرکت جنگ پر۔	۸۲	شاہزادہ عالی گھر کا درود و بریلی۔		

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
	فیصل کن جنگ - عنایت خاں اور دیگر سرداروں کی جانبازی و بہادری -	۱۰۰	(۲۲)	نواب سعد اللہ خاں کے بعد -	۱۰۳
	واقعات بعد از جنگ -	۱۰۸		قاسم علی خاں نواب مرشد آباد کی مصیبت میں شجاع الدولہ کی تحریک پر حافظ الملک کی شرکت -	۱۰۹
	شاہ درانی کی مراجعت تندرہ وار -			جنگ پٹنہ میں عنایت خاں کی شرکت -	۱۱۰
	حافظ الملک کی سفارش پر شجاع الدولہ سے بدگمانی کا اندفاع -	۱۰۹		ناگوں اور روہیلوں کا فساد -	۱۲۸
	جنگ پانی پت کے بعد حافظ الملک کی بریلی کو واپس -	۱۱۱		عنایت خاں کے توسل سے راجہ بلونت کی ملک -	"
	حافظ الملک کا پہلی ہیبت میں ورود -	۱۱۲		جنگ پٹنہ کی ابتدا -	۱۲۹
(۱۸)	تختیڑا و دہ و شکوہ آباد -	۱۱۳		بکسر کی جنگ میں نواب قاسم علی خاں شکست کھا کر حافظ الملک کی پناہ میں -	۱۳۲
(۱۹)	ایک طوائف کا قصہ شجاع الدولہ شاہ عالم بادشاہ اور نجیب الدولہ کی فرخ آباد پر فوج کشی - حافظ الملک کی مداخلت سے صلح -	۱۱۴	(۲۳)	نواب نجیب الدولہ پر جاٹوں کا حملہ اور حافظ الملک کی امداد -	۱۳۳
(۲۰)	سیدہ اع کے چند متفرق واقعات	۱۱۵	(۲۴)	بریلی میں نواب شجاع الدولہ کا ورود اور حافظ الملک کا مشورہ -	۱۳۵
	نواب سعد اللہ خاں کی وفات	۱۱۶		حافظ الملک کی ایک سیاسی غلطی -	۱۳۶
	بریلی میں آتشزدگی اور زلزلہ -	"		لمہار راؤ کے حملہ کی مداخلت کے لئے	
	عنایت خاں کی ایک نامناسب حرکت			حافظ الملک کی پھونڈ کوروا جی -	۱۳۸
	اور ریاست رامپور کی بنیاد -	۱۲۲	(۲۵)	حافظ الملک کی ملاقات شاہ عالم سے اور ان کے صاحبزادوں کا اعزاز -	۱۴۰
(۳۱)	حافظ الملک کا دور حکومت				

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
(۲۶)	مرہٹوں کی شمالی ہند پر از سر نو یورش اور حافظ الملک کی مشکلات	۱۴۳		صنابطہ خاں اور مرہٹوں کی جنگ میں	
	راجہ نول سنگھ سے اتحاد عمل کی تحریک			حافظ الملک کی جدوجہد -	۱۴۱
	حافظ الملک کا ایک اہم خط اور اُس کا جواب	۱۴۴	(۲۸)	روہیل کھنڈ پر مرہٹوں کی یورش -	۱۴۷
	نول سنگھ سے مرہٹوں کی لڑائی - حافظ الملک کے مشورہ پر عمل نہ کرنے کا حقیقہ -	۱۴۵		چالیس لاکھ روپیہ کا تمسک -	۱۴۹
	مرہٹوں کا رخ فرخ آباد کی طرف اور حافظ الملک نواب بگٹش کی حمایت میں - نواب نجیب الدولہ کی خود غرضی -	۱۴۸	(۲۹)	حافظ الملک سے عنایت خاں کی بغاوت -	۱۷۱
	نواب نجیب الدولہ کا انتقال -	۱۵۰		شیخ کبیر کا انتقال -	۱۷۳
	نجیب الدولہ کے انتقال کے بعد حافظ الملک کے نامضابطہ خاں کا ایک خط	۱۵۱		حافظ الملک کی فرج سے عنایت خاں کی جنگ -	۱۷۶
	مرہٹوں اور افغانوں کی زور آزمائی -	۱۵۲		وطن سے عنایت خاں کے رخصت ہونے کا حسرت انگیز منظر -	۱۸۱
	فرخ آباد کے بعد اٹاوہ اور شکوہ آباد -	۱۵۵		عنایت خاں کی وطن کو واپسی اور حافظ الملک کی جانب سے معافی تقصیر -	۱۸۳
	اٹاوہ اور شکوہ آباد سے دست برداری مرہٹوں سے صلح -	۱۵۶	(۳۰)	شجاع الدولہ کی خاطر مرہٹوں سے	
	حافظ الملک کی روہیل کھنڈ کو واپسی اور نواب دوند سے خاں کا انتقال -	۱۵۸		حافظ الملک کی آخری تباہ کن جنگ	۱۸۵
	حافظ الملک نجیب آباد میں -	۱۵۹		شجاع الدولہ کے خلاف حافظ الملک سے مرہٹوں کی دروغواست امداد -	۱۸۷
(۳۷)	نخت دہلی پر شاہ عالم کی واپسی -			شجاع الدولہ کو انگریزوں کی امداد -	۱۸۷

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
	شجاع الدولہ کی حمایت میں حافظ الملک کی روانگی سیدان جنگ کو۔	۱۸۸	(۳۳)	دیوان پہاڑ سنگ کی ہمدردی۔	۲۱۲
	مکرک جنگ۔	۱۹۰		حافظ الملک کی میدان جنگ کو	
	حافظ الملک پر مرہٹوں سے ساز باز کا الزام اور اُس کی تردید۔	۱۹۱	(۳۴)	روانگی اور روہیل کھنڈ کے غریب لوگوں کی وفاداری۔	۲۱۶
(۳۱)	شجاع الدولہ کی احسان فراموشی اور روہیل کھنڈ فتح کرنے کے منصوبے	۱۹۳		کڑھ میراں پور کی لڑائی اور حافظ الملک کی شہادت۔	۲۲۱
	شجاع الدولہ کی وعدہ خلافی۔ تمسک کی واپسی سے انکار۔	۱۹۴		حافظ الملک کا سرسربیدہ۔	۲۲۵
	سید شاہ دین۔	۱۹۵		حافظ الملک کی تجویز و کمین۔	۲۲۸
(۳۲)	حافظ الملک کے خلاف زبردست سازش اور حکومت روہیل کھنڈ کا زوال۔	۱۹۸	(۳۵)	حافظ الملک کی شہادت کے بعد روہیلوں کا استیصال۔	۲۳۴
	عہد نامہ بنارس۔	"		شجاع الدولہ کا چلی بھیت میں داخلہ اور خاندان حافظ الملک پر نظام۔	۲۳۵
	اٹا وہ پرتشجاع الدولہ کا قبضہ۔	۲۰۱		کرنل جیمین کی ہمدردی	۲۴۰
	منظفر جنگ۔ ضابطہ خاں اور شاہ عالم بادشاہ کی حافظ الملک سے بیوفائی۔	۲۰۲		بگم عاصمہ حافظ الملک کا دروہنگیز خا۔	۲۴۲
	سر داران روہیل کھنڈ کی غداری۔	۲۰۵		محاصرہ لال ڈانگ اور نواب فیض اللہ خا سے صلح۔	۲۴۳
	حافظ الملک کی مصالحت کوششی۔	۲۰۶	(۳۶)	شجاع الدولہ کا ایک خواب	
	گورنر جنرل ہینڈلنگ کے نام ایک اہم تاریخی خط	"		پریشان اور وفات۔	۲۵۰

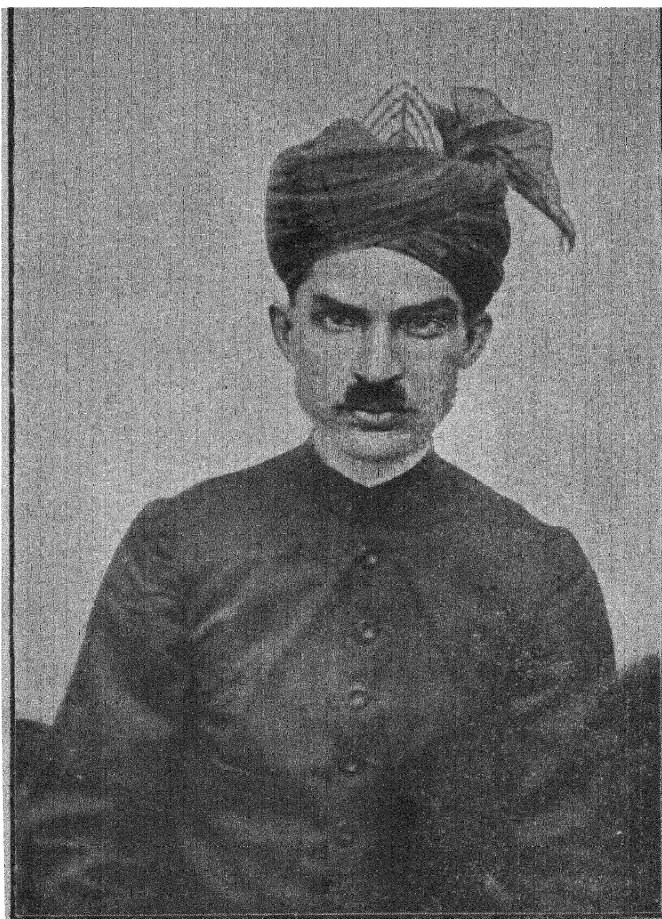
باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
(۳۷)	ہیڈسٹاکر کے طرز عمل پر بعض انگریز	۲۵۸	۲۴۸	اقرام عشرہ محرم -	۲۴۸
	مصنفین کا تبصرہ -	۲۵۷	۲۴۹	حرمت ماہ ربیع الاول -	۲۴۹
	مشرک ممبر پارلیمنٹ -	"	"	سادات کے ساتھ حقیدت	"
	لارڈ میکالے -	۲۵۵	۲۸۵	مشائخ و صوفیاء کے کرام کے ساتھ اراد	۲۸۵
	مانس - کلیورنگام اور فرانسس ہیرن		۲۸۷	عورتوں کے ساتھ سلوک -	۲۸۷
	گلنہ کونسل -	۲۵۶	۲۸۸	ہندوؤں کے ساتھ برتاؤ -	۲۸۸
	سٹریج کلارک -	"	۲۹۱	سیچشمی	۲۹۱
	سٹریڈارڈ -	۲۵۷	۲۹۳	شجاعت و شہامت	۲۹۳
	سٹریجان مارلے -	"	۲۹۵	علم و فضل	۲۹۵
(۳۸)	حافظ الملک کا طرز حکومت اور	۲۵۹	(۳۹)	خلاصہ کلام -	۳۰۰
	ذاتی حالات -	۲۵۹	ضمیمہ نمبر ۱	خاندان حافظ الملک کی اسیری رہائی	۳۰۱
	شخصی حکومت میں جمہوری حکومت		۳۰۱	اور عہدے و وظائف و معافیات -	۳۰۱
	کی برکات -	۲۶۱	۳۰۲	ایام اسیری -	۳۰۲
	عدالت و انصاف -	۲۶۵	۳۰۲	رہائی -	۳۰۲
	ذراعت و تجارت -	۲۶۷	۳۰۴	وظائف و معافیات -	۳۰۴
	عمارات -	۲۶۸	۳۰۶	حافظ الملک کی ازواج و اولاد -	۳۰۶
	ترویج و اشاعتِ علوم -	۲۷۷	۳۰۸	چودہ صاحبزادے -	۳۰۸
	اخلاق و عادات -	۲۷۶	"	عل - نواب غنایت خان	"
	معمولات روزانہ -	"	۳۱۰	سلسلہ نسل	۳۱۰
	معمولات ماہ صیام و عید الفطر -	۲۷۸			

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
۳۳۵	سلسلہ نسل نواب ذوالفقار خاں	۳۱۱	۷۔	نواب بہت خاں -	۳۱۱
۳۳۷	۵۔ نواب اللہ یار خاں	۳۱۲	۸۔	نواب ارادت خاں -	۳۱۲
۳۳۸	سلسلہ نسل	۳۱۳	۹۔	نواب تجت خاں	۳۱۳
۳۳۹	۹۔ نواب عظمت خاں	۳۱۴	۱۰۔	کلام اُردو -	۳۱۴
۳۴۰	سلسلہ نسل	۳۱۵	۱۱۔	کلام عربی -	۳۱۵
۳۴۱	۱۱۔ نواب حرمت خاں	۳۱۶	۱۲۔	کلام فارسی -	۳۱۶
۳۴۲	سلسلہ نسل	۳۱۷	۱۳۔	نواب محمد یار خاں -	۳۱۷
۳۴۳	۱۲۔ نواب غلام مصطفیٰ خاں	۳۱۸	۱۴۔	سودت یار خاں مولف گل رحمت	۳۱۸
۳۴۴	۱۳۔ نواب محمد عمر خاں	۳۱۹	۱۵۔	نواب عبد الغفر خاں عزیز	۳۱۹
۳۴۵	سلسلہ نسل	۳۲۰	۱۶۔	نواب نیاز احمد خاں ہوش	۳۲۰
۳۴۶	۱۴۔ نواب تاجاب خاں	۳۲۱	۱۷۔	سلسلہ نسل نواب حافظ محمد یار خاں	۳۲۱
۳۴۷	گلستان رحمت	۳۲۲	۱۸۔	نواب محمد دیدار خاں	۳۲۲
۳۴۸	سلسلہ نسل	۳۲۳	۱۹۔	سلسلہ نسل	۳۲۳
۳۴۹	۱۵۔ نواب محمد اکبر خاں	۳۲۴	۲۰۔	نواب ذوالفقار خاں	۳۲۴
۳۵۰	۱۶۔ نواب محمد اکبر خاں	۳۲۵	۲۱۔	خان بہادر خاں -	۳۲۵
۳۵۱	سلسلہ نسل	۳۲۶	۲۲۔	احمد یار خاں -	۳۲۶
۳۵۲	حافظ الملک کی نواسا جزا دیں	۳۲۷	۲۳۔	نواب حیدر حسین خاں -	۳۲۷
۳۵۳	پہلی صاحبزادی -	۳۲۸	۲۴۔	نواب یحییٰ خاں نواب -	۳۲۸
۳۵۴	دوسری صاحبزادی -	۳۲۹			
۳۵۵	تیسری صاحبزادی -	۳۳۰			
۳۵۶	چوتھی صاحبزادی -	۳۳۱			

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
	ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد حکومت	۳۵۴		پانچویں صاحبزادی -	
۳۶۵	انگلشیہ کا دوسرا دور -	"		چھٹی صاحبزادی -	
"	آج کی حالت	"		ساتویں صاحبزادی -	
۳۶۶	بزرگوں کی جائیدادیں اور اندرون -	"		آٹھویں صاحبزادی -	
"	صنعت و حرفت اور تجارت -	"		نویں صاحبزادی -	
"	ملازمین -	۳۵۵		حافظ الملک کی دو بہنیں -	
"	زمیندارکان -	"		مستورات کی زبان -	
"	تعلیم -	۳۵۶		روہیلکھنڈ روہیلہ حکومت کے بعد	ضمیمہ ۳
۳۶۷	ہندوب و اخلاق -	"		ریاست رامپور پر ایک نظر -	
		۳۵۸		روہیلکھنڈ عہد شاہان اودھ میں	
		۳۵۹		روہیلکھنڈ عہد انگلشیہ میں	
		"		انگریزی حکومت کے دور -	
		۳۶۰		پہلا دور -	
		"		قحط	
		"		مفتی گردی -	
		۳۶۱		۱۸۵۷ء کا ہندو مسلم فساد -	
		۳۶۲		پھر قحط -	
				ہنگامہ ۱۸۵۷ء روہیلہ حکومت	
		"		کا دوبارہ عارضی قیام -	
		"		خان بہادر خاں -	

فہرست تصاویر

صفحہ	تصویر	نمبر
۰	حافظ الملک حافظ رحمت خاں -	۱
۰	صاحبزادہ عبدالواجد خاں ایم، اے (علیگ)	۲
۰	سید الطاف علی بی، اے (علیگ) مؤلف	۳
۶	شیخ شہاب الدین المعروف بہ کوٹا بابا (عالم مراقبہ میں)	۴
۱۰	قبر شاہ عالم خاں (بدایوں)	۵
۳۴۴	مقبرہ نواب علی محمد خاں (آؤلہ)	۶
۱۴۱	نواب حافظ محمد یار خاں ابن حافظ الملک -	۷
۲۳۰	مقبورہ حافظ الملک حافظ رحمت خاں (بریلی)	۸
۲۷۴	جامع مسجد پہلی بھیت -	۹



صاحبزادہ عبد الواحد خان ایم۔ اے (علیگ)

”انساب“

دلی سترت کے ساتھ میں اپنی اس تالیف کو اپنے محترم ہم وطن صاحبزادہ
عبدالواجد خاں صاحب ایم، اے (علیگ) بریلوی کے اسم گرامی سے
منسوب کرتا ہوں۔

صاحبزادہ صاحب کو علم تاریخ اور اردو ادب کی ترقی کے ساتھ خاص شغف ہے۔
آپ اسی خاندان کے ایک فرزند ہیں جس کے بانی حافظ الملک حافظ رحمت خاں
مہجوم تھے۔ صاحبزادہ صاحب موصوف معظم الدولہ شہت جنگلی اب حافظ محمد یار خاں
ابن حافظ الملک کی چوتھی پشت میں ہیں۔ حافظ الملک کے خاندان کی یشلخ نہ ضر
بلحاظ متول بلکہ ادبی ذوق اور علمی سرپرستیوں کے اعتبار سے بھی اپنی خاندانی روایات کو
قائم رکھنے میں ممتاز ہے۔

ان حالات میں صاحبزادہ صاحب کے نام نامی سے اُنکے مورث اعلیٰ کی سوانح عمری کو معنون
کرنا میرا ایک خوشگوار فرض ہے۔ کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اُن سے زیادہ میری محنت بجا نہیں آئی
کا کوئی دوسرا قدردان نہیں ہو سکتا۔

الطاف علی بریلوی

اکتوبر ۱۹۳۳ء

مقدمہ

از

(مولوی نظام الدین حسین مصطفائی بدایونی مؤلف قاضی المشاہیر وغیرہ مدیر اخبار ذوالفقار نین بدایوں)

یہ کتاب جس کے متعلق میں چند سطریں لکھنا چاہتا ہوں فن تذکرہ یافتہ سوانح نگاری کا ایک نمونہ ہے جس کو ہماری اُردو زبان میں سید الطاف علی صاحب بی، اے (علیگ) بریلوی نے علمی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ سوانح عمری کا فن علم تاریخ کا ایک اہم شعبہ ہے جس کو مغربی دنیا نے اپنے مشاہیر کے حالات شان لے کر کے مزاج قری پر پھنچا دیا ہے۔ زمانہ حال کے سوانح نگار کا صرف یہی فرض نہیں ہوتا کہ وہ اپنے مشاہیر کی تصویر کا روشن پہلو دکھا کر اُس کو آسمان پر چڑھا دے بلکہ وہ اُس کی کمزوریاں بھی دکھاتا ہے تاکہ کسی بڑے آدمی کی زندگی کے دونوں پہلو آئینہ نسلوں کے لئے شمع ہدایت کا کام دیں۔ اُس کے اچھے حالات کی تقلید کر کے وہ اُس کا نمونہ بننے کی کوشش کریں اور ناپسندیدہ کمزوریوں کے بُرے نتائج سے متنبہ ہوں۔

اس کتاب میں روہیل کھنڈ کے سپہ سالار اعظم اور ایک مدبر حکمران کے حالات کو ایک جگہ جمع کرنے کی پہلی کوشش کی گئی ہے اس سے پہلے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی زندگی پر کوئی جد اگانہ کتاب اُردو زبان میں نہیں لکھی گئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہندوستان بالخصوص روہیل کھنڈ کی تاریخ میں اس بہادر جنرل کا ذکر بار بار آیا ہے اور اس سلسلہ میں اُن کی سیاسی حکمت عملی اور اُن کے جنگی کارناموں پر مونی نے اجمالی تبصرہ کیا ہے۔ لیکن اکثر حالتوں میں یہ رائیں جو ہم تک پہنچی ہیں اُن میں زمانہ کی مصلحت اندیشی اور سیاسی خود غرضیوں کی بُو آتی ہے۔

حیاتِ حافظ رحمت خاں کے قابل مؤلف نے اُن غلط بیانیوں یا دوسرے نرم الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ غلط فہمیوں کو نہایت قابلیت کے ساتھ دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ قیاس اور خیال کی بنا پر نہیں۔ بلکہ تاریخی واقعات جو مستند ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں اپنے دعوے کی تائید میں پیش کئے ہیں۔ مؤلف

کو روہیل کھنڈ کے صدر مقام پبلی میں مقیم ہونے کی وجہ سے جو حافظ المکاک کی تگ و دو کا مرکز رہا ہے اور جہاں آج بھی اُن کے خاندان کے افراد کثیر تعداد میں بود و باش رکھتے ہیں اُن تمام علمی و مطبوعہ کتابوں - نوشتوں - فرائض اور تصویروں پر جو حافظ المکاک کے بعض افراد خاندان کے پاس نسلاً بعد نسل محفوظ چلی آتی تھیں دسترس حاصل تھی - اس کے علاوہ اُنہوں نے انگریزی مصنفین کی تصانیف کی بھی کافی طور پر چھان بین کی اور جس کتاب میں جہاں کہیں بھی مخالف یا موافق حافظ المکاک کی زندگی کے متعلق کوئی واقعہ ملا اسکو ذرا کے اصول پر خوب پرکھا اور جانچ تول کے بعد اُس کو اپنی کتاب میں شامل کیا -

فی الواقع حافظ رحمت خاں کے حالات کا یہ مجموعہ ہمارے سامنے روہیل کھنڈ کی بے لوث و مکمل تاریخ کو پیش کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ روہیلوں اور اُن کے سردار حافظ رحمت خاں نے اس حاکم کی جوازنگ ناگنگ پھیلا ہوا ہے تاریخِ عظمت بڑھانے میں کس قدر نمایاں حصہ لیا ہے - روہیلوں کی قوم آج کتنی ہی گر گئی ہو لیکن اس حیثیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جب انہوں نے ہندوستان میں سب سے پہلے اپنا قدم رکھا تو افغانی حیثیت اور اسلامی الوالہ العزیز اُن کے ساتھ آئی - ہر جنگ میں ہفقت لے جانے کی اُننگ اُن کی کامیابی کا راز تھا - یہی وہ صفت تھی کہ دریا اور پہاڑ اُن کے ارادوں کی کامیابی میں اُن کے سدرا نہ ہوتے تھے - کوئی مشکل اُن کو میدان سے نہ ہٹا سکتی تھی -

آج منصبِ تاریخ نگار اگر اُن کو لیٹرے یا ڈاکو کا لقب دیں تو یہ اُن کی ہٹ دھرمی اور غلط بیانی ہے - وہ نہ رہن تھے نہ لیٹرے - اُن کی پاکبازی - خدا ترسی - دوست نوازی عالی تہی - ایثار اور علم دوستی یہ وہ مخصوص اوصاف ہیں جو انسان کو انسان بناتے ہیں - انہیں اوصاف نے اس کتاب کے بہرہ کو اپنے معاصرین میں ممتاز بنایا تھا - اولائیں اعلیٰ صفات انسانی کی وجہ سے حافظ رحمت خاں کا شمار دنیا کے بڑے آدمیوں میں کیا جاتا ہے -

اس کتاب کے مطالعہ سے یہیں معلوم ہوتا ہے کہ حافظ رحمت خاں نے سرزمین روہیل کھنڈ میں نہ صرف جنگی و سیاسی کھیل کھیلے بلکہ یہاں کی تہذیب و تمدن کو بھی بام ترقی پر پہنچانے میں زیر دست حصہ لیا - ”طرزِ حکمرانی اور ذاتی حالات“ کے عنوان کے تحت میں ناظرین ملاحظہ کریں گے کہ سلطنتِ مغلیہ کے آخری

دور میں جو شایستگی و تدنِ رائج تھا۔ حافظِ رحمت خاں اُس کا تجسمِ نمونہ تھے۔ اور مولف نے اس باب کو دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے۔ کتاب کا یہ حصہ حقیقت دنیا کی ایک تماشہ گاہ ہے جس سے عبرت بھی حاصل ہوتی ہے اور نصیحت بھی۔

اس بڑے شخص کی سوانح عمری ہمارے سامنے اُس زمانہ میں پیش کی جا رہی جبکہ ہم میں نہ اضافی حجت باقی ہے۔ نہ ترکمانی صولت کا نشان ہے۔ نہ مغلی جلالت کا پتہ ہے۔ نہ ہاشمی آداب ہیں۔ نہ عباسی خصائل ہیں۔ ضربِ کراڑی۔ حربِ خالہی۔ اور سطوتِ فاروقی کا تو خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ باوجود اُنکا ادبیکاری اتنومنزنی عیش پسندی و فیشن پرستی نے ہمیں نکما کر دیا ہے۔ کاپی سستی اور ظاہر پرستی کی نرا عادتیں ہماری سرشتِ ثانی بن گئی ہیں یہاں تک کہ ہماری صورت اور شکل بھی صحیحِ جمالیٰ تندرستی کا پتہ نہیں دیتی۔ ہمارے حال پر رونے والے رونے ہیں اور کہتے ہیں ۵

دہِ رودوش اور دہِ سینے پہلوانی کیا ہوئے وہ خدو بلا دہِ چہرے ارغوانی کیا ہوئے
کما جائے گا لایسی صورت میں روہیلوں کی بہادری اُن کی جلالت و شہامت کے قہقہے دوہرانے قوت
کی راگنی ہے ۵

بلبل اندر خزاں بشارتِ کُن قصتہ نو بہار می گوید۔

جب باغ میں فصلِ خزاں چھائی ہو تو بہار کی داستان چھیلنا کسی طرح بر محل نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایسا کہنے والے اس پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جب تک اخلاف اپنے اسلاف کی خوبیوں کو نہ معلوم کریں گے اُن میں اُننگِ دولہ اور جوشِ عمل پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس کتاب کی اشاعت موجودہ زمانہ میں محل نہیں کی جاسکتی۔

زبان کے لحاظ سے یہ کتاب اردو میں ایک نادر اضافہ ہے۔ اردو میں نثر کی کتابیں مختلف

شعبہ جاتِ ادب میں لکھی جا رہی ہیں۔ نہ ہی کتابوں کے زمانہ تصنیف کو سب پر تقدیم حاصل ہے۔ تاریخِ ادب سوانح نگاری کا بھی کچھ نہ کچھ ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔ ناولوں کا نو انبار لگ گیا ہے۔ ڈرامہ نویسی بھی فروغ ہو گئی ہے۔ اقتصادیات و سیاسیات اور سائنس وغیرہ کی بھی بنیاد پڑ چکی ہے لیکن مجھے افسوس کے ساتھ

اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے مصنفین یہ لحاظ نہیں رکھتے کہ ہر ایک شعبہ کی کتاب کا اسلوب بیان جداگانہ ہونا چاہئے مثلاً اول اور تاریخ کی زبان میں فرق رکھنا لازمی ہے۔ معایت حافظ رحمت خاں کے لائق مؤلف نے اس خصوصیت کو اپنی کتاب میں نہایت قابلیت کے ساتھ قائم رکھا ہے۔ مذم و بزم کے مناظر کو کجی سنگین و رنگین عبارت میں ادا کرنے کی بجائے کچھ اس سادگی اور خوبی سے ادا کیا ہے کہ واقعات کی صحیح تصویر پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ جہاں کہیں فارسی عبارتوں کا ترجمہ کرنا پڑا ہے اُس ترجمہ میں فارسیت اُردو پر اگر غالب نظر آتی ہے تو اُس کا صرف یہی سبب ہے کہ مؤلف نے یہ خیال رکھا کہ ترجمہ با محاورہ بھی ہو اور فارسی کے اصل مصنف کے الفاظ بھی حتی الامکان ترجمہ میں آجائیں۔ اگر وہ یہ عمل کرتے کہ فارسی کتابوں کے انتقابات صرف اُسی زبان میں دیدیتے اور ترجمہ نہ کرتے تو اُن اُردو داں ناظرین کے لئے جو فارسی نہیں جانتے باعث زحمت ہوتا۔ یہ ترجمے اُن کو بسا غنیمت معلوم ہوتے۔

یہ کتاب نہ صرف روپل کھنڈوالوں کے لئے لکھی گئی ہے اور نہ صرف کسی خاص قوم کے لئے۔ جس طرح اہل روم کھنڈ اس کو غیر معمولی دلچسپی سے پڑھیں گے اُسی طرح ملک کے دوسرے حصوں میں بھی جہاں اُردو بولی اور سمجھی جاتی ہے اس کتاب کی قدر ہوگی۔ نہ صرف مسلمانوں کو اس سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ہے بلکہ غیر مسلم بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ نہ صرف اُردو داں اس کے مطالعہ کا لطف اُٹھائیں گے بلکہ انگریزی دان طبقہ کے لئے بھی جس کا اوڑھنا بچھونا صرف انگریزی زبان میں تاریخی مواد بنا ہوا ہے۔ تحقیق و تدقیق کی ضرورت سے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہوگا۔

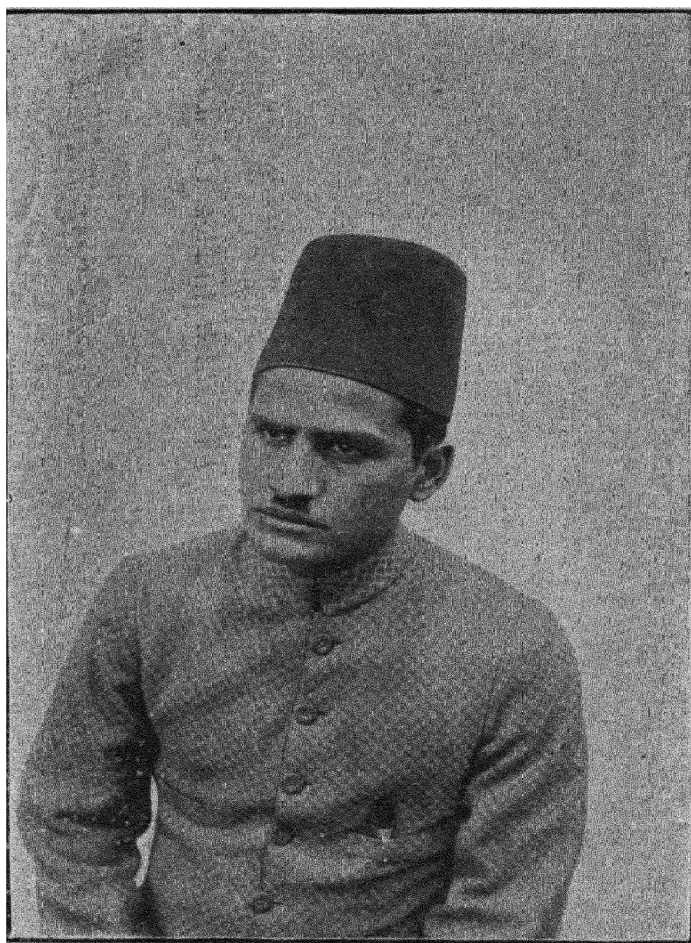
یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اُن طلباء کے لئے بھی ہندوستان کی تاریخ جن کا مضمون ہوتا ہو اس کتاب کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔

آخر میں ہمیں تعلیم یافتہ نوجوانوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ تعلیم ختم کرنے کے بعد اُن کا یہی کام باقی نہیں رہ جاتا کہ وہ ملازمت کی کوشش کریں اور اُس کے میسر آجائے پر صرف اُسی کے ہو کر رہ جائیں بلکہ اُن کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے علم و فضل سے اپنے اُن بھائیوں کو جو اعلیٰ مغربی تعلیم سے محروم ہیں فائدہ پہنچائیں۔ اور یہ مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ فرصت کے اوقات

میں تصنیف و تالیف کا مشغلہ اختیار کریں۔ اور اُردو زبان میں اس قسم کی مفید تالیفات یا تراجم کا اضافہ کریں جو اردو داں اصحاب کی معلومات کو وسیع۔ اُن کی ذہنیت کو بلند کریں اور قومی ترقی کا ایک اعلیٰ نصب العین اُن کے سامنے پیش کریں۔ ہمیں مسرت ہے کہ حیاتِ حافظِ رحمت خاں کے مولف اپنے اس فرض کے ادا کرنے میں بڑی حد تک عمدہ برآ ہوئے ہیں۔ خدا اُن کو اس سے زیادہ علمی و ادبی خدمت کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

نظامی بربایونی

۱۲۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء



سید الطاف علی بی-اے (علیگ) مولف

دیباچہ

از

(مؤلف)

مصلحت جو مومنین نے ہمارے ملک کی صحیح تاریخ پر تاریکی کا پردہ ڈال کر جیسی جیسی سیاسی اُستادیاں کی ہیں اُس کا غیر جانب دار تعلیم یافتہ طبقہ کو احساس پیدا ہو چلا ہے اور اب کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ بطور ردِ عمل تاریخ ہند کی اصلی تصویر برسرِ کسے کار لانے کے لئے درد مند اور حساس اہلِ قلم کی کوششوں کا کوئی نہ کوئی کامیاب نتیجہ ہمارے مشاہدہ میں نہ آ جاتا ہو۔

شمس العلما مولوی ذکار اللہ - علامہ شبلی - لالہ لاجپت رائے - میجر جی۔ ڈی باسو - پروفیسر عابد و ناتھ سرکار اور مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اس اہم کام کی ابتدا کی اور ملک کے بہترت دوسرے ادیب اس مفید کام کو جاری رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

حیات حافظ رحمت خاں بھی اسی قسم کی کوششوں میں سے ایک ناچیز کوشش ہے۔

حافظ رحمت خاں کی شخصیت ہمیشہ سے محوِ غرور و فخر تھی۔ اور نگاریب - میر تقی میر - پٹو سلطان اور امیر خاں کی طرح مومنین کے تعصب کا شکار رہی ہے اور اسی وجہ سے دُنیا اُن کی اصلی شخصیت کو جاننے سے قاصر رہی کیونکہ صرف یہ بتایا گیا تھا کہ وہ اٹھارویں صدی کے ایک مشہور قاصب - خائن - ظالم اور تعصب حکمران تھے۔ مروجہ تاریخوں کا سوا و غظم اُن کے خلاف اس قسم کے الزامات سے بھر پڑا ہے۔ اور چونکہ ایک سردار قوم کی زندگی کا بیان دراصل اُس کی قوم کے حالات کی تفسیر ہو کر رہا ہے اس لئے جس قدر حافظ رحمت خاں بدنام ہوئے اُسی اعتبار سے اُن کی قوم ذلیل ہوئی اور آج ردِ ہند قوم کا بھی اس کے علاوہ اور کوئی طنزائے انتہا نہیں ہے کہ وہ ظالموں اور ظیروں کی جماعت تھی اور بس۔

ظالم شیروں کی جماعت، اور اُس کے غاصب و خائن سردار کا وجود کیا کسی نوع سے پسندیدہ بھی ہو سکتا ہے؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو تو شجاع الدولہ والی اودھ اور برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے کیا گناہ کیا جو باہمی اتحاد و عمل سے ایک قابلِ نفرت جماعت اور اُس کے سردار کا استیصال کر دیا۔ گناہ تو گناہ یہ تو بہت بڑے

ثواب کا کام کیا جس کے لئے اس سرزمین کے رہنے بسنے والوں کو ہمیشہ احسان مند ہونا چاہئے۔

حقیقتاً یہی وہ نظر ہے جس کو تقویت دینے کے لئے کتابیں لکھی گئیں اور لکھوائی گئیں۔ تاکہ سندرہیں۔

مشہور و معروف تاریخ 'سیر الملتاخرین' کے مصنف غلام حسین ایک جگہ اتفاقاً اپنی تاریخ جلد دوم میں جنگِ پٹنہ کے ذیل میں اپنی آپ بیتی اس طرح لکھتے ہیں کہ

”ڈاکٹر ٹرنٹن اور میرے درمیان کچھ خط و کتابت بھی رہی تھی..... اُس نے مجھے صلاح دی تھی کہ مجھ کو

اپنے اور بادشاہ (شاہ عالم) کے بہت جلد انگریزی کتب میں پہنچنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ اس خبر سے

میں نے اپنے والد کو مطلع کیا اور ایک ایسے معاملہ میں جس سے ہمارے خاندان کا استحکام ہو اور وہ

انگریز قوم کے شکر یہ کام سرور ہو سکے پیش قدمی کرنے پر اصرار کیا.....“

یہی غلام حسین تھے جنہوں نے سیر الملتاخرین کے نام سے ایک ضخیم تاریخ لکھ ڈالی۔ ظاہر ہے کہ اُن کی تالیف کی بنیاد بھی اُسی ذہنیت پر رکھی گئی جس کا جلوہ اُن کے مندرجہ بالا بیان میں نظر آتا ہے۔ مگر پھر بھی اُن کی کتاب ہمارے 'ہیورد' مورخین کی ایک ایسی سند ہے جس کے غلط ثابت کرنے سے ہمیں قاصر سمجھنا پڑتا ہے۔

ایک اور کتاب تاریخ 'فیض بخش' ہے۔ اس کے مصنف روہیل کھنڈ کے سب سے بڑے مورخ مسٹر پٹن

کے 'روہیلاندرسٹریٹ' یا 'روہیلہسٹورین' شیورپنڈا ہیں۔ انھوں نے بقول سر جان اسٹرنجی تاریخ روہیل کھنڈ کے

متعلق سب سے زیادہ قیمتی معلومات 'اپنی پیش ہوا' کتاب سے ہم پہنچائی ہیں۔ اب اس کتاب کی شان نزول

ملاحظہ ہو کہ مصنف نے اس کو 'مسٹر کرک پیٹرک'، ایک سویلین کی قریب پر لکھ کر نواب فیض اللہ خاں والی رامپور

سے اصلاح لی تھی اور اس کے مسودہ کو ایک ذمہ دار گزشتہ کام پر تعینات 'افغان' نے مسٹر پٹن کے حوالہ کیا تھا

جس کا ترجمہ کر کے مسٹر پٹن نے ایک ایسی کتاب لکھی جو یاد گار ہے اور کسی مورخ نے روہیلوں کے حال میں

اُس وقت تک فلم اٹھایا جب تک مسٹر پٹن کی کتاب کو اپنے سامنے نہ رکھ لیا۔ حتیٰ کہ انسائیکلو پیڈیا

بری ٹینیکا، میں بھی جو روہیلوں اور روہیل کھنڈ کے متعلق بیان درج ہے وہ مسٹر پٹن ہی کی کتاب کے

حوالہ سے ہے۔ اور مسٹر پٹن کی کتاب کو یہ اہمیت محض اس وجہ سے حاصل ہے کہ اُس کی بنیاد ایک نیو

ہسٹورین، کی تاریخ پر ہے جو عام اس سے کہہ کیے ہی اثرات کے ماتحت کیوں نہ معرض وجود میں آئی ہو

غلط نہیں ہو سکتی اور یہیں اُس کو بھٹلانے کا حق نہیں پہنچتا۔

اسی طرح مرزا رفیع السودا لازم نواب شجاع الدولہ کا مشہور تہفیدہ 'حافظہ' سرمدیانہ دیار زرہ... اور نواب سعادت علی خاں کے ایک وظیفہ خواہ کی کتاب 'عماد السعادت' گو اودھر روہیل کھنڈ کی مشہور رقابت کا قبوہ ہیں اور ان کی ایسے لوگوں کی نظر میں جو جنبہ داری کی عینک اُتار کر صحیح واقعات کی چھان بین کرنے کے دعویدار ہیں کوئی وقعت نہ ہونی چاہئے تھی لیکن ہم دیکھتے ہیں ان چیزوں کو بھی کافی تاریخی اہمیت دی گئی ہے۔ اور واقعات کے مسخ کرنے میں ان سے کافی مدد لی گئی ہے۔

زمانہ حال کی مشہور کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور سر جان اسٹرنجی سابق لفٹنٹ گورنر یو۔ پی کی مؤلفہ کتاب 'ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار' ہے۔ اس کتاب کو دو حصوں سے اہمیت دی جاتی ہے کہ اول تو مصنف کی شخصیت بہت بلند و مستند ہے دوسرے اُس کو لندن میں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم کے تمام علمی خزانوں پر پوری پوری دسترس حاصل تھی اس لئے اُس کو گورنر جنرل ہیسٹنگز کے زمانہ حکومت کے اصلی سرکاری کاغذات اور تمام اہم بیانات و تحریروں سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ اس کتاب کی مذکورہ بالا خصوصیات کا ہمیں بھی اعتراف ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ گورنر جنرل ہیسٹنگز کے زمانہ حکومت کی روہیلوں سے متعلق تمام ضروری تحریریں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم میں بھی محفوظ و موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ ان تحریروں کے نامکمل ہونے کے بارے میں مہراں کلکتہ کو نسل میسرز مافسن۔ کلبورنگ۔ اوڈ فرانسس نے اپنے ایک خط بنام کورٹ آف ڈائریکٹرز لندن میں ۱۸۷۰ء نوبر ۱۷ء کو جنگ روہیلہ کے مظالم کی بابت لکھا کہ۔

”..... مظالم کی یہ تفصیلات غالباً کبھی آپ کے علم میں نہ آئیں اگر ہم سٹریٹنگز کے کئی جہیزین اور سٹریٹنگز کی خط و کتابت کے کاغذات طلب نہ کر لیتے۔ پھر بھی اس خط و کتابت کے وہ کاغذات ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں جن کا مسلسل شکستہ ہوا درجہ نامکمل حالت میں ہیں نیز کثرت خطوط و دستخط چھپائے گئے ہیں اور ہمیں یہ تجربہ ملنے میں کچھ پس و پیش نہیں ہے کہ ان سے بھی زیادہ عالمانہ حالات و واقعات دبا دئے گئے ہیں.....“

اس خبر کی روشنی میں سر جان اسٹرنج کی کتاب کی وقعت خود بخود کم ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی وہ ہمارے شکر یہ کہے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سا ایسا مواد جمع کر دیا ہے جس سے روہیلوں کے متعلق آزاد رائے قائم کرنے والے کو بھی کچھ نہ کچھ مدد مل جاتی ہے۔

سر جان اسٹرنجی، ہملٹن اور ان کے ہم خیال مورخین کی تالیفات کو پھوڑ کر جب ہم دوسری طرف نگاہ دوڑاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کے ملک اور قوم میں ایسی ہستیاں بھی پیدا ہوئیں جنہوں نے انصاف پسندی کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ اس گروہ میں 'ایڈمنڈ منڈرک'، 'کرئل جیمپن'، 'ڈیٹرڈان'، 'فاسک'، 'فرانسس'، 'لارڈ میکالے'، اور 'بل' کے نام لئے جا سکتے ہیں جنہوں نے خود اور سر فرڈینش اور مہذب و ترقی یافتہ روہیلہ قوم کے افسوسناک استیصال اور ان کے ذمی علم - ذمی حوصلہ - الوالعزم - وفا شعار اور ایثار پریشہ سردار حافظ رحمت خاں کے حسرت ناک قتل کے صحیح اور سچے واقعات سے دنیا کو روشناس کرنے میں پوری پوری وسعت و نظر فراخ دلی - اور دیانت داری سے کام لیا۔ مصالحوں کی و قومی اور تعصبات نسلی و مذہبی کو بالائے طاق رکھ کر ظالموں کے ظلم کی سخت مذمت کی اور مظلوموں کی حمایت میں کمال درجہ اخلاقی جرأت برتی۔

ان خدا ترن مشاہیر کی تقریریں - تحریریں - بیانات اور ان میں سے بعض کی تصنیف کردہ گراں قدر کتابیں روہیلوں اور ان کے سردار حافظ رحمت خاں کے صحیح حالات کھنے والے کی رہنمائی کے لئے شمع ہدایت کا کام دے سکتی ہیں۔ ہمیں اعتراف ہے کہ ہمیں اپنی اس تالیف میں ان قابل مصنفین کی تصنیفات سے بہت کچھ مدد ملی ہے۔ روہیلانے اعظم کی اس سوانح عمری کی تالیف میں ہمیں ان کے علاوہ اور بہت سی تاریخوں کا ورق گردانی کرنی پڑی ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ بہترین و مستند تاریخ روہیل کھنڈ کی سرا بہ دار کتابیں گلستانِ رحمت گلِ جنت اور تاریخِ سلیمانی خاص طور پر ہمارے پیش نظر رہی ہیں۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں ان کتابوں سے انگریزی مورخین نے بالکل کام نہیں لیا یا بہت کم کام لیا ہے۔ جس کی وجہ ان لوگوں نے یہ بتائی ہے کہ چونکہ یہ کتابیں ان مصنفین کی لکھی ہوئی ہیں جن کو حافظ رحمت خاں سے نسبی تعلق حاصل ہے اس لئے انہوں نے یہ کمزور و کمزور نظریہ اختیار کیا کہ ایک بیٹا اپنے باپ کے حالات کھنے میں ضرور رنگ آمیزی سے کام لے گا۔ اسی اصول کو مد نظر رکھ کر ان لوگوں نے سیر المتاخرین اور فیض بخش جیسی کتابوں کو مستند مانا حالانکہ ان کتابوں کے مصنفین کو صیحا کہ

ہم نے سطور بالا میں ثابت کیا ہے بے لوث اور آزاد رائے مورخ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس خیال سے کہ ہم حافظ رحمت خاں کی زندگی کے روشن اور تاریک دونوں پہلوؤں کو اپنے ناظرین کے سامنے رکھ سکیں ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ جہاں ہم پلٹیں اور اسٹریجی کے جمع کئے ہوئے مواد سے فائدہ اٹھائیں یا مولانا نجم الغنی خاں رامپوری کی کتاب اخبارالصنادید کے (جس کے غلط واقعات کی ہیں جا بجا تردید کرنی پڑی ہے) ورق و پیش ہم نے گلستانِ رُخ اور گلِ رحمت سے اصل واقعات اور حالات کا پتہ لگایا ہے اور ان بیان کردہ روایات کو درایت کی کسوٹی پر پرکھا ہے۔ ناظرین اس کتاب کو تمام کمالِ مطالعہ کرنے کے بعد خود اس فیصلہ پر پہنچیں گے کہ ہم اُس فرض سے جو ایک سوانح نگار رکا ہو سکتا ہے کس حد تک عہدہ برہوئے ہیں۔

ایک سوانح نگار کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے ہیر کی بُرائیوں پر پردہ ڈال کر محض اُس کی اچھائیوں کو نمایاں نہ کرے اور اپنے ہیر کی حیثیت برٹھانے کے لئے اُس کے معاصرین کو بچا دکھانے کی کوشش نہ کرے۔ اس لئے ہم نے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی نہ تو سیاسی غلطیوں پر پردہ ڈالا ہے اور نہ ان کی شخصیت کو چمکانے کے لئے نواب علی محمد خاں یا اس عہد کے دوسرے بڑے آدمیوں کی شخصیتوں کا استخفاف کیا ہے۔

حق پر وہی اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ سلامت روی اس تالیف کا جوہر ہے

اچھے یا بُرے واقعات کو کچھ اس طور سے ترتیب دیدیا ہے کہ ان کی اصل تصویر ناظرین کے سامنے پیش ہو جائے اور وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ہمارے صاحب تذکرہ کے متعلق رائے قائم کر لیں۔ عبارت آرائی کے ذریعہ اپنی طرف سے ہم نے لوگوں کی طبائع پر کوئی غیر ضروری اثر اندازی نہیں کی ہے۔ ہمارا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اپنے ہیر کو قلبِ نکال کر دنیا کو اس کی اصلی حالت مشاہدہ کرا دیں۔ اس قلب کے محسوسات و واردات کو کچھ ہم نے سمجھنے کی کوشش کی ہے اور کچھ ناظرین سمجھیں۔ تنہا اس فرض کی ادائیگی ہم سے ممکن نہیں کیونکہ بقول مولف "سیرت محمد علی" انسان کی زندگی کا ناس کا سب سے پوشیدہ راز ہے اور انسانی شخصیت کو سمجھنا اور سمجھ کر دوسروں کو سمجھانا اُسی نسبت سے دشوار ہے۔

صاحب تذکرہ کے حالات کے سوا عمدہ قدیم یعنی زمانہ مہاراجت سے لے کر عہدِ حاضر تک سرزمینِ سکینہ کے اہم تاریخی واقعات مشاہیر و مہلک مہلک کے حالات اور خصوصیت کے ساتھ حافظ الملک کی ازواج و اولاد کا

”تذکرہ مع ان کے سلسلہ ہائے نسل اور بیانِ معافیاتِ خاندانی“ بھی ان اوراق میں شامل ہے ان بیانات و حالات کے لئے حواشی اور ضمیموں کا مطالعہ ضروری ہے جو بجائے خود ایک خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ چند صفحات جن کو ہم حاصل کتاب سمجھتے ہیں ہندوؤں کے لئے بھی مخصوص کر دیے گئے ہیں جن سے حافظِ رحمت خاں کے عہدِ حکومت میں ہندو مسلمانوں کے خوشگوار و مخلصانہ تعلقاتِ چٹانگت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ان صفحات کے مطالعہ سے امید ہے کہ ہندو مسلمانوں کی موجودہ فرقہ وارانہ ذہنیت کے تبدیل ہونے میں بہت کچھ امداد ملے گی۔

ہمیں اس امر کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس تالیف کے لئے فارسی - اردو اور انگریزی کی اُن قلمی و مطبوعہ کتابوں میں جن کی فہرست ذیل میں دی گئی ہے اور اُن کے علاوہ بکثرت بوسیدہ قلمی نوشتہ جات کی فراہمی اور ان سے حوالے تلاش کرنے نیز اقتباسات لینے میں ہمیں کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جو لوگ تصنیف و تالیف کا شغل رکھتے ہیں وہ اس امر سے واقف ہیں کہ ایک تاریخی تالیف کو مرتب کرنے کا کام جس میں مختلف کتابوں کی درجہ گردانی کرنی پڑے بہ نسبت ایک طبعِ زاو تصنیف کے کتنے مشکل ہے۔ محترمی حاجی نواب خاں احمد خاں صاحب بریلوی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اپنا مجموعہ مکتب و نوشتہ جات جو انھوں نے گزشتہ پچاس سال کے عرصہ میں کسی ایسے شخص کے لئے فراہم کیا تھا جو حافظِ ملک کی صحیح و مکمل سوانح ترتیب دیکر ان کا عطا فرما دیا اور کچھ بہت کچھ رحمتوں سے بچا کہ ایک حد تک آسانی اس نہایت ضروری خدمت کو انجام دینے کا موقع ہم پہنچا یا۔

میرے محرم مولوی محمد عظیم اللہ خاں صاحب ماہر السنہ مشرقیہ کا وجود گرامی میرے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہایت نہ ہو! فارسی کی قلمی کتابوں کے صحیح طور پر سمجھنے - اُن کے ضروری حصوں کے ترجموں اور کاپیوں کی تصحیح میں امداد دیکر انھوں نے اپنی غیر معمولی علم و دستی اور بے لوث ہمدردی کا ثبوت دیا۔

مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی ایڈیٹر ذوالقرنین بدایوں کا جو ایک کامیاب اخبار نویس اور کُشتِ انشا پرداز ہیں ممنونِ احسان ہوں کہ موصوف نے اپنا بہت سا قیمتی وقت صرف فرما کر نہ صرف مسودہ پر نظر ثانی فرمائی بلکہ پروف ریڈنگ کا صبرِ زما کام بھی اپنی ضعیف العمری کے با وصف پوری جوان تہمتی سے

انجام دیا۔

اس سلسلہ میں خاص طور پر میں عالی جناب صاحبزادہ عبدالواحد خاں صاحب ایم، اے (علیگ) کاشمیر گزراہوں جنہوں نے کمال ہر بانی مبلغ ایک ہزار روپیہ کا گرانقدر عطیہ رحمت فرما کر مجھے اس قابل بنایا کہ میں اپنی کتاب کو زیور طبع سے درصع کر کر بہت جلد مشتاق ہلک کے ہاتھوں تک پہنچا سکا۔

آخر میں مولانا سید یحیٰ علی احمد صاحب - خان بہادر مولوی ادیس احمد صاحب - بابو چھیل بہاری لال صاحب کپور ایڈوکیٹ - سید یوسف علی صاحب ایڈوکیٹ ایم - ایل - سی - پنڈت رادھہ شyam صاحب کتھاواچک - مولوی عبدالواحد صاحب ہینشل مجھڑیٹ - ڈاکٹر سید محمود صاحب ایم، اے، پی، ایچ، ڈی - پیر ٹریٹ لا - بابو منالال صاحب لاہور برین بریلی انسٹی ٹیوٹ - بابو نمونہ لال صاحب ماتھرا ایڈوکیٹ - سید نواز الحسن صاحب - فتنی عبدالغفر خاں صاحب - ماسٹر احمد شاہ خاں صاحب - مولوی عزیز حسین خاں صاحب ایڈوکیٹ - حضوری میاں صاحب - پروفیسر عبدالشکور صاحب ایم - اے - یکیم سعید الرحمن خاں صاحب - خان بہادر حکیم معظم علی خاں صاحب - بابو اننت رام صاحب سرہی - مولوی اکرام عالم صاحب وکیل - مولوی عبداللطیف صاحب - مولوی سجاد حسین صاحب وکیل -

اور ان کے علاوہ دوسرے اپنے ایسے احباب اور بزرگوں کا بھی شکر گزار ہوں جو مجھ سے محبت اور مرے ناچیز کاموں سے بہرہ دہی رکھتے ہیں اور جنہوں نے اس کتاب کی تسوید و ترتیب کے زمانہ میں میری بہت کچھ بہت افزائی فرمائی۔

خاکسار

الطاف علی

بریلی - ۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء

فہرست کتب و الحیات

کتب اُردو۔ اخبار الصنادید۔ مولوی نجم الغنی خاں رامپوری + تاریخ اودھ حصہ اول و دوم۔ مولوی نجم الغنی خاں رامپوری + سیر المتاخرین حصہ دوم و سوم۔ سید غلام حسین + تاریخ ہندوستان جلد ہفتم شمس العلماء مولوی ذکار اللہ + کنز الایام مولوی رضی الدین + تاریخ نجیب آباد مولانا اکبر شاہ خاں + تاریخ افغانستان موسوم بہ نقش سلطانی۔ نواب سلیمان خاں آسہ نمبرۃ نواب محبت خاں + حیات افغانی۔ علامہ محمد حیات خاں + سرگزشت نواب نجیب الدولہ۔ محمد عبدالسلام خاں عرضی + تاریخ اخبار حسن۔ نواب محمد حسن رضا خاں + تاریخ روہیل کھنڈ۔ نواب نیاز احمد خاں + نسب نامہ افغانہ۔ محمد عبدالسلام خاں پشترنج + تاریخ تیموریہ + قیصر التواریخ + تاریخ فرخ آباد۔ ولیم آرون + تاریخ شاہ جمال پور۔ مولوی صبیح الدین میان + تاریخ قدر۔ زبانی سید احمد حسین (قلمی) انتخاب یادگار۔ منشی امیر احمد مینائی + کلیات ہوش۔ نواب نیاز احمد خاں + دیوان عزیز۔ نواب عبدالغفر خاں + یادگار ضیغم۔ نواب عبداللہ خاں ضیغم +

کتب فارسی۔ گلستانِ رحمت۔ نواب تنجیب خاں ابن حافظ رحمت خاں (قلمی) گل رحمت۔ نواب سعادت یار خاں بنیرۃ حافظ رحمت خاں (قلمی) تواریخ رحمت خانی (قلمی) خلاصۃ الانساب۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں (قلمی) بحر فیہ افغانستان۔ مولوی محمد حسین + عماد السعادت (قلمی)۔

کتب انگریزی۔ برک کی تحریریں اور تقریریں جلد سوم۔ برک + امپائر ان ایشیا۔ اے مکیب آف کنفیٹش۔ ڈارنس ایم۔ پی۔ ہیپسٹن گز اینڈ دی روہیلا وار۔ سر جان اسٹریچی + رائز آف دی کریکچن پاؤر ان انڈیا جلد اول و دوم۔ میجر جی۔ ڈی باسو + ہسٹری آف برٹش انڈیا جلد سوم۔ جے۔ مل + ہسٹری آف دی جانش جلد اول۔ پروفیسر آر۔ کے قانون گو + ہسٹری آف دی مرہٹا۔ گرانٹ ڈف + روہیل کھنڈ گزیٹیئر + انسائیکلو پیڈیا بری ٹینیکا۔ ہسٹری آف دی روہیلا۔ ہملٹن۔

دِیا چہ

از

(مؤلف)

مصلحت جو مومنین نے ہمارے ملک کی صحیح تاریخ پر تاریکی کا پردہ ڈال کر جیسی جیسی سیاسی مُستادیاں کی تھیں اُس کا غیر جانب دار تعلیم یافتہ طبقہ کو احساس پیدا ہو چلا ہے اور اب کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ بطور ردِ عمل تاریخ ہند کی اصلی تصویر پر روئے کار لانے کے لئے درد مند اور حساس اہلِ قلم کی کوششوں کا کوئی نہ کوئی کامیاب نتیجہ ہمارے مشاہدہ میں نہ آ جاتا ہو۔

شمس العلما مولوی ذکار اللہ - علامہ شبلی - لالہ لاجپت رائے - میجر جی۔ ڈی باسو - پروفیسر عابد و ناتھ سرکار اور مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اس اہم کام کی ابتدا کی اور ملک کے بکثرت دوسرے ادیب اس مفید کام کو جاری رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جیات حافظ رحمت خاں بھی اسی قسم کی کوششوں میں سے ایک ناپچیز کوشش ہے۔

حافظ رحمت خاں کی شخصیت ہمیشہ سے محمود غزنوی محمد غفلت - اورنگ زیب - میر قاسم - بیگم سلطان اور امیر خاں کی طرح سوزنیں کے تعصب کا شکار رہی ہے اور اسی وجہ سے دنیا اُن کی اصلی شخصیت کو جاننے سے قاصر رہی کیونکہ صرف یہ بتایا گیا تھا کہ وہ اٹھارویں صدی کے ایک مشہور قاصب - خائن - ظالم اور تعصب کمران تھے۔ مروجہ تاریخوں کا سوا و اعظم اُن کے خلاف اس قسم کے الزامات سے بھرپور ہے۔ اور چونکہ ایک سردار قوم کی زندگی کا بیان دراصل اُس کی قوم کے حالات کی تفسیر ہو کر رہتا ہے اس لئے جس قدر حافظ رحمت خاں بدنام ہوئے اُسی اعتبار سے اُن کی قوم ذلیل ہوئی اور آج ردِ ہیل قوم کا بھی اس کے علاوہ اور کوئی طفرائے امتیاز نہیں ہے کہ وہ ظالموں اور شیردوں کی جماعت تھی اور بس۔ 'ظالم بیٹوں کی جماعت' اور اُس کے غاصب و خائن سردار کا وجود کیا کسی نوع سے پسندیدہ بھی ہو سکتا ہے؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو تو شجاع الدولہ والی اودھ اور برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے کیا گناہ کیا جو باہمی اتحاد و عمل سے ایک قابلِ نفرت جماعت اور اُس کے سردار کا استیصال کر دیا۔ گناہ تو گناہ یہ نہ تو بت بڑے

نواب کا کام کیا جس کے لئے اس سرزمین کے رہنے بسنے والوں کو ہمیشہ احسان مند ہونا چاہئے۔

حقیقتاً ہی وہ نظر ہے جس کو تقویت دینے کے لئے کتابیں لکھی گئیں اور لکھوائی گئیں تاکہ سندرہیں۔

شہور و معروف تاریخ سیر المتاخرین کے مصنف غلام حسین ایک جگہ اتفاقہ اپنی تاریخ جلد دوم میں جنگِ پٹنہ کے ذیل میں اپنی آپ بیتی اس طرح لکھتے ہیں کہ

”ڈاکٹر فلٹن اور میرے درمیان کچھ خط و کتابت بھی رہی تھی..... اُس نے مجھے صلاح دی تھی کہ مجھ کو

اپنے اور بادشاہ (دشاہ عالم) کے بہت جلد انگریزی کتب میں پہنچنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ اس خبر سے

میں نے اپنے والد کو مطلع کیا اور ایک ایسے معاملہ میں جس سے ہمارے خاندان کا استحکام ہو اور وہ

انگریز قوم کے شکر یہ کام وردہ ہو سکے پیش قدمی کرنے پر اصرار کیا.....“

ہی غلام حسین تھے جنہوں نے سیر المتاخرین کے نام سے ایک ضخیم تاریخ لکھ ڈالی۔ ظاہر ہے کہ اُن کی تالیف کی بنیاد بھی اُسی ذہنیت پر رکھی گئی جس کا جلوہ اُن کے مندرجہ بالا بیان میں نظر آتا ہے۔ مگر پھر بھی اُن کی کتاب ہمارے ”ہمدرد“ مورخین کی ایک ایسی سند ہے جس کے غلط ثابت کرنے سے ہمیں قاصر سمجھانا ہے۔

ایک اور کتاب تاریخ فیض بخش ہے۔ اس کے مصنف روہیل کھنڈ کے سب سے بڑے مورخ مسٹر ملٹن کے ”روہیلاندرٹ“، ”یاروہیلاندرٹورین“، شیو پرشاد ہیں۔ انہوں نے بقول سر جان اسٹرنجی تاریخ روہیل کھنڈ کے متعلق سب سے زیادہ قیمتی معلومات اپنی پیش ہوا کتاب سے ہم پہنچائی ہیں۔ اب اس کتاب کی شان نزول ملاحظہ ہو کہ مصنف نے اس کو مسٹر کرک پیٹرک، ایک سویلین کی ترغیب پر لکھ کر نواب فیض اللہ خاں والی رامپور سے اصلاح لی تھی اور اس کے مسودہ کو ایک ذمہ دار مگر خفیہ کام پر تعینات افغان نے مسٹر ملٹن کے حوالہ کیا تھا جس کا ترجمہ کر کے مسٹر ملٹن نے ایک ایسی کتاب لکھی جو یادگار ہے اور کسی مورخ نے روہیلوں کے حال میں اُس وقت تک قلم نہ اٹھایا جب تک مسٹر ملٹن کی کتاب کو اپنے سامنے نہ رکھ لیا۔ حتیٰ کہ انسائیکلو پیڈیا بری ٹینیکا، میں بھی جو روہیلوں اور روہیل کھنڈ کے متعلق بیان درج ہے وہ مسٹر ملٹن ہی کی کتاب کے حوالہ سے ہے۔ اور مسٹر ملٹن کی کتاب کو یہ اہمیت محض اس وجہ سے حاصل ہے کہ اُس کی بنیاد ایک نیو ہسٹورین، کی تاریخ پر ہے جو عام اس سے کہ کیسے ہی اثرات کے ماتحت کیوں نہ معرض وجود میں آئی ہو

غلط نہیں ہو سکتی اور ہمیں اُس کو بھٹلانے کا حق نہیں پہنچتا۔

اسی طرح حرزِ رفیع السودا کا لازم نواب شجاع الدولہ کا مشہور تصبیحہ حافظ نے سردیا نہ دیا نہ زر۔۔۔ اور نواب سعادت علی خاں کے ایک وظیفہ خوار کی کتاب 'عماد السعادت' کو او دھر وہیل کھنڈ کی مشہور رقابت کا نتیجہ ہیں اور ان کی ایسے لوگوں کی نظر میں جو جنبہ داری کی عینک اُٹا کر صحیح واقعات کی چھان بین کرنے کے وعدہ و اہمیت دی گئی ہے۔ اور واقعات کے مسخ کرنے میں ان سے کافی مدد ملی گئی ہے۔

زمانہ حال کی مشہور کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور سر جان اسٹرنز کی سابق لفٹنٹ گورنر یو۔ پی کی مولفہ کتاب 'ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار' ہے۔ اس کتاب کو دو بڑے اہمیت دی جاتی ہے کہ اول تو مصنف کی شخصیت بہت بلند و مستند ہے دوسرے اُس کو لندن میں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم کے تمام علمی خزانوں پر پوری پوری دسترس حاصل تھی اس لئے اُس کو گورنر جنرل ہیسٹنگز کے زمانہ حکومت کے پہلی سرکاری کاغذات اور تمام اہم بیانات و تحریروں سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ اس کتاب کی مذکورہ بالا خصوصیات کا ہمیں بھی اعتراف ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ گورنر جنرل ہیسٹنگز کے زمانہ حکومت کی روہیلوں سے متعلق تمام ضروری تحریروں میں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم میں بھی محفوظ و موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ ان تحریروں کے نامکمل ہونے کے بارے میں ممبرانِ کلکتہ کونسل میئر زمانسن۔ کلیورنگ۔ اوڈ فرانسس نے اپنے ایک خط بنام کورٹ آف ڈائریکٹرس لندن میں ۳۰۔ نومبر ۱۸۷۷ء کو جنگ روہیلہ کے معاملہ کی بابت لکھا کہ۔

”..... معاملہ کی یہ تفصیلات غالباً کبھی آپ کے علم میں نہ آئیں اگر ہم مطبعہ ہیسٹنگز سے کرنل جیمز اور مسٹر ٹرلٹن ریڈ ہنٹ کی خط و کتابت کے کاغذات طلب نہ کر لیتے۔ پھر بھی اس خط و کتابت کے وہ کاغذات ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں جن کا نسخہ شکستہ ہو اور جو نامکمل حالت میں ہیں نیز کثرتِ خط وادانہ چھاپائے گئے ہیں اور ہمیں یہ نتیجہ نکلنے میں کچھ دیریں وچش نہیں ہے کہ ان سے بھی زیادہ عالمانہ حالات و واقعات وادائے گئے ہیں.....“

اس تحریر کی روشنی میں سر جان اسٹریچی کی کتاب کی وقعت خود بخود کم ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سا ایسا مواد جمع کر دیا ہے جس سے روہیلوں کے متعلق آزاد رائے قائم کرنے والے کو بھی کچھ نہ کچھ مدد مل جاتی ہے۔

سر جان اسٹریچی، ہٹلن اور ان کے ہم خیال مورخین کی تالیفات کو چھوڑ کر جب ہم دوسری طرف نگاہ دوڑاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کے ملک اور قوم میں ایسی ہستیاں بھی پیدا ہوئیں جنہوں نے انصاف پسندی کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ اس گروہ میں 'ایڈمنڈ برک'، 'کرئل چیمپین'، 'ڈنٹرڈان'، 'فکس'، 'فرانسس'، 'لارڈ میکالے'، اور 'لی' کے نام لئے جاسکتے ہیں جنہوں نے خود اور دوسرے دانشور اور مذہب و ترقی یافتہ روہیلہ قوم کے افسوسناک استیصال اور ان کے ذی علم - ذی حوصلہ - الوداع - وفاتشار اور ایشا ریشیہ سردار حافظ رحمت خاں کے حسرت ناک قتل کے صحیح اور سچے واقعات سے دنیا کو روشناس کرنے میں پوری پوری وسعت نظر فراخ دلی - اور دیانت داری سے کام لیا۔ مصالحِ ملکی و قومی اور تعصباتِ نسلی و مذہبی کو بالائے طاق رکھ کر ظالموں کے ظلم کی سخت مذمت کی اور مظلوموں کی حمایت میں کمال درجہ اخلاقی حرارت برتی۔

ان خدا ترن مشاہیر کی تقریریں - تحریریں - بیانات اور ان میں سے بعض کی تصنیف کردہ گراں قدر کتابیں روہیلوں اور ان کے سردار حافظ رحمت خاں کے صحیح حالات کھنے والے کی رہنمائی کے لئے شمعِ ہدایت کا کام دے سکتی ہیں۔ ہمیں اعتراف ہے کہ ہمیں اپنی اس تالیف میں ان قابلِ مصنفین کی تصنیفات سے بہت کچھ مدد ملی ہے۔ روہیلائے اعظم کی اس سوانحِ عمری کی تصدیق میں ہمیں ان کے علاوہ اور بہت سی تاریخوں کی ورق گردانی کرنی پڑی ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ بہترین و مستند تاریخ روہیل کھنڈ کی سربا بہ دار کتابیں گلستانِ رحمت، گلِ رحمت اور تانچِ سلیمانی خاص طور پر ہمارے پیشِ نظر رہی ہیں۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں ان کتابوں سے انگریزی مورخین نے بالکل کام نہیں لیا یا بہت کم کام لیا ہے۔ جس کی وجہ ان لوگوں نے یہ بتائی ہے کہ چونکہ یہ کتابیں ان مصنفین کی لکھی ہوئی ہیں جن کو حافظ رحمت خاں سے سببی تعلق حاصل ہے اس لئے انہوں نے یہ کمالِ اذکیا کہ ایک بیٹا اپنے باپ کے حالات کھنے میں ضرور رنگ آمیزی سے کام لے گا۔ اسی اصول کو مد نظر رکھ کر ان لوگوں نے سیر المتاخرین اور فیض بخش جیسی کتابوں کو مستند مانا حالانکہ ان کتابوں کے مصنفین کو جیسا کہ

ہم نے سطور بالا میں ثابت کیا ہے بے لوث امداد اور اُسے مورخ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس خیال سے کہ ہم حافظ رحمت خاں کی زندگی کے روشن اور تاریک دونوں پہلوؤں کو اپنے ناظرین کے سامنے رکھ سکیں ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ جہاں ہم تلمیذ اور اسی طرح کے جمع کئے ہوئے مواد سے فائدہ اٹھائیں یا مولانا نجم الغنی خاں راجپوری کی کتاب اخبارالصنادید کے (جس کے غلط واقعات کی ہیں جا بجا ترمیم کرنی پڑی ہے) ورق توہیں ہم نے گلستانِ رُخ اور گلِ رحمت سے اصل واقعات اور حالات کا پتہ لگایا ہے اور ان بیان کردہ روایات کو درایت کی کسوٹی پر چکھا ہے۔ ناظرین اس کتاب کو تمام و کمال مطالعہ کرنے کے بعد خود اس فیصلہ پر پہنچیں گے کہ ہم اُس فرض سے جو ایک سوانح نگار کا ہو سکتا ہے کس عذرتِ عمدہ براہوئے ہیں۔

ایک سوانح نگار کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے ہیر کی پدائیں پر پردہ ڈال کر محض اُس کی اچھائیوں کو نمایاں نہ کرے اور اپنے ہیر کی حیثیت برطھانے کے لئے اُس کے معاصرین کو بچا دکھانے کی کوشش نہ کرے۔ اس لئے ہم نے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی نہ تو سیاسی غلطیوں پر پردہ ڈالا ہے اور نہ ان کی شخصیت کو چمکانے کے لئے نواب علی محمد خاں یا اس عہد کے دوسرے بڑے آدمیوں کی شخصیتوں کا استخفاف کیا ہے۔

حق پر وہی اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ سلامت روی اس تالیف کا جوہر ہے

اچھے یا بُرے واقعات کو کچھ اس طور سے ترتیب دیدیا ہے کہ ان کی اصل تصویر ناظرین کے سامنے پیش ہو جائے اور وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ہمارے صاحب تذکرہ کے متعلق رائے قائم کر لیں۔ عبارت آرائی کے ذریعہ اپنی طرف سے ہم نے لوگوں کی تلبیل پر کوئی غیر ضروری اثر اندازی نہیں کی ہے۔ ہمارا کام اس کے موا کھ نہیں کہ ہم اپنے ہیر کا قلب نکال کر دنیا کو اس کی اصلی حالت شاہدہ کرا دیں۔ اس قلب کے محسوسات و واردات کو کچھ ہم نے سمجھنے کی کوشش کی ہے اور کچھ ناظرین سمجھیں۔ تنہا اس فرض کی ادائیگی ہم سے ممکن نہیں کیونکہ بقول مولف سیرت محمد علی، "انسان کی زندگی کا ثبات کا سب سے پوشیدہ راز ہے اور انسانی شخصیت کو سمجھنا اور سمجھ کر دوسروں کو سمجھانا اُسی نسبت سے دشوار"

صاحب تذکرہ کے حالات کے سوا عہدِ قدیم یعنی زمانہ ہما بھارت سے لے کر عہدِ حاضر تک سرزمینِ سکھینڈ کے اہم تاریخی واقعات مثلاً ہیر دھولکھنڈ کے حالات اور خصوصیت کے ساتھ حافظ الملک کی ازواج و اولاد کا

تذکرہ مع ان کے سلسلہ ہائے نسل اور بیانِ معافیاتِ خاندانی، بھی ان اوراق میں شامل ہے۔ ان بیانات و حالات کے لئے خواشی اور غمیوں کا مطالعہ ضروری ہے جو بجائے خود ایک خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ چند صفحات جن کو ہم حاصل کتاب سمجھتے ہیں ہندوؤں کے لئے بھی مخصوص کر دئے گئے ہیں جن سے حافظِ رحمت خاں کے عہدِ حکومت میں ہندو مسلمانوں کے خوشگوار و غلصانہ تعلقات، یکجہلیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ان صفحات کے مطالعہ سے امید ہے کہ ہندو مسلمانوں کی موجودہ فرقہ وارانہ ذہنیت کے تبدیل ہونے میں بہت کچھ امداد ملے گی۔

ہمیں اس امر کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس تالیف کے لئے فارسی - اردو اور انگریزی کی اُن قلمی و مطبوعہ کتابوں میں جن کی فہرست ذیل میں دی گئی ہے اور اُن کے علاوہ بکثرت بوسیدہ قلمی نوشتہ جات کی فراہمی اور ان سے حوالے تلاش کرنے نیز اقتباسات لینے میں ہمیں کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جو لوگ تصنیف و تالیف کا شغل رکھتے ہیں وہ اس امر سے واقف ہیں کہ ایک تاریخی تالیف کو مرتب کرنے کا کام جس میں مختلف کتابوں کی درجہ گردانی کرنی پڑے بہ نسبت ایک طبع زاد تصنیف کے کتنے مشکل ہے۔ محترمی حاجی نواب انوار احمد خاں صاحب بریلوی کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اپنا مجموعہ مکتب و نوشتہ جات جو انھوں نے گزشتہ پچاس سال کے عرصہ میں کسی ایسے شخص کے لئے فراہم کیا تھا جو حافظِ ملک کی صحیح و مکمل سوانح ترتیب دیکھا مجھے اعزاءِ ذکر کے عطا فرما دیا اور مجھ کو بہت کچھ رحمتوں سے بچا کہ ایک حد تک آسانی اس نہایت ضروری خدمت کو انجام دینے کا موقع ہم پہنچا یا۔

میرے محمد دوم مولوی عظیم الشان خاں صاحب ماہر السنہ مشرقیہ کا وجود گرامی میرے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے کہ ثابت نہ ہو فارسی کی قلمی کتابوں کے صحیح طور پر سمجھنے - اُن کے ضروری حصوں کے ترجموں اور کاپیوں کی تصحیح میں امداد دیکر انھوں نے اپنی غیر معمولی علم دوستی اور بے لوث ہمدردی کا ثبوت دیا۔

مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی ایڈیٹر ذوالقرنین بدایوں کا جو ایک کامیاب اخبار نویس اور مکتبہ انش پر داز ہیں ممنونِ احسان ہوں کہ وہ صوف نے اپنا بہت سا قیمتی وقت صرف فرما کر نہ صرف مسودہ پر نظر ثانی فرمائی بلکہ پروف ریڈنگ، کا ممبرانہ کام بھی اپنی ضعیف العمری کے باوجود پوری جوانی جتنی سے

انجام دیا۔

اس سلسلہ میں خاص طور پر میں عالی جناب صاحبزادہ عبدالواحد خاں صاحب ایم، اے (ملک) کا شکر گزار ہوں جنہوں نے کمال ہرسانی مبلغ ایک ہزار روپیہ کا گرانقدر عطیہ رحمت فرما کر مجھے اس قابل بنایا کہ میں اپنی کتاب کو ذیل طور سے درج کر کر بہت جلد شتاقی پبلک کے ہاتھوں تک پہنچا سکے۔

آخر میں مولانا سیٹھ فیصل احمد صاحب - خان بہادر مولوی ادریس احمد صاحب - بابو جیل بہاری لال صاحب کپور ایڈوکیٹ - سید یوسف علی صاحب ایڈوکیٹ ایم - ایل سی - پنڈت رادھہ شyam صاحب کتھاواپک - مولوی عبدالواحد صاحب اسپیشل مجسٹریٹ - ڈاکٹر سید محمود صاحب ایم، اے، پی، ایچ، ڈی - بریٹریٹ لا - بابو منال لال صاحب لاہور برین بریلی انسٹیٹیوٹ - بابو نمبرن لال صاحب ماتھرائڈوکیٹ - سید ذوالحسن صاحب - فشی عبدالغزیز خاں صاحب - ماسٹر احمد شاہ خاں صاحب - مولوی عزیز حسین خاں صاحب ایڈوکیٹ - حضوری میاں صاحب - پروفیسر عبدالشکور صاحب ایم - اے - حکیم عبدالرحمن خاں صاحب - خان بہادر حکیم علی خاں صاحب - بابو اننت رام صاحب سہری - مولوی اکرام عالم صاحب وکیل - مولوی عبداللطیف صاحب - مولوی سجاد حسین صاحب وکیل - اور ان کے علاوہ دوسرے اپنے ایسے احباب اور بزرگوں کا بھی شکر گزار ہوں جو مجھ سے محبت اور سرے ناچیز کاموں سے ہمدردی رکھتے ہیں اور جنہوں نے اس کتاب کی تسوید و ترتیب کے زمانہ میں میری بہت کچھ ہمت افزائی فرمائی۔

خاکسار

الطاف علی

بریلی - ۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء

فہرست کتب و الحیات

کتب اُردو۔ اخبار الصنادید۔ مولوی نجم الغنی خاں رامپوری + تاریخ اودھ حصہ اول و دوم۔ مولوی نجم الغنی خاں رامپوری + میر المتاخرین حصہ دوم و سوم۔ سید غلام حسین + تاریخ ہندوستان جلد ہفتم شمس العلماء مولوی ذکا اللہ + کنز البایع مولوی رضی الدین + تاریخ نجیب آباد۔ مولانا اکبر شاہ خاں + تاریخ افغانستان موسوم بہ نقش سلیمانی۔ نواب سلیمان خاں آسہ بنیرہ نواب محبت خاں + حیات افغانی۔ علامہ محمد حیات خاں + سرگزشت نواب نجیب الدولہ۔ محمد عبدالسلام خاں عمر خیل + تاریخ اخبار حسن۔ نواب محمد حسن رضا خاں + تاریخ روہیل کھنڈ۔ نواب نیاز احمد خاں ہوش نسب نامہ افغانہ۔ محمد عبدالسلام خاں پشترنج + تاریخ تیموریہ + قیصر التواریخ + تاریخ فرخ آباد۔ ولیم آرون + تاریخ شاہجہاں پور۔ مولوی صبیح الدین میان + تاریخ قدر۔ زبانی سید احمد حسین (قلمی) انتخاب یادگار۔ منشی امیر احمد مینائی + کلیات ہوش۔ نواب نیاز احمد خاں + دیوان عزیز۔ نواب عبد الغفر خاں + یادگار ضیغم۔ نواب عبداللہ خاں ضیغم +

کتب فارسی۔ گلستان رحمت۔ نواب تنجاب خاں ابن حافظ رحمت خاں (قلمی) گل رحمت۔ نواب سعادت یار خاں بنیرہ حافظ رحمت خاں (قلمی) تواریخ رحمت خانی (قلمی) خلاصۃ الانساب حافظ الملک حافظ رحمت خاں (قلمی) جزائیہ افغانستان۔ مولوی محمد حسین + عماد السعادت (قلمی)۔

کتب انگریزی۔ برک کی تحریریں اور تقریریں جلد سوم۔ برک + امپائر ان ایشیا۔ اے مکیب آف کنفیٹش۔ ڈارنس ایم۔ پی۔ ہیٹنگنگز اینڈ دی روہیلا وار۔ سر جان اسٹریچی + رائز آف دی کرسچین پاور ان انڈیا جلد اول و دوم۔ میجر جی۔ ڈی باسو + ہسٹری آف برٹش انڈیا جلد سوم۔ جے۔ مل + ہسٹری آف دی جٹس جلد اول۔ پروفیسر آر۔ کے قانون گو + ہسٹری آف دی مرہٹا۔ گرانٹ ڈف + روہیل کھنڈ گزیٹیئر + انسائیکلو پیڈیا بری ٹینیکا۔ ہسٹری آف دی روہیلاز۔ ہملٹن۔

صحت نامہ

نمبر	کلمہ	غلط	صحیح	نمبر	کلمہ	غلط	صحیح
۲	۷	تلیج خاں	چین تلیج خاں	۱۰۴	۱۹	سر داروں	سر داروں کے
۶	۲	پ	x	۱۰۸	۹	تا	دتا
۷	۱۵	ارادہ	ارادہ	۱۴۴	۱	نول رائے	نول سنگھ
۸	۱۴	کمال زئی	کمال زائی	۶	۲	"	"
۱۰	۲۰	ہوگا	ہوتا	۱۵۰	۳	ہینگز	ہینگز
۲۴	۹	پڑو خاں	پڑو خاں	"	۴	"	"
۲۹	۱۱	لہ	x	۱۵۲	۵	کرتے لئے	کرتے لئے
۳۳	۱۰	ترلیت	شرلیت	۱۶۹	۳	انھوں نے	مرسوں نے
۴۴	۱۶	انتہائی	x	۱۷۸	۶	اپنے	x
۵۵	۷	توب	توپ	۱۸۲	۸	کی سپگری	سپگری کو
۷۰	۹	عن نامسناس	نامسناس	۲۱۸	۵	موسلی	لاہی کھیرا
۷۳	۲	شاہ آباد	شاہ آباد	"	۸	"	"
۷۴	۱۵	طاقت	طاقت	۲۲۹	۱۳	بیسلیو ضلع بدایوں	بیسلیو ضلع پٹی بھیت
۸۴	۱۲	کرتے	کرتے	۲۳۱	۵	سورماں	سورماں
۸۶	۱۶	گرین	گرین	۳۰۴	۱۲	ار	از
۸۷	۱۱	بھاگڑ	بھاگڑ	۳۰۹	۹	مسطورہ	ستورہ
۸۸	۱۲	باقی	باقی حصہ	۳۱۴	۹	بہت	بہت
۸۹	۱۴	اور	x	۳۲۴	۱۳	شرقا نواز	شرقا نوازی
۹۰	۴	ود	و	۳۲۵	۲۱	مرض الحمال	مرقہ حال
۹۱	۱۴	مہ تمام	تمام	۳۵۹	۱۱	عالمان	عال
۹۳	۱۹	دریائے گنگا	دریائے جہنا	۳۶۲	۲۱	۱۸۵۷ء	۱۸۵۸ء
۹۴	۹	ولایتی	ولایتی	۳۶۳	۷	"	"
۹۶	۱۴	نام نشان	نام نشان	۰	۰	۰	۰

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (۱) روہ روہیلہ اور روہیل کھنڈ

ہماری اس کتاب کو ہندوستان کے اُس پُرفضا، شاداب اور زرخیز قطعہ زمین سے تعلق ہے جو کوہ ہمالہ کے دامن میں واقع ہے اور جس کے بڑے حصہ کو نہ صرف ہندوستان کے سب سے بڑے دریائے جہندوؤں کی نظر میں پوتر سمجھا جاتا ہے اور جس کو آسمانی دریا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ سیراب کر دیا ہے بلکہ رام گنگا اور دوسرے چھوٹے چھوٹے دریاؤں نے بھی جو میلوں تک اس سرزمین میں لہریں مار رہے ہیں اس کی آب و ہوا پر خوشگوار اثر ڈالا ہے۔ یہی وہ خصوصیات تھیں جنہوں نے آج سے دو سو برس پہلے افغانی قسمت آزمائوں کو اپنی طرف کھینچا اور انہوں نے اس پُرفضا اور خوشناما قطعہ ملک کو اپنا گھر بنا لیا اور وہ اُن کے اصلی وطن روہ کی نسبت سے کھیر

سلہ از کتبہ نگ - حمد را میر گھن پال - بزبان سنسکرت موجودہ عکائب خانہ لکھنؤ - دریائے گنگا سے مراد ہی (دولت) سے کھیر یا تابی سورج ہنسی را چو توں کی ایک قوم خنوج سے نکالے جانے کے بعد متذاع میں یہاں آکر آباد ہوئی اور اس سرزمین کا نام کھیر رکھا گیا کھیر لوں سے پہلے یہ پانچال سلطنت کا ایک حصہ تھا جس کا مابھارت میں ذکر ہے اور جس کی وسعت کوہ ہمالہ سے دریائے جہند تک تھی پانچال کا بڑا چھتر دارا سلطنت تھاجس کو آج کل مراد آباد کی حد سے چند میل کے فاصلے پر رگنہ سولی ضلع بریلی میں رام گنگہ سے ہیں تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ سنہ ۱۱۰۰ م۔ مراد آباد اور اس کے حوالی میں بہت خدیب یافتہ آریں آباد تھے کہ سلاخ میں ہوان سا نگا اپنی سیاح نے کھیر کا سفر کیا تو اس نے اس ملک میں پیداؤتہ کی حکومت دیکھی جو جو وہ مذہب کا پیرو اور ہمداری۔ پابندی مذہب اور سخاوت میں کہتا ہے وہ زکار تھا۔ منشاء میں کوہ را چو توں سے حملہ کر کے اس ملک کو فتح کیا۔ سنہ ۱۱۰۰ کو دارا حکومت بنایا اور سنہ ۱۱۰۰ تک وہاں حکومت کی۔ ٹومر کی جگہ چو توں نے لی چو توں کا مشہور راجہ پریشوری راج جو ٹومری ماں سے پیدا تھا سنہ ۱۱۰۰ میں تخت دہلی پر بیٹھا اسی کے زمانہ میں سلطان شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر حملے کیے اور سکھانوں کے خوف سے اس نے سنہ ۱۱۰۰ میں مغبولہ و حکم قلعہ بنوائے ۱۱۹۹ تک کھیر میں ہندوؤں کی بلاؤتہ کیے حکومت رہی۔ صرف بدراؤں پر سنہ ۱۱۰۰ میں سیرالاسعود غازی ہمشہ زادہ سلطان محمود غزنوی نے حملہ کیا تھا۔ اور سنہ ۱۱۹۹ء میں قطب الدین ایبک نے بدراؤں کو قلعہ فتح کر کے اپنی حکومت وہاں قائم کی۔ اس وقت سے کھیر پر سکھانوں کے حملوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ بدراؤں کی رہ

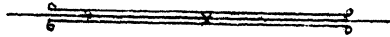
سے روہیل کھنڈ ہو گیا۔

روہ افغانستان میں کوہستان کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کے شمال میں کوہ کا شغر۔ جنوب میں بھکر اور بلوچستان۔ مشرق میں کشمیر اور مغرب میں دریائے ہند ہے جو قندھار کے قریب بہتا ہے۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے مورث غور و غزنی سے منتقل ہو کر اسی کوہستانی قطعہ میں آباد ہو گئے تھے اور اسی نسبت سے روہیلہ کہلائے سب سے پہلے اس قوم کے بڑے سردار شاہ عالم خاں حافظ الملک کے والد کا ایک غلام داؤد خاں روہ سے چلکر ٹھہر آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ یہ علاقہ قلعہ خاں نظام الملک اور بعدہ رکن الدولہ کی جاگیر میں پہنچکر بد نظمی کامرگز بنا ہوا تھا اور جس کے دفعیہ کے لئے بادشاہ دہلی کی طرف سے شیخ غفلت اللہ کھنوی گورنر بنا کر بھیجے گئے تھے۔

جب داؤد خاں کے بیٹے اور جانشین علی محمد خاں نے راجہ ہرنند کو شکست دیکر ۱۲۳۷ء میں کشمیر پر قبضہ کر لیا تو یہاں روہیلیوں کی کثیر آبادی ہو گئی جس میں زیادہ تر علی محمد خاں کی فوج کے سپاہی شامل تھے۔ اسی زمانہ سے اس حصہ ملک کا نام روہیل کھنڈ ہو گیا اور علی محمد خاں جو خود روہیلہ نہیں تھے روہیلہ سردار کہلائے لیکن ہندوستان میں بالعموم اور کشمیر میں بالخصوص روہیلیوں کا وجود علی محمد خاں سے بہت پہلے پایا جاتا ہے ۱۵۵۵ء میں بہلول لودی تخت ہندوستان پر چمکن ہوا تو اس نے اپنی سلطنت کی تقویت کی غرض سے افغانستان اور روہ میں غلط آمیز فرمان بھیج کر افانوں کو طلب کیا اس طلبی پر جوق جوق افغان ہندوستان میں آنا شروع

۱۶۸۵ء تک دہلی کے وقت کشمیر قوم کا ایک شخص راجہ ہرنند سین بھل کا صوبہ دار ہو گیا تھا لیکن اگرچہ تخت سلطنت پر بیٹھے بھی وہ اس کے دیار اور کشمیریوں کو سنبھلنے سے محال دیا گیا اب یہ لوگ بریلی اور مقام چوہانہ میں جو پہلے مراد آباد کے مقابل تھا آباد ہو گئے ۱۶۸۵ء میں راجہ کیا میں نے شاہجہاں سے ان لوگوں کی شکایت کی جس کی بنا پر رستم خاں کھنوی ان کے ہتھیار پر قبضہ ہوا۔ رستم خاں نے کشمیریوں پر تسلط حاصل کیا اور ۱۶۸۵ء میں چوہانہ کی آبادی کے سامنے رام گنگا کے کنارے ایک پناشہ تعمیر کر کے یہاں اس کا نام مستم آباد اور کچھ عرصے بعد شہزادہ مراد بخش کے نام پر مراد آباد رکھا۔ رستم خاں ۱۶۸۵ء تک ناظم ہما اور شہنشاہ اورنگ زیب کے دربار سلطنت میں ساموگڑھ کے ایک بھکرے میں مارا گیا۔ ۱۶۸۵ء میں فرخ سیہ نے قلعہ خاں نظام الملک کو دکن کی صوبہ داری سے قبل یہ علاقہ جاگیر میں دیکھ کر عرصہ کے بعد بادشاہ نظام الملک سے ناراض ہوا اور اس علاقہ کو صوبہ

ہو گئے۔ ہندوستان کا کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں وہ نظر نہ آنے ہوں۔ جب تک سلطنت ہلہل ہوئی اور شیر شاہ سور کے خاندان میں رہی افغانوں کی آبادی ہندوستان میں برابر ترقی کرتی رہی۔ وہ کٹھیر میں داسن کوہ کے زمینداروں کی نوکری کرتے تھے اور ان کی خانہ جنگیوں میں شریک ہو کر کارہائے نمایاں انجام دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ افغانوں کے جرگے آؤلہ۔ نجیب آباد۔ فرخ آباد۔ منو۔ بریلی۔ اور پیلی بھیت وغیرہ میں جمع ہو گئے۔ ان پٹھانوں کی دو بڑی جماعتیں ممتاز تھیں۔ ایک جماعت بنگلش پٹھانوں کی تھی جو فرخ آباد کی طرف آباد ہوئی اور جنھوں نے نواب محمد خاں بنگلش کی سرکردگی میں ۱۷۱۷ء عہد فرخ سیر میں اپنی حکومت قائم کی۔ دوسری جماعت کٹھیر پٹھانوں کی تھی جس کے حکمران نواب علی محمد خاں اور اس تذکرہ کے ہیرو حافظ المملک حافظ رحمت خاں ہوئے۔



۲۲ مکن الدودہ اختفا دغاں کو عطا کر دیا جس کا ایک صوبہ بنا کر ملاو آباد کی بجائے مکن آباد نام رکھا گیا۔
(روح پیل کھنڈر شیر دا غبار احسانید - کنز العاریع مطبوعہ نظامی پریس بدایوں -)

(۲) حافظ الملک کا خاندان

حافظ الملک حافظ رحمت خاں قیس عبد الرشید کی اولاد میں تھے۔ قیس اس خاندان کے سب سے پہلے بزرگ تھے جو دین باطل کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے اور ان کا اسلامی نام عبد الرشید رکھا گیا۔ یہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری کا زمانہ تھا۔ عبد الرشید نے دیدار مصطفوی کے ذوق و شوق میں افغانستان سے مدینہ منورہ کا سفر کیا تھا۔ عبد الرشید کی شادی سارہ بنت خالد ابن ولید سے مدینہ ہمار ہوئی جن کے بطن سے - رٹھ بن - غورخوشت - اویس بن قیس فرزند پیدا ہوئے۔ ان بہرہ نامور افغانوں سے اکثر افغانی اپنا سلسلہ نسب ملاتے ہیں۔ قیس عبد الرشید کی وفات ۳۱ھ مطابق ۶۴۱ء میں ہوئی۔

قیس عبد الرشید کے بڑے لڑکے رٹھ بن کا بیٹا سرخون ہوا۔ جس کا اسلامی نام شرف الدین تھا۔ اُس کا لڑکا - بھڑیج تھا۔ بھڑیج کی اولاد میں - حافظ الملک ہوئے اور ان کا خاندان بھڑیج کے نام سے منسوب ہے۔

بھڑیج سے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کا سلسلہ اس طرح ملتا ہے۔

د حافظ رحمت خاں ابن شاہ عالم خاں ابن محمود خاں ابن شہاب الدین خاں

ابن دولت خاں - ابن بدل خاں - ابن داؤد خاں - ابن بھڑیج خاں ،

قیس عبد الرشید سے اوپر حافظ صاحب کا سلسلہ نسب جو مخزن افغانی سے گل رحمت وغیرہ

میں درج ہے وہ مؤلف حیات افغانی کی تحقیق کے مطابق ”قابل لحاظ“ نہیں ہے۔

لیکن محمد عبداللہ خاں مؤلف نسب افغانیہ کی تحقیق کی بنا پر یہ ضرور صحیح ہے کہ قیس عبد الرشید

بنی اسرائیل تھے۔

قیس عبدالرشید کی اولاد پٹھان اس وجہ سے کہلاتی ہے کہ ان لوگوں کو سب سے پہلے

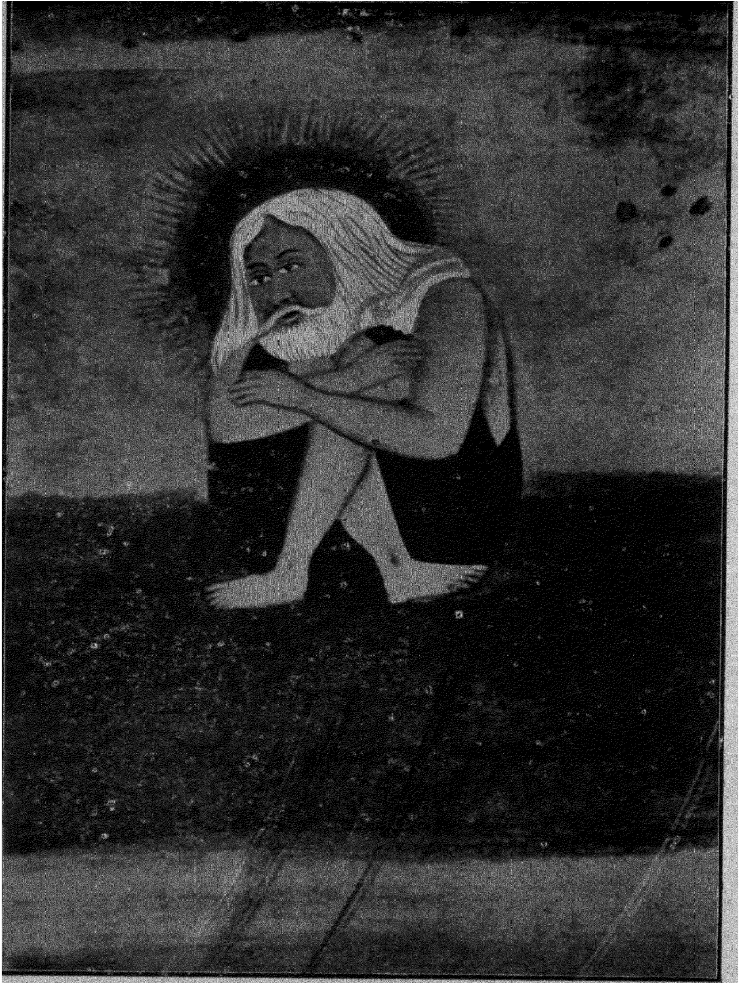
۱۔ محمد عبدالسلام خاں اپنی کتاب نسب افغانہ میں ”نتیجہ آخری تحقیقات نسب افغانہ“ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ

صافحانی نسب ابتداءً بوجہ ان کی ستواً تہائی اور جلا وطنی کے گمنامی کی حالت میں رہا اور خود قوم نے یہ نام پشتوں (جو مظلومیت کی نشانی تھی) اختیار کر کے نسب کے نام کو مخفی کیا۔ بعد ازاں جب قومی سلطنت غور میں قائم ہوئی تو عربی نسب صحاح سے ملایا اور بیرون افغانستان جب قوم پھیلی تو غیر قوموں نے ان کے نام رکھنے شروع کیے ایرانیوں نے افغان یعنی افغان کر کے والے، اور ہندیوں نے پٹھان نام رکھا مگر باوصف اس کے مندرجہ نامک البشانی مورخ بنی اسرائیل لکھتے رہے اور بعد ازاں افغانی سلطنتوں میں زوال آیا اور ۱۵۲۶ء میں خلیفہ سلطنت ہند میں قائم ہوئی تو خلیفہ خوشامدی مورخوں نے افغانی نسب کی تبدیل کرنی شروع کی۔ افغانی زبان پشتو میں تصنیف شدہ ۱۵۷۰ء سے شروع ہوئی اس وقت سے پہلی نسب اسرائیلی قوم نے ظاہر کیا۔ اور بالآخر جب انگریزی مورخ میدان میں آئے تو مطلع تاریک پایا۔ ملح و دم میں قوم کے سب سامان موجود اور تاریخی واقعات ابھنے ہوئے پائے لاجرم دوکر وہ ہو گئے۔ ایک نے اسرائیلی نسب قرار دیا دوسرے نے رد کیا یہ کسی طرح گمان نہیں ہوتا کہ اسرائیلی نسب کے تمام آثار قوم سے زائل ہو گئے ہوں حقیقت معدوم ہو گئی ہو بے نصب و تختوں کے لیے ایسی کھلی ہوئی سچی نشانیاں موجود ہیں جو شناخت کے لیے کافی ہیں یورپین مورخ لکھتے ہیں مکمل قوم افغانہ کی صورتیں ایک سی ہیں اور زمانہ حال کے یورپین مورخ و سیاح بالاتفاق راسخ ان کے جو اسرائیلی نسب پتوں سے اختلاف کرتے ہیں، یہ تسلیم کرتے ہیں کہ افغان اور یہودیوں کی شباهت ایک سی ہو۔ یہ موجب ہو کہ بنی اسرائیل کو افغانستان کے ہوئے پھینٹیں سو برس ہوئے اور ان کی صورتوں میں اس وقت تک فرق نہیں ہوا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ جلا وطن ابتداءً سے پہاڑوں کے گوشوں میں سب سے الگ پڑے رہے اور نصب قومی سے غیر قوموں میں بیاہ شادی کرنے سے گریز کیا۔ اور اپنے شعار قومی اور نسب کو بگڑانے نہ دیا۔ صورتوں کے علاوہ سیرت یعنی عادات و اطوار افغان اور بنی اسرائیل کے ایک سے ثابت ہوئے ہیں۔ قومی۔ مذہبی۔ اخلاقی اور اجتماعی مراسم افغانوں نے بنی اسرائیل کے مضبوطی سے قائم رکھے حالانکہ چاروں طرف سے غیر قوموں سے گھرے ہوئے تھے اور ان سے معاملات پڑتے تھے مگر ان پر ان کا مطلق اثر نہ ہوا۔ صورت۔ سیرت۔ مراسم کو غیروں کی آمیزش سے بچایا۔ زبان البتہ آمیزش سے پاک نہ رہی۔ یہ قدرتی مجبوری تھی جس طرح ہندوستان میں مختلف اقوام کے اجتماع سے نئی زبان اُردو پیدا ہوئی اسی طرح مختلف اقوام کی حکومت اور معاملات پڑنے سے پشتو زبان بنی پشتو زبان کا لب و لہجہ بن گیا ہے کہ فارسی۔ سنسکرت۔ ہندی۔ ترکی۔ الفاظ اس قوم کی اصلی زبان کے الفاظ ہیں کیونکہ تلفظ میں بہت تغیر ہو گیا اور قومی زبان جراتی کے جو الفاظ پشتو میں باقی رہ گئے ہیں ان کے تلفظ میں تغیر نہیں ہوا اور عربی زبان جو عربی کی تخلیق ہے اس کے مخلوط ہونے کے بعد بھی تلفظ میں بہت کم تغیر ہوا ہے۔ صورت۔ سیرت۔ مراسم۔ زبان سب بنی اسرائیل ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔ تاریخوں سے اور تورات سے بنی اسرائیل کا خلاصہ

سلطان محمود غزنوی نے بتان (یعنی ہماز کا پشتی بان) کے لقب سے موسوم کیا کیونکہ یہ یہ لوگ اپنی بہادری اور سرفروشی کے باعث اس کی فوج کی جان تھے۔ یہی لفظ بتان، امتداد زمانہ سے بے فارسی و تائے ہندی مخلوط یہ ہاست تبدیل ہو کر پٹھان ہو گیا۔

اس قوم نے سلطان محمود غزنوی اور معز الدین شاہ کی ہمراہی میں ہندوستان آ کر بڑی بہادری دکھائی اور قندھار، پشاور اور کابل کے نواح میں سکونت اختیار کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ غور، خلیج اور کابل کے بادشاہوں اور امیروں کی مدد سے علاقہ روہ پر بھی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے غلبہ حاصل کر لیا اور سکونت کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر قبیلہ نے اپنے واسطے علیحدہ علیحدہ جائے سکونت اختیار کر لی اور اُس پر قابض ہو کر زراعت و تجارت کے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ قبیلہ بھٹریج کا قدیم وطن حدود قندھار کے اندر موضع شورا بابک اور پشین میں واقع تھا۔ لیکن اس قوم کے اکثر لوگ یوسف زائی لوگوں کے ساتھ قرابت ہونے کے سبب سے اپنے وطن سے اٹھ کر یوسف زائیوں کے ملک وادی سوات و چٹل میں مقیم ہو گئے اور انھیں میں سے حافظ الملک کے جد امجد شہاب الدین المعروف بہ کوٹا بابا بھی ضلع شجاع شہاب الدین المعروف بہ کوٹا بابا اناک اور لنگر کوٹ میں جا کر مقیم ہوئے۔ کوٹا بابا کبھی ہزارہ

ہم کی طرف نکالا جاتا تھا۔ یہ قوم ثابت ہو اور بنی اسرائیل کی جماعت کا افغانستان میں آباد ہونا چھٹی اور بائیس صدی قبل مسیح میں ثابت ہو جس سے خراسان کی طرف نکلنے کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ مشہد وین کے یہودی افغانوں کو بنی اسرائیل تسلیم کرنے ہیں اور یہودی رسالہ نیووارا میں افغانوں کو یہودی قبول کیا گیا ہے۔ یہ شہادت بنی اسرائیل کے فرقہ کی ہے جو خاص توجہ کے لائق ہے۔ سائیس صدی عیسوی میں جب اس قوم میں اسلام آیا اس وقت سرداران افغان کے نام عربی تھے اور ان سرداروں میں سے قیس (عبدالرشید) نے بنی اسرائیل عرب کے یہاں شادی کی اور عرب کے اسرائیلیوں کی تحریک سے اس قوم نے اسلام قبول کیا۔ افغانستان کے شہر - دریا - ہزار جن کے نام ملک شام کے ناموں پر رکھے گئے ہیں۔ گو اہی دیتے ہیں کہ عربی قوم کی جسم لٹائیاں ہیں اور قوم کہتی ہے کہ ہم بنی اسرائیل ہیں یہ ثبوت بنی اسرائیل ہونے کا کافی ہے متعدد اقسام کے ثبوت ہیں ایک ہی واقعہ نسب کی بابت مل جانا دلیل بخت نسب ہی چھپتیل سو برس



شمس شهاب الدین المعروف به کوٹا دابا (عالم مرا قبہ میں)

میں رہتے تھے اور کبھی چلہ اور ستمہ میں سیر و تفریح کی غرض سے چلے جاتے تھے۔ آخر وقت میں پر سبب و فور جہز بہ الہی ستمہ ہی میں مقیم ہو گئے اور چونکہ ان سے بکثرت کشف و کرامات کا ظہور ہو کر آتا تھا اس لئے تمام قوم یوسف زائی ان کی بزرگی کی معتقد تھی ان کا مزار ہزارہ میں ہے اور زیارت گاہ عام ہے۔ شہاب الدین کے تین بیٹے تھے۔ پانی خاں۔ محمود خاں اور آدم خاں۔

محمود خاں عرف موتی بابا محمود خاں عرف موتی بابا اپنے والد کی جگہ سجادہ نشین ہوئے کیونکہ ان کو اپنے والد کے اوصاف خصوصی ترکہ میں ملے تھے۔ محمود خاں نے قبیلہ کمال زائی کے سرداروں کے ساتھ سلسلہ قربت کو مستحکم کیا اور تور شہامت پور میں قیام کر کے اسی جگہ وفات پائی انھوں نے پانچ بیٹے چھوڑے۔ آزاد خاں۔ شہزاد خاں۔ حکیم خاں جس خاں۔ شاہ عالم خاں شاہ عالم خاں شاہ عالم خاں اپنے باپ دادا کے طریقہ کے موافق تجرید و تفرید کی زندگی بسر کرنے لگے اور خدا کی یاد میں مصروف رہ کر بچکانہ روزگار بن گئے۔

شاہ عالم خاں کا غلام داؤد خاں ترکہ پدیری کی تقسیم کے وقت شاہ عالم خاں کے حصہ میں ایک غلام داؤد خاں نامی آیا کیونکہ اس وقت ان کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اسے اپنے بیٹے کی طرح پرورش کر کے خانہ داری اور زراعت کا جملہ کام اس کے سپرد کر دیا جب داؤد خاں جوان ہوا تو اس نے ملک کٹھیر میں اپنے ہم وطنوں کے کارنامے اور ان کی دولت و شہمت کے افسانے سنے۔ اودہ کیا کہ خود بھی وہاں جا کر دولت کمائے اور باہ و شہمت کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ لیکن چونکہ اس کے اس ارادے سے شاہ عالم خاں کو اختلاف تھا اس لئے اس نے ایک روز راہ فرار اختیار کی اور بہادر شاہ ابن اورنگ زیب کے عہد میں کٹھیر میں وارد ہوا۔

مہم سے جس قوم کا نسب گمنامی کی حالت میں رہا ہوا وہاں یہ قوم آباد ہو وہاں کے کوہ اور وشت اور ڈا اور شہزادہ بنشہدے اور انکی زبان اور ان کے مراسم و عادات اور شہادت یہ بتا دیں کہ ہم بنی اسرائیل کی نشانیاں ہیں اور بنی اسرائیل کا بھی ایک فرقہ قبول کرے کہ افغانہ بنی اسرائیل ہیں تو یہ جلیل القادری نبوت تھو جملہ بنی اسرائیل اور کوئی طریقہ شک کرنے کا ذاتی نہیں رہتا۔

لے دونے خاں کے والد ملے کل رحمت۔ جامہاں غلام و کلمہ ذکر ملک وغیرہ میں۔ داؤد خاں کو شاہ عالم خاں کا غلام کھایا ہے۔

تھوڑے دنوں میں بہت سے ایسے افغانوں کو اپنے ہمراہ شامل کر کے جو ہندوستان میں آتے رہتے تھے طاقت حاصل کر لی۔ اس زمانے میں اختلال نظام سلطنت مغلیہ کے باعث بڑے بڑے جاگیرداروں اور زمینداروں میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدال کی گرم بازاری رہتی تھی اور وہ لڑنے والے سپاہیوں کو نوکر رکھا کرتے تھے اس لیے داؤد خاں نے جو ایک دلچسپ شخص تھا ان لڑائیوں میں بڑا نام پیدا کیا یہاں تک کہ ہر ایک زمیندار اس کو فتح کی نشانی سمجھ کر اپنی اپنی طرف کھینچا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد داؤد خاں چند اور ولایتی افغانوں کے ساتھ زمیندار پر گنہہ سیر سرکار بیدیوں کا ملازم ہو گیا اور اس کی جانب سے ہر گنہہ چومحلمہ کے زمیندار سے مقابلہ کر کے فتح پائی اس لڑائی میں اُس نے موضع بانکوی کو بھی لوٹا یہاں ایک خوبصورت لڑکا جس کی عمر سات آٹھ سال کی تھی اس کے ہاتھ لگا۔ داؤد خاں نے اس بچے کے ساتھ بہت مہربانی اور رحمہاں کی سلوک کیا اور اس کو اپنی فرزندگی میں لے لیا۔ علی محمد خاں نام رکھا۔ اور تعلیم و تربیت کے لیے معلم ادیب مقرر کئے۔

شاہ عالم خاں کی شہادت چند سال کے عرصہ میں داؤد خاں کے عروج کی خبر وطن میں شہو ہوئی تو صد ہا افغان اس کے پاس آگئے یہاں تک کہ پانچو آدمیوں کی جمعیت ہو گئی۔ اور مکاب شادی خاں۔ پائندہ خاں۔ دوندے خاں۔ سردار خاں۔ اور صدر خاں کمال زئی وغیرہ نامور افاضی روہ سے آکر اُس کے انیس وندیم ہو گئے۔ شاہ عالم خاں کو بھی جب اس

سے مل جل کر رہتے تھے علی محمد خاں کے نسب کے متعلق مورخین میں سخت اختلاف ہو بعض نے جاٹ لکھا ہے اور بعض نے سید خاں کو راہبوری مورخ مولوی نجات علی خاں نے بھی اپنی کتاب اخبارالصنادید مطبوعہ مدظلہ میں جاٹ ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے لیکن اسی کتاب کے ضمیمہ کے ایڈیشن میں انھوں نے ان کو سید لکھا ہے اور اس طرح اس سلسلہ کو بہت پیچیدہ بنا دیا ہے۔ ہماری رائے میں بھی یہ سلسلہ مختلف فیہ حیثیت ضرور رکھتا ہے لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حافظ رحمت خاں جیسے غمور اور خود ارشخص نے جن کو تحفظ نسب کا بہت کچھ خیال تھا اپنے بڑے غایت خاں کی شادی علی محمد خاں کی لڑکی سے کر دی تو علی محمد خاں کی مالی سہی کا فیصلہ خود بخود ہر جا مانے ہے (مؤلف)

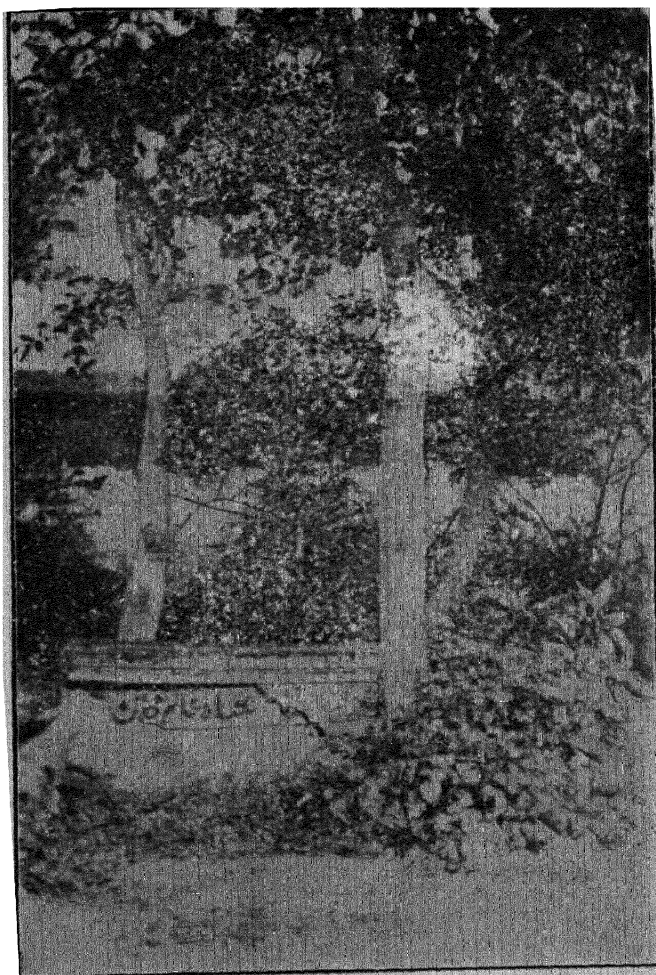
سلسلہ تاریخ اخبار من۔

واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ سختی حالات کے لیے ہندوستان آئے اور داؤد خاں سے ملاقات کی۔
 داؤد خاں نے ان کی وہی عزت کی جو ایک غلام کو آقا کی کرنی چاہئے اور دو ہزار روپیہ نذر
 کر کے ان کو رخصت کیا۔ چند سال کے بعد شاہ عالم خاں دوبارہ ہندوستان آئے کیونکہ داؤد خاں
 کے ترک وطن کے باعث ان کی زراعت و تجارت کا کام خراب ہو گیا تھا اور انکو اپنے
 گوشہ عزلت میں بسر اوقات کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی۔ داؤد خاں نے کچھ عرصہ تک
 شاہ عالم خاں کو اپنے پاس رکھا۔ دو ہزار روپیہ سالانہ ان کے مصارف کے واسطے مقرر
 کئے اور وعدہ کیا کہ رقم مذکور ان کی خدمت میں سال بسال پہنچاتا رہے گا۔ شاہ عالم خاں
 داؤد خاں سے رخصت ہو کر وطن کو روانہ ہوئے جب دہلی پہنچے تو وہاں سوداگروں کی ایک
 جماعت نے اپنے گھوروں کی قیمت کے معاوضہ میں جو داؤد خاں کے ذمہ واجب الادا
 تھی شاہ عالم خاں کو قید کر لیا اور کہا کہ جب تک تمھارا تہنشی روپیہ نہ ادا کر لیا جائے تم کو نہیں چھوڑینگے۔
 مقررے عرصہ تک شاہ عالم خاں سوداگروں کے پاس مقیم رہے اور ان کی اجازت سے اپنا
 تمام مال و سباب وہاں چھوڑ کر تنہا داؤد خاں کے پاس واپس آئے گھوروں کی قیمت کے
 متعلق اس پر بہت زجر و توبیخ کی اور طوعاً و کرہاً قیمت مذکور وصول کر کے سوداگروں کے پاس
 بھجوا دی۔ شاہ عالم خاں کے دل پر اس واقعہ کا ایسا گہرا اثر تھا کہ انھوں نے اسی پر پس نہیں
 کیا بلکہ داؤد خاں سے یہ بھی کہا کہ اس ملک میں تیرے رہنے سے مخلوق خدا پر ظلم ہوتا ہے میں
 تجھکو اپنے ہمراہ وطن واپس لے جاؤں گا۔ داؤد خاں نے چونکہ یہاں دولت و ثروت حاصل
 کر لی تھی اور کسی طرح اب وطن کو واپس جانے کے لئے تیار نہ تھا اس لئے شاہ عالم خاں کی
 یہ باتیں سن کر بہت کبیدہ خاطر ہوا خفیہ طور پر ان کی جان لینے پر آمادہ ہو گیا اور چار آدمیوں کو
 کچھ روپیہ کا لالچ دے کر۔ ان کے قتل پر مقرر کر دیا اسی عرصہ میں بدایوں کے عامل نے جو محمد خان گیش
 کی طرف سے مقرر تھا اس کو وہاں کے زمینداروں سے مقابلہ کرنے کی غرض سے اپنے پاس
 بلایا داؤد خاں کا فی جمیعت کے ساتھ بدایوں کو روانہ ہوا شاہ عالم خاں کو بھی اپنے ہمراہ

لینا گیا۔ اٹھائے راہ میں جو لوگ شاہ عالم خاں کے قتل کے ورپے تھے ایک روز رات کے وقت موقع پا کر ان کی خوابگاہ میں گھس گئے اور ان کے سر کو جسم سے جدا کر کے جنگل کی طرف بھاگ گئے شاہ عالم خاں نے تین دنوں کے سر پہ بچھا لیا لیکن چند قدم جا کر گھوڑوں کی رسیوں میں الجھ کر زمین پر گر پڑے اور ان کا طائر روح قفسِ عنقریب سے پرواز کر گیا۔ صبح کو داؤد خاں نے بہت کچھ ناشی نالہ و بکا کے بعد لاشِ دفن کر دی۔ یہ دور داکنیز واقعہ عند فرخ سیر بادشاہ میں واقع ہوا۔ شاہ عالم خاں کی قبر بدایوں سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر متصل درگاہ مسید عرب صاحب آئندہ کی سرٹک پر واقع ہے۔ حافظ رحمت خاں نے اپنے دور حکومت میں قبر کو بچتہ کر کے اس کے متعلق ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جو اب تک باقی ہے۔ حافظ صاحب کی اولاد کے اکثر لوگ اپنے بچوں کی رسمِ عقیقہ یہاں آکر کرتے ہیں۔ شاہ عالم خاں کی شہادت کے بعد داؤد خاں نے ان کا مال و اسباب دہلی کے سوداگروں سے طلب کیا لیکن انھوں نے اس کے دینے سے انکار کر دیا اور فروخت کر کے جو قیمت وصول ہوئی اس کی ہینڈی ان کے ورثا کے پاس بنگالستان کو روانہ کر دی۔ شاہ عالم خاں کے قانون میں سے تین شخص اسی جو بیس گھنٹے میں زمینداروں کے ہاتھ سے مارے گئے اور ایک شخص مہر دوس ہو کر کچھ دنوں زندہ رہا جس نے اصل واقعہ کو بیان کیا۔

داؤد خاں کا عہدِ امتحان [شاہ عالم خاں کی شہادت کو ایک سال نہ گزر تھا کہ داؤد خاں نے کیا لوں کے راجہ دیوبی چند کی ملازمت اختیار کی تھوڑے ہی عرصہ بعد عظمت اللہ خاں حاکم مراد آباد سے رُور پور کے قریب راجہ کو لڑائی لڑنا پڑی۔ داؤد خاں راجہ کی طرف سے میدان میں آیا۔ لیکن عظمت اللہ خاں سے سازش کر کے عین مقابلہ کے وقت اس نے

سلاہ کل رحمت علیہ نواب عبدالشید خاں مرحوم بریلی نے عرصہ ہوا ترقیِ مرمت کرا دی تھی لیکن خود روزِ رختوں نے اسے چرما بجاسے شبنم کر دیا ہو کاش خاندانِ حافظ الملک میں سے کوئی صاحبِ توجہ نہ ہو کر ایک دفعہ اور مرمت کرا دیتے نیز اگر ملک بچا تو صاحبِ نزار کے نام کا ایک کتبہ بھی نصب کرا دیتے۔ علیہ کثر التاریخ۔



قبر شاہ عالم خان (بدایوں)

راجہ کے لشکر کو شکست دلا دی۔ شکست خوردہ فوج پہاڑ پر واپس ہوئی تو راجہ نے انتقام لینے کا ارادہ کیا اور داؤد خاں کے پاس جو اپنی جمیعت کے ساتھ دامن کوہ میں مقیم تھا کھلا بھیجا کہ چند مستعد لوگوں کے ہمراہ پہاڑ پر آکر اپنی تنخواہ کا حساب کرے۔ داؤد خاں اپنی تنخواہ کی وصولیابی کی امید پر راجہ کے مکر سے غافل ہو گیا اور پہاڑ پر چلا گیا شروع شروع میں راجہ مذکور بہت مہربانی سے پیش آیا لیکن ایک روز موقع پا کر اس کو قید کر لیا۔ پہلے پیروں کی کوئی کٹوائیں پھر گردن کی رگیں کھنچوائیں اور کام تمام کر کے اس کی لاش کو دفن کرادیا۔

تو ہم شب راجہ کے می بری اسے شمع کم فرصت

گر فتم سوختی پروانہ آتش بجائے را

علی محمد خاں کی سرداری

اس کے ہمراہ بیان فوج مثل ملک شادی خاں۔ دوندے خاں۔ صدر خاں۔ پائندہ خاں۔ سردار خاں اور فتح خاں وغیرہ جو بڑے باہمت باندہ اور بہادر سردار تھے کچھ زیادہ شکستہ دل نہیں ہوئے اور انھوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ جس طرح بھی ہوا انھیں ہندوستان میں رہنا چاہیے اور سرزمین کٹھیر میں اپنے اقتدار کو بڑھانا چاہئے اس مقصد کی تکمیل کے لئے ان لوگوں نے داؤد خاں کے پسرتی علی محمد خاں کو اپنا سردار منتخب کیا اس وقت علی محمد خاں کی عمر چودہ سال کی تھی لیکن اس کم عمری کے باوجود سپاہ گری کے تمام ہنر سیکھ چکے تھے۔ نیزہ بازی۔ نیزاندازی۔ شہسواری۔ پٹے اور گدے میں طاق تھے اور داؤد خاں کی اعلیٰ تربیت کے باعث ان کے دماغ میں بچپن سے سرداری کی بولسی ہوئی تھی۔ لشکر کشی اور سیاسیات ملکی کی بھی ایسی تعلیم پائی تھی کہ بجائے خود ایک کار آزمودہ سردار خیال کئے جاتے تھے۔

علی محمد خاں داؤد خاں کے بانٹین منتخب ہونے کے بعد روہیلوں کی کل جمیعت کو ساتھ لیکر جس کی تعداد چار ہاتھو پادہ و سوار حتی دامن کوہ سے روانہ ہو کر نواب عظمت اللہ خاں حاکم مراد آباد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں سے رخصت و اجازت حاصل کر کے

داؤد خاں کی جائداد پر متصرف ہو گئے۔

چند سال کے بعد علی محمد خاں کے مقبوضہ دیہات مہر صلیح خواجہ سرا کی جاگیر میں آگئے اور اُس نے علی محمد خاں کو مقبوضات مذکور کے واگذاشت کرنے پر مجبور کیا۔ علی محمد خاں مصالحت کی کوشش میں ناکام ہو کر مجبوراً جنگ کے لئے تیار ہوئے اور یکا یک خواجہ سرا پر چوتنوائیں قیام پذیر تھا حملہ کر دیا اور اس کو مع ہمارا ہیوں کے قتل کر کے اُس کے مال و متاع اور پرگنہ پر قبضہ کر لیا۔ متونابر قبضہ و تصرف حاصل کر کے علی محمد خاں نے آئولہ کے زمیندار سے جنگ کی اور آئولہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ آئولہ کی فتح سے علی محمد خاں کو بڑی طاقت و ثروت حاصل ہو گئی۔

نوابی ٹھاٹھ بجالائے اور اپنے ایک وکیل کو دہلی بھیج کر وزیر الممالک قمر الدین خاں سے مرستہ اتحاد پیدا کر کے آئولہ وغیرہ کی سند حکومت حاصل کر لی۔ انہیں ایام میں افواج بادشاہی نے جانسٹھ میں سادات بارہہ پر چڑھائی کی علی محمد خاں کو بھی اس لڑائی میں شریک ہونے کا حکم ملا۔ سادات بارہہ مقتول ہوئے اور ان کا علاقہ فتح ہوا اس ستم میں علی محمد خاں نے بڑی کوشش و جان بازی کا ثبوت دیا جس کے صلہ میں وزیر الممالک کی جانب سے ان کو زر مالگزاری سالانہ میں کسی قدر کمی۔ خطاب نوابی۔ اور نوبت و علم وغیرہ عنایت ہوئے۔ نیز وزیر الممالک کی خاص عنایت کے مورد ہوئے اس اعزاز کے بعد نواب علی محمد خاں نے بعض مصالح کی بنا پر جن کا ذکر آئندہ کیا جائیگا حافظ الممالک حافظ رحمت خاں کو روہ سے ہندوستان آنے کی دعوت دی۔

حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے ابتدائی حالات اور کھیر میں ورود

شاہ عالم خاں جب پہلی بار ہندوستان سے واپس ہو کر وطن پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انکو ایک اقبال مند و نازد عطا کیا تھا جن کا نام رحمت خاں رکھا گیا اور جو بعد کو حافظ الملک کے نام سے مشہور ہوئے۔ تاریخ ولادت مستند تاریخوں میں ششہ عذہ کو رہی وہ اپنے والد کی شہادت کے وقت چار سال کے تھے اس وقت سے ہندوستان آنے تک کے حالات صرف اس قدر معلوم ہو سکے ہیں کہ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں بالعموم موضع تور شہامت پور میں مقیم رہے جب پانچ برس کے ہوئے تو بسیم اللہ ہوئی۔ بارہ برس کی عمر میں حفظ قرآن مجید وغیرہ سے فراغت پائی اور گھوڑے ہی عرصہ میں درس کتب ضروریہ اور فقہ پر عبور کلی حاصل کر لیا۔ جب جوان ہوئے تو اول گھوڑوں کی خرید و فروخت کے ارادے سے جو شرفا کا مخصوص پیشہ سمجھا جاتا تھا سودا گروں کے ہمراہ بخشاں کو روانہ ہوئے وہاں سے چند گھوڑے خرید کر وطن کو واپس آئے اپنے وطن میں حافظ صاحب ذاتی علم و فضل۔ عمدہ عادات و خصائل اور نیز اس سبب سے کہ وہ شباب الدین المعروف بہ شاہ کوٹا بابا جیسے قابل احترام بزرگ کی اولاد تھے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اپنی قوم میں ہر دلفریز با اثر اور بارسوخ تھے۔ ان کی یہی ہر دلفریزی اور اثر و رسوخ ان کے ہندوستان آنے کا باعث ہوا جس کی تفصیل تاریخ روئیل کھنڈ میں اس طرح مذکور ہے کہ

”جب نواب علی محمد خاں جالٹھ کے سیدوں کی لڑائی سے واپس آئے تو انھوں نے یہ دیکھا کہ اکثر روہیلے پسر بیتی ہو چکے سبب سے میری اطاعت میں در بے کرتے ہیں۔ اپنے شیروں سے مشورہ کیا تو یہ رائے قرار پائی کہ حافظ رحمت خاں ابن شاہ عالم خاں کو روہ سے بلالینا چاہئے انکی فرمانبرداری سے روہیلے کبھی سر نہ پھریگے۔ نواب علی محمد خاں نے متواتر خط بھیج کر حافظ صاحب کو بلایا۔“

حافظ صاحب تنہا نہیں آئے بلکہ شیخ کبیر اور گل شیر خاں وغیرہ جیسے مخصوص دوست وہاں شمار بھی ان کے ساتھ آئے جب حافظ صاحب آنولہ پہنچے تو نواب علی محمد خاں نے

سرح سرداران قوم بیرونِ شہر آکر ان کے شایانِ شان پُر تپاک خیر مقدم کیا اور بیک نظر لیکر
 گوہرِ قابلیت اور جوہرِ اہلیت کو پہچان کر ان کے لوازمِ مہماں داری اور مراسمِ عزتِ گزاری میں نئے
 انتہا اہتمام کیا۔ نواب علی محمد خاں نہایت دور اندیش اور مدبر تھے انھوں نے حافظ صاحب کو
 بلائے تو بلا لیا لیکن حافظ صاحب کے آجائے پر قدرتی طور پر اُن کو شاہِ عالم خاں پر حافظ صاحب
 کے قتل کا واقعہ یاد آگیا اور اُن کو یہ خیال گزر کہ ایسا تو کہ داؤد خاں کا بائشین سمجھکر حافظ صاحب
 میرے ساتھ خلوص کا برتاؤ نہ کریں اور جس غرض سے انھیں ہندوستان آنے کی دعوت دی
 گئی ہے وہ مطلب ہی فوت ہو جائے اس لئے انھوں نے اس معاملہ کی صفائی کے لئے ایک
 روز اپنے چند مخصوص اہل دربار مثل ملک شادی خاں۔ صدر خاں اور بخشی سردار خاں کی موجودگی
 میں حافظ صاحب کو طلب کیا اور بعد اوائے مراسمِ تکریم فرمایا کہ۔

”داؤد خاں نے آپ کے والد شاہِ عالم خاں کو قتل کر دیا ہے میں ہر چند کہ اُس کا
 صلبی بیٹا نہیں ہوں تاہم چونکہ اس نے مجھ کو بیٹے کی طرح پرورش کیا ہے اور میں بخل
 اس کے مال و جائیداد پر مشغول ہوں لہذا چاہتا ہوں کہ اس کو قیامت کے دن اس
 فعلِ شنیع کے مواخذہ سے مسبکہ دُش کروں پس آپ سے درخواست ہے کہ ان
 تین کاموں میں سے کسی ایک کو اختیار فرمائیے۔ اول اگر قصاص لینا منظور ہو تو رع
 اُینک من و اینک تو و اینک شمشیر

دوم اگر غوہبہا لینا منظور ہے تو چند ہزار روپیہ کی یہ فیلیاں مافیہ خدمت میں قبول کر لیجئے۔

سوم۔ یا اس کا خون معاف کر دیجئے۔“

حافظ صاحب نے فرمایا کہ۔

”تمہاری داؤد خاں سے کوئی نسبت اور قرابت نہیں ہے لہذا قصاص کیونکر جائز

ہو سکتا ہے غوہبہا لینا صاحبانِ عالی ہمت اور عالی فطرت کے نزدیک بے وقعت

ہے اور خاں شہادت نشان کے خون کا مواخذہ تم سے لینا شرعاً و عرفاً کسی طرح جائز نہیں اگر ہوتا تو میں اس گفتگو اور کشادہ پیشانی کے ساتھ تم سے ملاقات نہیں کرتا جب جھکو تھینچ ہو گیا کہ تم اس گناہ شیطانیہ شنیع سے برا اور متراہوتب میں ولایت سے ہندوستان آیا ہوں اور تم سے ملاقات کی ہے۔ اگر تمہارا اطمینان خاطر اس طرح متصور ہو تو بغیر کسی غرض و مقصود کے محض حبیبہ شد اور تمہاری پاس خاطر خون کو معاف کرنا ہوں۔“

حافظ صاحب کی اس شریفانہ گفتگو اور اولوالعزمہ طرزِ عمل سے نواب علی محمد خاں بہت سرور و محفوظ ہوئے اور ان کی عزت و توقیر پہلے سے بھی زیادہ کرنے لگے کچھ عرصہ کے بعد حافظ صاحب نے وطن کو واپسی کی اجازت چاہی نواب علی محمد خاں جن کو حافظ صاحب کی مفارقت اب کسی طرح گوارا نہ تھی بہ لطافتِ الجمل ٹالتے رہے۔ لیکن جب ان کا اصرار بہت زیادہ ہوا تو مجبوراً جلد واپس آنے کا عہد و پیمان بیکر و انجی کی اجازت عطا کی۔ حافظ صاحب تقریباً تین سال کے قیام کے بعد نواب علی محمد خاں کی ہمانداری اور عمدہ اخلاق کا نش اپنے دل پہلے کر توڑ شہادت پور کو واپس گئے اور وہاں جا کر اپنے چچا داد بھائی لکھنؤ دی خاں ابن شہزاد خاں کی بیٹی کے ساتھ نکاح کیا اور اپنا وقت مشاغلِ علمی اور سیر و تفریح میں گزارنے لگے۔ جب نواب علی محمد خاں کے متواتر خطوط ان کے پاس پہنچے تو اپنے وعدہ کے مطابق دوبارہ ہندوستان روانہ ہو کر آؤلہ میں وارد ہوئے۔ اس مرتبہ علی محمد خاں نے ان کی پہلے سے بھی زیادہ دلجوئی و خاطر داری کی اور کہا کہ وطن کی دوسرے خوانین کی طرح آپ بھی اپنے متعلقین کو ہندوستان بلائیے اور یہاں متغفل قیام اختیار کیجئے۔ حافظ صاحب نے جواب دیا کہ۔

چند لکھنؤ سے ہم نے کسی کی نوکری نہیں کی ہے اور نہ لہنی بیٹیاں اپنی قوم کے علاوہ کہیں بیاہی ہیں لہذا ان باتوں پہ ہمیں مجبور نہ کیا جائے اور ہمارے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے جیسا کہ اب ہو رہا ہے تو ہم آپ کے حکم کی تعمیل کر سکتے ہیں،

علی محمد خاں نے جو نہایت دور اندیش اور مردم شناس تھے فرمایا کہ۔
 ”جس طرح آپ کا مزاج چاہے ہمارے پاس قیام کیجئے۔ ہم کو آپ کی مفارقت کسی
 طرح گوارا نہیں ہے۔“

اس گفتگو کے بعد حافظ صاحب نے اپنے متعلقین کو وطن سے بلالیا اور آنولہ میں قیام
 پذیر ہو گئے۔ علی محمد خاں نے ان کی وجہ کفالت اس طریقہ پر مقرر کی کہ اپنے تمام مقبوضہ دیہات
 میں سے بارہ گاؤں بطور جاگیر ان کو دیدئے۔ اور آئندہ کے واسطے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو نیا
 پرگنہ یا تعلقہ فتح ہوگا اُس میں سے دو گاؤں ان کی جاگیر میں اضافہ ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ
 علی محمد خاں کی زندگی بھر یہ طریقہ جاری رہا اور بہت سے پرگنے دیہات اور تعلقہ جات حافظ
 صاحب کی جاگیر میں آگئے جن کی آمدنی سے وہ اپنے اخراجات چلاتے تھے۔

حافظ رحمت خاں کا نواب علی محمد خاں کی رفاقت میں مستقل قیام روہیلوں کے
 شاندار مستقبل کا پیش خیمہ تھا ان کی موجودگی نے اس بہادر قوم میں زندگی کی ایک نئی روح
 پیدا کر دی۔ حافظ صاحب بلند حوصلہ۔ عالی ظرف اور انتہا درجہ کے دلیر ہونے کے علاوہ
 بڑے مدبر بھی تھے اس لئے تھوڑے ہی عرصہ میں انتظام حکومت اور فوجی تنظیم میں ان کی
 حسن تدبیر سے چار چاند لگ گئے اور خوشحالی و فائز البالی قدم چومنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳۵ھ
 تک نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں کی سرداری و قیادت میں روہیلوں کی قوت
 بہت زیادہ ہو گئی۔ اور انھوں نے پرگنہ رچھا متعلق تحصیل بہیڑی۔ اور بریلی کے قریب
 اُس کی حوالی کے پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔ علاوہ ازیں اور بھی بہت سے جاگیر داروں کے
 علاقے چھین چھین کر اپنے مقبوضات میں شامل کر لئے۔

(۴) روہیلوں کا حکومت دہلی سے تصادم راجہ ہرنندن سے جنگ

روہیلوں کی ان دست درازیوں کی شکایت جاگیرداران کٹھیر نے قمر الدین خاں وزیر اعظم دہلی کے پاس پہنچائی۔ وزیر الممالک نواب علی محمد خاں کے ہمدرد تھے اس لئے انھوں نے ان شکایات سے چشم پوشی کرنی چاہی لیکن اس سے کچھ کام نہ چلا کیونکہ جاگیرداروں اور عاملوں کی متواتر شکایات محمد شاہ بادشاہ تک پہنچ گئیں اور ۱۲۷۷ء میں راجہ ہرنندن کھتری نواب صاحب کی نادیب اور کٹھیر کے انتظام کے لئے مقرر کیا گیا۔ راجہ ہرنندن پچاس ہزار فوج اور بڑے ساز و سامان کے ساتھ براہِ نبھل مراد آباد میں داخل ہوا۔ یہ خبر پا کر اول تو نواب علی محمد خاں نے بہت کچھ صلح جوئی کی لیکن اس کو کشش میں ناکامی ہوئی تو لڑائی کے واسطے مستعد ہو گئے۔ پچیس ہزار پیادہ و سوار کی جمیعت کے ساتھ آنولہ سے کوچ کیا اور دریائے اہل کے کنارے دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ فوج کے ہراول میں حافظ رحمت خاں میمنہ پر دو ندے خاں اور میسرہ پر پانندہ خاں تھے۔ خود نواب صاحب دوسرے سرداران فوج کے ساتھ قلب لشکر میں مقیم ہوئے۔

لڑائی میں حافظ الملک کی دلیری جنگ شروع ہوئی تو حافظ رحمت خاں اپنے چار ہزار مردانِ دلیر کے ساتھ مخالف کے قلب لشکر میں گھس گئے۔ بہت سے لوگوں کو قتل و مجروح کر کے راجہ کے ڈیرے تک پہنچ گئے اور اس کے ہاتھی کو گھیر لیا۔ اس حملہ کو روکنے کے لئے راجہ چند ہی قدم بڑھا تھا کہ سینہ پرمان کی ضرب کھا کر مارا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا بیٹا موتی لال جو حسن و جمال میں شہرہ آفاق تھا قتل ہوا بڑے بڑے سرداروں کے مارے جانے

لے مراد آباد لڑائی

کے بعد راجہ کی تمام فوج بھاگ گئی۔ نواب علی محمد خاں نے راجہ ہرنندن کے خیمہ میں نزول اجلال فرما کر فتح کا شکر ادا کیا۔ اس لڑائی میں اس قدر مال و اسباب ہاتھ لگا کہ اس سے امارت و شوکت کے تمام سامان مہیا ہو گئے۔ اس فتح کے بعد نواب علی محمد خاں نے شاہ آباد۔ مراد آباد۔ سنبھل اور پرگنات توابع بریلی کو اپنے عامل روانہ کئے۔ اور ان مقامات کو اپنے قبضہ و تصرف میں لے لیا۔ راجہ ہرنندن کی لڑائی کے بعد سے روہیلوں کے تمام مقبوضات کا مجموعی نام تعمیر کی بجائے روہیل کھنڈ پڑ گیا اور کچھ عرصہ کے بعد وزیر اعظم قمر الدین خاں کی کوشش سے روہیل کھنڈ کی گورنری کا حکم بھی بادشاہ دہلی نے نواب علی محمد خاں کے نام پر جاری کر دیا۔

حافظ الملک کو پہلی بھیت کی جاگیر ملنا اس جانب سے اطمینان ملی ہو جانے اور بریلی وغیرہ کے نظم و نسق سے فاسخ ہونے کے بعد نواب علی محمد خاں نے پائندہ خاں کو کافی فوج کے ساتھ دیس پت بنجارے کو پہلی بھیت اور اس کے پرگنات سے نکالنے کے واسطے روانہ کیا۔ دیس پت مغلوب ہوا اور پہلی بھیت کا کل علاقہ اس بہادری کے صلہ میں جو ان سے راجہ ہرنندن کی لڑائی میں ظاہر ہوئی تھی حافظ رحمت خاں کو مرحمت کیا گیا۔

(۵) حافظ الملک کے ہاتھ سے کیا یوں کی فتح

واقعہ ہر نندن کے بعد ۲۲۷ھ میں نواب علی محمد خاں نے راجہ کیا یوں سے داؤد خاں کے قتل کا انتقام لینے کا ارادہ کیا اور حافظ صاحب سے اس ہم کی سرکردگی کرنے کی خواہش کی جس کی بنا پر حافظ صاحب بہت جلد ایک مغول فوج ترتیب دیکر مع عہدہ سالہ داروں شمل دو نندے خاں - کرم خاں - پائندہ خاں - بخشی سردار خاں اور فتح خاں شامال وغیرہ روانہ ہو گئے۔ اول رو در رو پہنچے اور وہاں راجہ کے لوگوں کو شکست دیکر برا کھٹیرے کا قلعہ لے لیا۔ رو در رو پر میں اپنے تھانے قائم کر کے وہاں سے بغیر کسی روک ٹوک کے دامانِ کوہ میں پہنچ گئے۔ کلیان چند راجہ کیا یوں نے اس خبر کو سنتے ہی چیدہ چیدہ سپاہ کو حملہ آور فوج کو روکنے کے واسطے دشوار گزار دروڑوں میں متعین کیا افغان لوگ جو کوہستانی لڑائی میں مشاق تھے اس روک ٹوک کو کچھ خیال میں نہ لائے اور اپنے جان باز سرداروں کی قیادت میں دامنِ کوہ میں گھوڑوں کو چھوڑ کر پاپادہ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ راجہ کی فوج نے روہیلوں پر کسی بار پوریش کی لیکن وہ نہایت جوش و خروش سے آگے ہی بڑھتے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نیم کی فوج کو پاپا ہو کر بھاگنا پڑا اور پٹھانوں نے ہلہ کر کے الموڑے کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ افغانوں کی دلیری دیکھ کر بہت بدحواس ہوا۔ اور رات کے وقت گڈھوال کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ علی الصباح حافظ صاحب کو جب اس امر کی اطلاع ملی تو الموڑہ میں مع فوج کے داخل ہو گئے۔

الموڑہ پر قبضہ حافظ صاحب نے راجہ کے محل میں قیام فرمایا اور اپنی خداداد فوج کی خوشی میں ناز و شکر ادا کی۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو الموڑہ میں فاتحانہ حیثیت سے سب سے پہلی مرتبہ حافظ رحمت خاں ہی لائے ورنہ ابتدائے ظہور اسلام سے اس وقت

تک ہندوستان کے کسی بادشاہ اسلام کا وہاں قبضہ نہیں ہوا تھا۔

حافظ صاحب نے ایک قاصد کو تحفہ جات اور اشیا، نفیسہ کے ساتھ فتح کی خوش خبری سناتے کے لئے نواب علی محمد خاں کی خدمت میں روانہ کیا نواب صاحب اس مژدہ جانفزاکو سن کر نہایت مسرور ہوئے اور بعد برسات خود بھی الموڑہ کی طرف روانہ ہوئے الموڑہ میں نزول اجلال فرمانے کے بعد حافظ رحمت خاں اور ان کے ہمراہی رسالداروں کی حسن کارکردگی پر تحسین و آفرین کی اور علی قدر مراتب خلعت و انعام عطا فرمایا۔ راجہ کلیان چند نے گڈھوال سے کچھ فوج فراہم کر کے افغانوں سے دوبارہ مقابلہ کرنا چاہا لیکن اس کی فوج بہت جلد بھاگ گئی۔

راجہ سری نگر سے خراج وصول کرنا اس کے بعد حافظ صاحب سری نگر کی طرف متوجہ ہوئے سری نگر کے راجہ سر مور بھٹ کو خبر ہوئی تو اپنے بھائی کو ان کی خدمت میں روانہ کر کے صلح کی درخواست کی جو منظور ہوئی اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ بطور خراج وصول کر کے نواب صاحب کے پاس الموڑہ میں واپس آگئے۔ چار مہینے کے بعد حافظ رحمت خاں مع نواب علی محمد خاں آب و ہوا کی ناسازی کی وجہ سے الموڑہ کو راجہ کلیان چند کے ایک شتر مار کے سپرد کر کے دارالحکومت آنولہ میں فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے داخل ہوئے۔ نواب علی محمد خاں پہاڑ سے جب واپس ہو رہے تھے تو داؤد خاں کی قبر پر بھی آئے اور فاتحہ پڑھ کر تین بار باواز بلند کہا کہ

”میں نے راجہ سے تمہارے خون کا بدلہ لے لیا اور اس کے ملک کو اپنے مقبوضات

میں شامل کر لیا“

(۶)

محمد شاہ بادشاہ کا رھیل کھنڈ پر حملہ نواب علی محمد خاں کی نظر بندی اور حافظ الملک کی پامری اور تدبیر

فتح کیا یوں کے ایک ہی سال بعد محمد شاہ بادشاہ دہلی ابو المنصور خاں صفدر جنگ کے اغوا سے تسخیر روہیل کھنڈ کے لئے روانہ ہوئے۔ صفدر جنگ نواب سعادت خاں برہان الملک بانی ریاست اودھ کے بھانجے اور داماد تھے اور اس وقت اودھ کے والی تھے۔ اودھ میں راجہ نول رائے کو اپنا نائب بنا کر خود دہلی میں مقیم رہتے تھے۔ اعتماد الدولہ قمر الدین غل وزیر اعظم کے خلاف ایرانی امراء دربار کے سرغنہ تھے اور ان کو بادشاہ کے مزاج میں بہت رسوخ حاصل تھا۔ صفدر جنگ کو روہیلوں سے کاوش کی وجہ یہ بھی کہ وہ اودھ کے حدود پر روہیل کھنڈ میں ایک طاقت ور حکومت کا قیام نظرت سے خالی نہ سمجھتے تھے اور ان کو یہ خوف تھا کہ مبادا روہیلے زور پکڑ کر اودھ کو بھی فتح کر لیں لہذا ان کی ترغیب سے ۱۷۵۵ء میں بادشاہ نے روہیل کھنڈ پر حملہ کر دیا۔ قمر الدین خاں وزیر اعظم نے روہیلوں کے سرست اس مصیبت کو ٹالنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی اور بادشاہ نے خود بہ نفس نفیس مع تمام ارکان دولت اور ایک لاکھ پیادہ دسوار کے لشکر کے ساتھ روہیل کھنڈ کی طرف کوچ کیا۔ روہیلے ابھی اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اس لئے شاہی فوج کی آمد آمد سے مطلع ہو کر قلعہ بن گڑھ عرف یوسف نگر میں جو آٹولہ سے پانچ کوس کے فاصلہ پر وسط جنگل میں واقع تھا پناہ گزین ہو گئے۔

نواب علی محمد خاں کی نظر بندی

لیکن وہاں بھی وہ زیادہ عرصہ تک امن میں نہ رہ سکے اور بن گڑھ کے قریب دریائے سوت کے کنارے ایک مختصر سی لڑائی میں شکست اٹھانے

کے بعد نواب علی محمد خاں اپنے آپ کو مع اپنے دو بڑے لڑکوں عبداللہ خاں و فیض اللہ خاں کے بادشاہ کے حوالے کرنے پر مجبور ہوئے جن کو بادشاہ وزیراعظم قمر الدین خاں کی نظر بندی میں ہمراہ رکاب لے کر دہلی کو واپس ہو گئے۔

جب تک بادشاہ کاروہیل کھنڈ میں قیام رہا حافظ رحمت خاں نواب علی محمد خاں کے شریک حال رہے۔ جس روز شاہی لشکر نے دہلی کو کوچ کیا تو نواب صاحب سے کچھ مشورہ کر کے علیحدہ ہو گئے اور ان کے تمام اہل و عیال اور مال و متاع کو اپنی حفاظت میں لے کر قادریہ گنج شجاعت خاں غلزئی کے پاس پہنچانے چلے گئے۔

روہیلوں کی شکست اور نواب علی محمد خاں کی نظر بندی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ نظام حکومت درہم و برہم ہو گیا اور فوج منتشر ہو گئی روہیل کھنڈ میں دربار دہلی سے نئے عامل مقرر ہو کر آ گئے اور بظاہر ایسا نظر آنے لگا کہ روہیلہ حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

حافظ الملک کی پامردی اس نازک موقع پر حافظ رحمت خاں نے جو کام کیا تاریخ روہیل کھنڈ میں ہمیشہ آب زر سے لکھا جائے گا۔ حافظ صاحب نواب علی محمد خاں کے عیال و اطفال کی حفاظت سے فارغ ہو کر نئے خوف و خطر علانیہ روہیلوں کی از سر نو تنظیم میں مصروف ہو گئے اور نہایت تندہی سے فوج جمع کرنے لگے۔ لیکن اس وقت فوج کا جمع کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ روہیل کھنڈ کے علماء و فضلاء نے یہ فتوے دے دیا تھا کہ جو کوئی بادشاہ اسلام سے مقابلہ کرے گا اُس کو دین و دنیا میں خسارہ اور بدنامی ہوگی۔ اس بات کے مشہور ہونے سے روہیلہ فوج کے ہندوستانی بلکہ وہ روہیلے بھی جو کسی قدر ذی علم تھے ساتھ دیے کو تیار نہ تھے۔ صرف خاص افغانستان کے پہاڑی باشندے رفاقت کے لئے آمادہ ہو گئے۔ جب ان لوگوں کی تعداد سات ہزار ہو گئی تو حافظ صاحب روہیل کھنڈ سے روانہ ہوئے۔ کوچ پر کوچ کرتے ہوئے

اچانک دہلی پہنچ گئے۔ اور قلعہ منٹے کے سامنے اپنی فوج کی صفیں آراستہ کر کے نواب علی محمد خاں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ اس وقت اتفاق سے دارالسلطنت فوج سے خالی تھا۔ اس لئے محمد شاہ کو بجز اس کے چارہ نہ رہا کہ مطالبہ پورا کریں۔ وعدہ رہائی کے ایفا ہونے تک حافظ صاحب نے چار باغ میں اپنے ڈیرے ڈال رکھے۔

نواب علی محمد خاں نے جب یہ خبر سنی کہ حافظ صاحب بڑی شان و شوکت اور جمعیت کے ساتھ آئے ہیں بہت خوشی کا اظہار کیا اور اپنے متعلقہ املاک کی انجام دہی کی غرض سے انکو وزیراعظم قمر الدین خاں کی خدمت میں بھیجا۔

حافظ الملک کے تدبیر سے نواب علی محمد خاں کی رہائی

کچھ دنوں تک حافظ صاحب وزیراعظم کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے رہے اور بالآخر ان کی حسن تدبیر سے جملہ امور باحسن الوجہ انجام پا گئے۔ نواب علی محمد خاں بادشاہ کے حضور میں طلب کیے گئے اور منصب و خطاب وغیرہ بحال کئے جانے کے بعد سرہند کی صوبہ داری پر سرفراز کئے گئے۔ لیکن عبداللہ خاں و فیض اللہ خاں ان کے لڑکوں کو بطور یرغمال روک لیا گیا۔ بادشاہ نے نواب صاحب کے ساتھ حافظ رحمت خاں اور ان کے ہمراہ آئی ہوئی تمام فوج کو بھی جانے کی اجازت دیدی اور دونوں سردار کمال ترک و احتشام سرہند میں داخل ہو گئے۔

(۷) سُرنہند میں حافظ الملک کی جان بازیان

اس زمانہ میں سرنہند کا صوبہ نے انتہا سرکش تھا اور وہاں ہاٹ قوم کے رئیسوں نے اپنی سینہ زوری کا ایسا سکھ بٹھا دیا تھا کہ کوئی امیر ادھر جانے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ لیکن روہیلوں نے وہاں جا کر ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دئے کہ رستم و اسفندیار کا نام از سر نو زندہ کر دیا۔

والے رائے پور سے جنگ [نواب علی محمد خاں نے سرنہند کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی بہار امل والے رائے پور پر جو سرنہند میں سب سے زیادہ سرکش تھا۔ بذات خود چڑھائی کرنا چاہی لیکن حافظ رحمت خاں نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا۔ اور اس ٹم کی سہرا خیم دہی اپنے ذمہ لے لی اور پٹو خاں اور دوندے خاں کے رسالوں کو ساتھ لے کر جن میں تین چار ہزار پیادہ و سوار تھے رائے پور کے قریب جا پہنچے۔ بہار امل بھی دس تارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ حافظ صاحب نے اپنی فوج کے چار حصے کر کے تین حصوں کو حکم دیا کہ قصبہ پر تین طرف سے حملہ کر دیں اور ایک حصہ خاص اپنے ساتھ لے کر رائے پور کے بڑے دروازے کی طرف حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور یہ حکم دیدیا کہ جس وقت ان کے دستہ فوج میں سے ایک بان آسمان کی طرف پھینکا جائے سب طرف سے کیا لگی حملہ کر دیا جائے۔ جس وقت قرائن سے معلوم ہوا کہ فوج کے تمام دستے اپنی اپنی

لے نواب علی محمد خاں کو سرنہند کی صوبہ داری دینے سے بادشاہ کی مصلحت تھی مگر سرکشوں کے ہاتھ سے روہیلوں کی جمعیت پریشان ہو گئی تو رقیل کھڈ کی غلط ہمشیکہ کے لئے دور ہو جائیگی اور اگر انھوں نے سرنہند یوں کو مطیع و متعاون بنا لیا تو سرنہند کا دھندلہ جانا رہے گا اور روہیلوں سے کسی مناسب موقع پر نیش لیا جائیگا۔ (مع)

پنجوش بود کہ بر آید بہ یک کر شمشد و کار (مؤلف)

منزل مقصود پہنچ گئے تو خاص محافظ صاحب کے ماتحت دستہ فوج میں سے ایک بان آسمان کی طرف پھینکا گیا اور جب قرار داد فوج کے چاروں ٹکڑوں نے حملہ کر دیا۔ اور بہار امل کی فوج کے سخت مقابلہ کی کچھ پرواہ نہ کر کے افغان قصبہ میں داخل ہو گئے اُس وقت بہار امل قلعہ کے دروازے سے باہر کھڑا ہوا تیر و تفنگ سے جنگ کر رہا تھا۔ جب افغانوں کی لڑائی کی شدت سے پیش نہ لے جاسکا تو اپنے شکست خوردہ سپاہیوں کے ساتھ قلعہ میں محصور ہو گیا لیکن افغانوں نے محصورین کو دروازہ قلعہ کے بند کرنے کی ہمت نہ دی قلعہ کے اندر گھس پڑے اور اس پر قبضہ کر لیا۔

اس فتح کے بعد حافظ صاحب نے بہار امل کی جاگیر اس کے ایک عزیز کے سپرد کر دی اور بکثرت مال غنیمت نواب صاحب کے پاس بھیج دیا۔

قصبہ جوت پور کی فتح ہندوہ دن کے بعد نواب صاحب کے حکم سے حافظ صاحب قصبہ جوت پور کی تیغ کو روانہ ہوئے وہاں کا زمیندار نکاجی مل تھا۔ نکاجی مل اپنے ہزار ہا ساتھیوں کے مارے جانے کے بعد مع عیال و اطفال اسیر ہوا۔ اور اس نے پینسٹ ہزار روپیہ دے کر رہائی حاصل کی اور اپنی جاگیر بحال کر لی۔ اس جنگ سے بھی حافظ صاحب فارغ ہوئے تو نواب صاحب نے ان کی کمک کے واسطے مزید فوج روانہ کی۔

کوٹ وجگڑاؤں کی تیغ جب حافظ صاحب کی فوج کی تعداد پندرہ ہزار ہو گئی تو وہ رائے کلہا رئیس کوٹ وجگڑاؤں پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ کوٹ کا راجہ کثرت اموال و افواج کے باعث ان اطراف کے زمینداروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس لئے اُس نے فرمان اطاعت کو قبول نہ کیا اور آمادہ جنگ ہو گیا۔ افغانوں نے دو روز تک کوٹ کا محاصرہ کیا اور ان سے قسم قسم کی دیریاں ظاہر ہوئیں۔ تیسرے روز حافظ رحمت خاں خود سوار ہو کر قلعہ کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور افغانوں کو حکم دیا کہ چیل لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں۔ افغانوں نے اس حکم پر عمل کیا۔ تیغ یہ ہوا کہ محصورین نے امان

طلب کی اور رائے کھما کا بھائی رائے کھن قلعہ اور خزانے کی کنجیاں لے کر حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر آیا۔ اس وقت رائے کھما قلعہ سے باہر گرد و نواح کے زمینداروں کو اکٹھا کرنے میں مشغول تھا اس کو جب قلعہ کے اس قدر جلد فتح ہونے کی خبر ہوئی تو وہ بھی صلح پر مجبور ہو گیا اور اس نے علاوہ اس مالِ غنیمت کے جو افغانوں کو قلعہ سے حاصل ہوا تھا۔ ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ اور چند توپیں حافظ صاحب کی نذر کر کے صلح کر لی رائے کھما کی جاگیر اس پر بحال رہی۔ رائے کھما کی شکست نے جادو کا سا اثر دکھایا اور نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے سرداروں اور سرکشوں نے بھی نواب علی محمد خاں کی فرماں برداری قبول کر کے زرمال گزاری اور اگر نا شروع کر دیا۔

روہیل کھنڈ پر روہیلوں کا دوبارہ تسلط

نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں کو اسی ڈھنگ پر سرہند میں داد و تحاجت دیتے ہوئے کئی سال گزر گئے یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جبکہ ۱۲۴۷ء میں احمد شاہ درانی نے ہندوستان پر چڑھائی کی محمد شاہ بادشاہ اور ان کے ارکان دولت کو نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں کی طرف سے یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا بسبب ہم قومی یہ لوگ احمد شاہ درانی سے موافقت پیدا کر لیں اس لئے یہ رائے قرار پائی کہ نواب علی محمد خاں کو دوبارہ حکومت روہیل کھنڈ پر سرفراز کر دیا جائے تاکہ وہ سرہند کو جو سرحد افغانستان سے قریب رہے چھوڑ کر روہیل کھنڈ کو روانہ ہو جائیں چنانچہ ایک فرمان تنضیم بند روہیل کھنڈ نواب صاحب کے نام نافذ کیا گیا۔ ہنوز یہ فرمان نواب صاحب کے پاس نہ پہنچا تھا کہ احمد شاہ درانی کا بھی ایک خط اس مضمون کا نواب علی محمد خاں کے نام پہنچا کہ

”اگر تم اس وقت ہماری مدد کر و تواتر اللہ بوقت حصول سلطنت ہند محمد

مذارت تمہارے پسو کی جائے گی“

اس خبر کے موصول ہونے پر نواب صاحب اور حافظ رحمت خاں نے آپس میں مشورہ کیا اور چاہا کہ احمد شاہ درانی کے شریک ہو جائیں۔ لیکن وزیر الممالک قمر الدین خاں کے احسانات مانع تھے کہ اسی عرصہ میں فرمان شاہی پہنچا۔ اور وزارت سلطنت دہلی پر حکومت روہیل کھنڈ کو ترجیح دیکر نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں حضور بادشاہی میں دہلی ہوتے ہوئے روہیل کھنڈ کو روانہ ہو گئے اور وہاں کے عاملوں کی تھوڑی سی مزاحمت کے بعد اپنے ملک پر قبضہ کر لیا۔ جس وقت نواب علی محمد خاں روہیل کھنڈ کے تسلط میں مشغول تھے۔ افواج شاہی بسر کر دگی شاہزادہ احمد شاہ۔ قمر الدین خاں۔ معین الملک

عرف میرنو وصفدر جنگ وعیزہ ایک لاکھ فوج کے ساتھ احمد شاہ درانی کے مقابلہ کے لئے سرہند کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اپنے ہمراہ یہ لوگ عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں پسران نواب علی محمد خاں کو بھی لیتے گئے احمد شاہ درانی کو شکست ہوئی لیکن اس جنگ میں قمر الدین خاں وزیر اعظم نوپ کے ایک گولے سے مارے گئے جس سے فتح کی ساری خوشی گرو ہو گئی۔ قمر الدین خاں کا وجود سلطنت دہلی کے اس دور انحطاط میں غنیمت تھا۔ انکی جواز دی اور جس تہذیب سے سلطنت کی ساکھ قائم تھی۔ جو بعد ان کے نیست و نابود ہو گئی۔ روہیلوں کو بھی ان کی ذات سے بڑی تقویت حاصل تھی اور ان کی پشت پناہی میں وہ ان تمام مصائب سے محفوظ و مامون تھے جن کا انھیں آئندہ مقابلہ کرنا پڑا۔ قمر الدین خاں کے عہد وزارت میں روہیلوں کا سند اقبال عارضی رکاوٹوں کے باوجود تیز رفتاری میں ہوا سے باتیں کر رہا تھا لیکن ان کے انتقال سے ایک ایسی زبردست ٹھوکر لگی جس سے ان کا وجود خطرہ میں پڑ گیا۔ اور آئندہ روہیلوں کو ایک ایسے شخص سے واسطہ پڑا جو ان کا قدیمی دشمن تھا اور جس کی زندگی کا مخصوص مشغلہ ہی روہیلوں کی تخریب تھا۔

احمد شاہ درانی شکست کے بعد ولایت کو واپسی کے وقت عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ صفدر جنگ اور شاہزادہ احمد شاہ کی کوردگی میں جب سٹا ہی فوج دہلی کو واپس آ رہی تھی تو انشاء راہ میں محمد شاہ کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی اور شاہزادہ احمد شاہ کو سردار ان فوج نے جانشین کر کے ان کی تخت نشینی کا اعلان کیا نواب علی محمد خاں نے وزیر اعظم قمر الدین خاں کے انتقال اور اپنے بیٹوں کی گرفتاری کی خبر سنی تو اگلے رنج و صدمہ کی کوئی حد و انتہاء تھی ساتھ ہی محمد شاہ کے انتقال اور بہادر صفدر جنگ احمد شاہ کی تخت نشینی سے اوردہ ملی میں جو پیدیاں پیدا ہوئیں اسکاں تھا ان کی بھی شدید فکر و اذیت ہوئی ان نظرا اور مصدات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرض استسقا جو نواب صاحب کو پہلے سے تھا اترتی کر گیا۔ قوت سامعہ میں خلل آ گیا اور دوسرے قوی بھی بیکار ہونے لگے۔

(۹) حافظ الملک کی مدد صفدر جنگ کی وزارت

اس اثناء میں ابوالمنصور خاں صفدر جنگ نے دہلی پہنچ کر مندرجہ ذیل خط نواب صاحب

کو بھیجا۔

صفدر جنگ کا خط رو چونکہ اعتماد الدولہ قمر الدین خاں محمد شاہ بادشاہ کی وفات سے قبل احمد شاہ درانی کی جنگ میں قتل ہو گئے تھے اور محمد شاہ بھی عالم بقا کو رحلت فرما چکے وزارت کا معاملہ اس وقت تک پھل اور مضطرب رہا ہے بعض ارکان سلطنت متفقہ طور پر چاہتے ہیں کہ قمر الدین خاں مرحوم کے بیٹے انتظام الدولہ غانخاناں کو خلعت و وزارت سے سرفراز کیا جائے اور بعض لوگ یہ تمنا رکھتے ہیں کہ یہ خدمت مجھ سے متعلق ہو جائے اس صورت میں اگر آپ اس وقت اگر میرے رفیق اور شریک ہو جائیں تو جس قدر اعانت و امداد قمر الدین خاں کی طرف سے کی جاتی تھی اس سے دو چند آپ کے واسطے میری طرف سے عمل میں آویگی یا

اس خط کے موصول ہونے پر نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں میں آپس میں مشورہ ہوا اور یہ رائے قرار پائی کہ چونکہ بادشاہ صفدر جنگ کو چاہتے ہیں اس لئے اگر کسی دوسرے کی مدد کی گئی اور وہ وزیر ہو گیا تو اس کی سازگاری زیادہ عرصہ تک بادشاہ سے نہ رہے گی اور نتیجہ یہ ہو گا کہ صفدر جنگ پھر وزیر بن جائیں گے۔ اور اُس وقت صفدر جنگ کی مخالفت کی تاب لانا بہت دشوار ہو جائے گا۔ لہذا اس وقت کے مصالح ملکی کو پیش نظر رکھ کر یہی طے کیا کہ صفدر جنگ کی امداد کی جائے۔

نواب علی محمد خاں اپنی سخت علالت کے باوجود خود شاہجہان آباد جانا چاہتے تھے لیکن حافظ رحمت خاں نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا اور اس ہم کے خود ذمہ دار

بن گئے اور نواب صاحب نے صفدر جنگ کے خط کا مندرجہ ذیل جواب لکھا۔
خط کا جواب ”میں نے ہر چند چاہا کہ آپ کے حسب الطلب بذات خود آکر شریک اور
 رفیق بنوں لیکن بیماری کے غلبہ کی وجہ سے نہیں آ سکتا ہوں۔“

خان عالی شان سموالکمان برادر صاحب گرامی قدر بہتر از جان حافظ رحمت خاں ہلہ
 کو جو فی الحقیقت میری بجائے ہیں ایک ہزار سوار جو اس کے ہمراہ روانہ خدمت
 کرتا ہوں جو کچھ رعایت اور رحمت آپ کی طرف سے ان کے بارے میں ظہور
 پذیر ہوگی اس کو فی نفسہ اپنے حق میں سمجھوں گا۔ اور جو استحکام تقاد و پگائی اور
 انتظام بناؤ و داد و بیکتی جس طور سے قائم ہو جائے گا اس سے زندگی بھر سرمو تجارت
 عمل میں نہ آئے گا اس لئے کہ آپ جو کچھ بھی ملے فرمادیں گے ہم کو ہر صورت قبل
 و منظور ہے۔“

حافظ الملک کا ورود دہلی حافظ صاحب بہت کچھ سامان امارت اور بڑی شان و شوکت
 کے ساتھ ایک ہزار چیدہ اور کار آزمودہ سواروں کو ہمراہ لے کر دہلی کو روانہ ہوئے اور
 کوچ پر کوچ کرتے ہوئے دارالسلطنت میں پہنچے۔ صفدر جنگ نے جو روزانہ ان کا انتظام
 کرتے تھے اپنے بیٹے شجاع الدولہ اور نجم الدولہ اسحاق خاں کو ان کے استقبال کے لئے
 بھیجا اور نہایت تعظیم و تکریم سے خیر جنگ کے باغ میں مقیم کیا۔ حافظ صاحب کے لئے
 اور تمام لشکر کے لئے اسباب ضیافت بھیجا۔ دوسری صبح کو حافظ صاحب سے خود ملاقات
 کی۔ بڑی گرم جوشی سے معاف کیا اور تخلیہ کر کے ایرانیوں اور توراتیوں کے نزاع کے تمام
 حالات بیان کر کے اپنے مقصد کو بالتفصیل ظاہر کیا۔ اسی طور پر روزانہ حافظ صاحب کی
 صفدر جنگ سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ چند روز کے بعد صفدر جنگ نے حافظ صاحب کو

طلب کیا اور کہا کہ کل ہم خلعتِ وزارت حاصل کرنے کے لئے قلعہ معلیٰ میں جائیں گے
انتظام الدولہ خاں خاناں کے پانچ ہزار تورانی سپاہی ہمارے قلعہ میں داخل ہونے پر مانع
ہوں گے۔ ان کا ارادہ ہے کہ ہم سے پہلے قلعہ میں پہنچ کر جبراً منصبِ وزارت حاصل
کر لیں۔ آپ طلوعِ آفتاب سے قبل جنگ کے واسطے تیار ہو کر ہمارے پاس آجائیں
تاکہ آپ کے ہمراہ سوار ہو کر قلعہ کو پہنچ جائیں۔

صفرِ جنگ کو وزارت دلا نا
علی الصبح حافظ صاحب اپنی ہمراہی فوج کے ساتھ مسلح
ہو کر صفرِ جنگ کے دروازے پر پہنچ گئے صفرِ جنگ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنی فوج
کے ساتھ کھڑے انتظار کر رہے تھے۔ حافظ صاحب کے پہنچ جانے کے بعد دونوں فوجیں یکجا
ہو کر کمال شوکت و شان قلعہ کو روانہ ہوئیں۔ تورانی لوگ جو پانچ چھ ہزار کی تعداد میں دروازے
پر کھڑے تھے اور اس فکر میں تھے کہ قلعہ کے اندر داخل ہو جائیں اس وقت تک جاوید خاں
قلعہ دار کی ممانعت کے باعث جو صفرِ جنگ کا طرفدار تھا داخل نہ ہو سکے تھے جب صفرِ جنگ
کی سواری مع حافظِ رحمت خاں قلعہ کے پاس پہنچی تو ہر سال ہو گئے اور مقابلہ کی تاب نہ لا کر
نقشِ دیوار کی طرح اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہے اور صفرِ جنگ بغیر کسی روک ٹوک کے
دروازہ قلعہ پر پہنچ گئے۔ جاوید خاں نے نوابِ قدسیہ بیگم احمد شاہ کی والدہ کے حکم سے
قلعہ کا دروازہ کھولا یا اور صفرِ جنگ معدودے چند اہل خدمت کے ہمراہ قلعہ میں داخل
ہوئے۔ حافظِ رحمت خاں اپنی تمام فوج کے ساتھ تورانیوں کے مقابلہ پر قلعہ کے باہر
کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد صفرِ جنگ وزارتِ ہندوستان کا خلعت پہن کر
قلعہ سے باہر آئے اور اسی ہیئتِ مجموعی کے ساتھ اپنے مکان کو واپس گئے۔

خطابِ نوابِ مکرم الدولہ حافظِ الملک بہادر
نصیرِ جنگ کا ملنا
تیسرے روز حافظِ رحمت خاں کو صفرِ جنگ احمد شاہ
بادشاہ کے حضور میں لے گئے اور بادشاہ نے

ان کو خلعت گراں بہا۔ نوبت و علم اور خطابِ مکرم الدولہ حافظِ الملک بہادر نصیرِ جنگ

عطا فرمایا۔

جس وقت ہر دوسرا ران باوقار قلعہ سے واپس ہوئے تو ایک مرصع ہاتھی پر سوار تھے اور نواب صفدر جنگ حافظ المملک کی امداد کا شکریہ ادا کرتے جاتے تھے کہ مجھ کو خلعت وزارت من بعد فضل خدا صرف آپ کی یہاں کی موجودگی کی وجہ سے ملا۔ ورنہ توراتی نہ معلوم کس قدر فتنہ و فساد برپا کرتے۔ مشہور ہے کہ اس موقع پر ایک دوسرے نے آپس میں رشتہ اخوت کو بڑھانے کے لئے دستار بھی بدلی۔ چنانچہ اسی وجہ سے شجاع الدولہ حافظ المملک کو اپنے خطوط میں عمومی صاحب لکھا کرتے تھے۔

روہیل کھنڈ کو واپسی ہنوز حافظ المملک دہلی میں تھے کہ نواب علی محمد خاں کا ایک خط ملا جس میں یہ لکھا تھا کہ میں قریب المرگ ہوں آپ فوراً آؤ نہ تشریف لائیے۔ حافظ المملک نے یہ خط صفدر جنگ کو دکھایا اور رخصت حاصل کر کے داخل روہیل کھنڈ ہوئے اور تمام حال منج عن نواب صاحب کو سنایا۔ نواب صاحب بہت خوش ہوئے اور حافظ المملک کی حسن کارگذاری پر بخین و آفرین کی۔

(۱۰)

حافظ الملک علی محمد خاں کے بعد

نواب علی محمد خاں کی علالت وہ جس وقت حافظ الملک نے نواب علی محمد خاں سے ملاقات کی
وفات

تو اس وقت مرضِ استسقاء نے ان پر پورا پورا غلبہ کر لیا تھا اور زندگی کی تمام امیدیں منقطع ہو چکی تھیں تمام بدن گھل گیا تھا اور ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئی تھیں۔ جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو اپنی زندگی ہی میں تمام انتظامات ملکی سے فراغت حاصل کر لی اور دو روز بعد یعنی ۳۰ مارچ ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۴- ماہ ستمبر ۱۸۴۶ء کو اس دار فانی سے عالم جاودانی کا عزم فرمایا اور دار الحکومت آئندہ ہی میں دفن ہوئے۔ فرزندِ مرقومہ۔ چند سال کے بعد حافظ الملک نے وہاں ایک عمدہ مقبرہ بنوایا جو اب تک موجود ہے۔ انتقال کے وقت چوالیس سال کی عمر تھی۔ چودہ سال کی عمر میں سند نشین ہوئے اور تیس سال تک حکومت کی۔ نواب علی محمد خاں مردِ وجیہ، عقیل، سخی اور شجاع تھے۔ ریاستِ سیاست کے ساتھ اور حکومتِ شریعت کے طریق پر کرتے تھے۔ عالیِ نہم اور صاحبِ الرائے تھے اور نہایت متقی و پرہیزگار تھے۔ حنفی المذہب اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت تھے۔ عالی حوصلگی کا یہ عالم تھا کہ بقول مولف عماد السعادت۔

”نواب علی محمد خاں کا یہ ارادہ تھا کہ جب محمد شاہ کا انتقال ہو جائے تو وہی پہنکر تختِ سلطنت پر بیٹھ جاؤں مگر جس وقت بادشاہ نے وفات پائی تو وہ خود صاحبِ فرائض ہو رہے تھے۔ حافظ رحمت خاں نے ایک پرچہ کاغذ پر بادشاہ کی وفات کا حال لکھ کر ان کو دکھایا تو آسمان کی طرف دیکھا مقصود یہ تھا کہ اگر میں تندست ہوتا تو کرمیت باندھتا اب کیا کر سکتا ہوں۔“

دہل ہی ہنداشتم ایماں زخمِ تو راں کشم + چوں مرگ آمد ناگماں ایراں کجا تو راں کجا

گڑسہائے نئے بھی تاریخِ اوڈھ میں لکھا ہے کہ۔

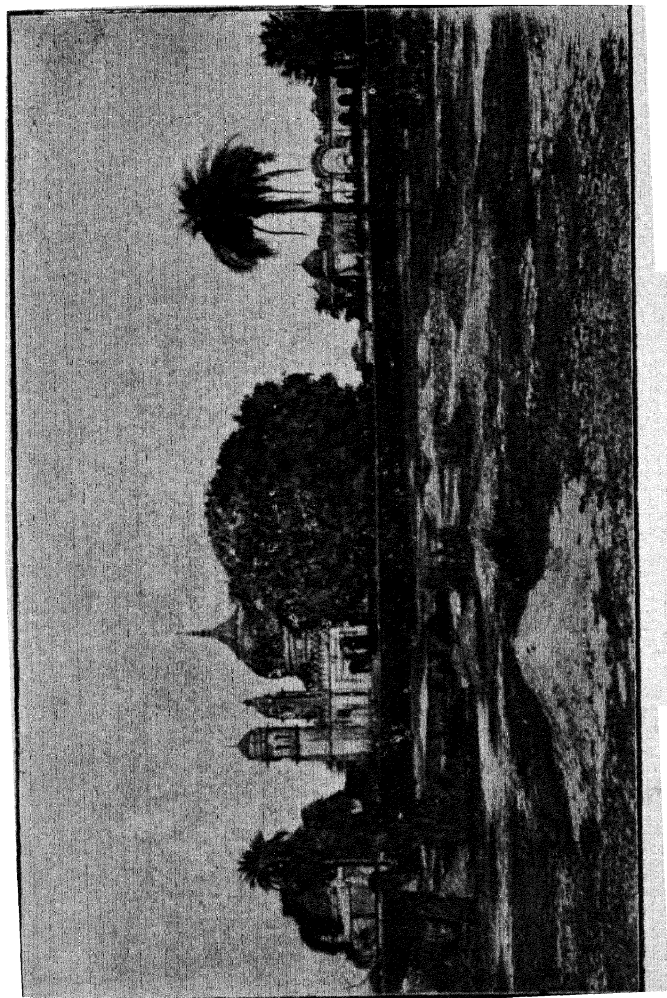
”نواب علی محمد خاں تخت نشینی دہلی کا ارادہ رکھتے تھے لیکن موت نے فرصت

زدی“

وفات کا مادہ تاریخ۔ ہے ہے افغان۔ ہے
۱۱۶۲ھ

نواب علی محمد خاں کا نواب علی محمد خاں کے مرض الموت نے جب نازک صورت اختیار کر لی تھی تو انھوں نے اپنے انتقال سے دو روز قبل دوسرے انتظامات جانشین نامزد کرنا ملکی کے ساتھ ساتھ اپنی جانشینی کا مسئلہ بھی اپنی زندگی ہی میں طے کر دیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ انھوں نے حافظ رحمت خاں۔ دوندے خاں۔ بخشی سردار خاں۔ فتح خاں غانا ماں۔ عبدالستار خاں۔ راجہ کنور سین غنشی دوم۔ سید احمد شاہ۔ سید معصوم شاہ۔ شیخ محمد کبیر اور بڈو خاں وغیرہ اپنے ارکانِ دولت کو جمع کر کے فرمایا کہ۔

”میں اپنی حالت دگرگوں پاتا ہوں لہذا یہ چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص کو جس میں سردار ہونے کی لیاقت ہو اپنی زندگی میں اپنی جگہ مقرر کر دوں تاکہ تم لوگوں کے معاملات یا خلل مداخلت نہ ہو اور ملک و مال کے امن اور رفاہیت خلق کا سبب ہو۔ اس وجہ سے کہ خدا کی مخلوق خدا کی ایک ودیعت ہیں اور چونکہ رہگذر وجود میں جب تک کہ کوئی حاکم مستقل نہ ہو قوم میں بہت سے فتنے پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔ اور ملک میں بڑا خلل ظاہر ہوتا ہے ایک گروہ جو کسی کو اپنا سردار مان کر اس کا مطیع فرمان ہو جاتا ہے۔ وہ خواری اور ذلت نہیں دیکھتا اور جو لوگ کہ امر حکومت کو چند لوگوں کے سپرد کیا کرتے ہیں اپنی جمعیت کی بنیادیں خلل اور ترزل ڈال دیتے ہیں جیسا کہ ملکِ عالم کے اس کلام سے ثابت ہوتا ہے۔ تَكُنْ فِيهَا إِلَهَةٌ ۖ لَّيْلًا فَلْيَسُدَّ تَارًا لِّمَنْ خَدَّائے واحد کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو ضرور خدا پیدا ہوتا، پس جس کسی کو میں تم پر سردار



مقبره نواب علي محمد خان (انولہ)

مقرر کروں تم کو چاہئے کہ کیا رسالدار اور کیا کارپرداز اور کیا سپاہی غرض چھوٹے اور بڑے وضع و شریف خورد و بزرگ ہر امر میں یعنی امور مالی و ملکی اور معاملات عزل و نصب میں اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں اور اس کی اطاعت فرماں برداری پر کم ضبط باندھیں تاکہ اس جن معاش کی برکت سے اپنے دشمنوں پر منفرد و منصور ہو کر خوش حال و فارغ البال رہیں۔

نواب صاحب کی اس تقریر پر حاضرین میں سے بعض نے کہا کہ جب عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں آپ کے بڑے اور بھلے صاحبزادے اتفاق تقدیر سے احمد شاہ کی قید میں قید ہوا ہیں۔ تو سعد اللہ خاں کو جو اگرچہ عمر میں ابھی سن تیز کو نہیں پہنچے ہیں نواب بنا دیا جائے۔ تمام افسر اور سردار ان کی قبیل حکم میں کوئی تفصیل اور ان کی فرماں برداری میں کوئی غدر نہ کریں گے۔ اس مشورہ پر نواب صاحب نے اظہارِ غائب کیا اور فرمایا کہ۔

”اگر عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں ہوتے تو بھی معاملہ ریاست ان سے متعلق نہ کیا جاتا کیونکہ اس امر کی لیاقت ان میں نہیں ہے۔ کجا سعد اللہ خاں کہ اس کو ابھی نیک و بد کی بھی تمیز نہیں ہے۔ جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے۔

”بخورداں مفرمے کار در شست ♦ کہ سندان نہ شایہ نکستن پر شست

رعیت نوازی و سرشکری ♦ نہ کاریست باز بچہ و سرسری،

حکومت ایک نہایت مشکل کام ہے اور صرف اس شخص کے واسطے مناسب ہوتا ہے جو جامع جمیع صفات حسنہ اور مجمع کل کمالات کاملہ ہو۔ اور یہ تمام اوصاف حافظ رحمت خاں کے وجود باوجود اور ان کی ذات بابرکات میں موجود و مستور ہیں۔

اس کے علاوہ ان کے حقوق خداوندی ہم پر اور ہمارے ولی نعمت داؤد خاں پر

واجب اور تحقیق ہیں کیونکہ داؤد خاں ان کے والد کا خانہ زاد اور اس خاندانِ عالی شان کی دولت کا پروردہ تھا۔ یہ امر کہ میں چند روز بطریقِ مستعار کا رہائے امور امارت رہا مقتضائے زمانہ سے تھا یا ان کی رضا مندی سے اب وقت آگیا کہ حق حق وار کو سپردِ دلوں تاکہ کافر نعمتوں کے زمرہ میں محسور اور خالی کائنات کے حضور میں شرمندہ نہ ہوں۔“

یہ کہہ کر اپنی بگڑی حافظ الملک کے سر پر رکھ دی اور تمام سرداروں اور کارپردازوں کو انکی اطاعت و فرماں برداری کے متعلق وصیت کی۔

حافظ الملک کا ایثار سعد اللہ خاں کو اپنی جانب سے نواب بنانا

لیکن اس موقع پر حافظ الملک نے بھی بے مثل ایثار کا ثبوت دیا جوں ہی ان کے سر پر بگڑی رکھی گئی فوراً اُسے اتار کر سعد اللہ خاں کے سر پر رکھ دیا۔ اور نواب علی محمد خاں سے فرمایا کہ۔

”جب اس امر بزرگ کو آپ نے میرے حوالے کیا تو میں اس لڑکے کو سرداری کے واسطے تجویز کرتا ہوں اور اس کو نواب بناتا ہوں۔ نیک و بد امور سے ہر دم میں خود اس کا مدد و معاون رہوں گا۔“

بعض مورخین کی غلط بیانی

حافظ صاحب نے مرتے دم تک اپنے وعدہ کا جس طرح ایفا کیا واقعاتِ آئندہ سے ظاہر ہو گا۔ لیکن جانشینی کے اس عظیم المنظر واقعہ کو بعض مورخین نے انتہائی رنگ آمیزی کے ساتھ لکھا ہے۔ اس امر کی محمد سلیمان خاں مؤلف تاریخ سلیمانی نے بھی شریک کی ہے کہ۔

”ایک آدمہ مورخ نے ازراہ غلط فہمی یا بطور خوشامدیوں بھی تحریر کیا ہے کہ نواب علی محمد خاں کا انتشار خاطر اس وقت باطن یہ تھا کہ اگر حافظ الملک بہادر میری مستار

اپنے سر پر پہنے دیں اور ریاست قبول کر لیں تو چند اشخاص پوشیدہ طور پر ایسے لگا رکھے تھے کہ حافظِ رحمتِ خاں بہادر کو اسی وقت قتل کر ڈالیں۔
مولوی نجم الغنی خاں رامپوری نے واقعات کی صورت سن کر نے میں ایک اور ڈھنگ اختیار کیا ہے۔ تاریخِ آودھ حصہ دوم میں لکھتے ہیں۔

”حافظِ رحمتِ خاں ابتدائی عمر میں خوردہ فروشی کرتے پھرتے تھے نواب علی محمد خاں نے ان کو بلا کر امیر کہہ بنا دیا یہاں تک کہ ماہی مراتب ان کے ساتھ چلنے لگا جس کا عوض حافظ صاحب نے یہ دیا کہ نواب صاحب موصوف کے انتقال کے بعد سرداروں سے سازش کر کے روپیل کھنڈ پر قبضہ کر لیا اور اپنے ولی نعمت زادوں کو محروم کر دیا۔“

یہی مصنف اخبار الصنادید میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

”نواب سید علی محمد خاں بڑے دور اندیش تھے۔ برسوں کی بات اور کوسوں کی مسافت کو سامنے دیکھتے تھے۔ حافظِ رحمتِ خاں کی صفائی طبیعت کے امتحان کے لئے..... انھوں نے اپنی پگڑھی حافظِ رحمتِ خاں کے سر پر کھدی حافظ صاحب روئے لگے وغیرہ وغیرہ۔“

نواب علی محمد خاں اور حافظِ رحمتِ خاں کے آپس کے مخلصانہ اور جاں نثارانہ تعلقات کو جن کا تفصیل کے ساتھ ذکر آچکا ہے پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے مورخین کی تحریروں جو کا قلم آزاد نہ ہو اور جن کو خود غرضی نے بے باک و گستاخ بنا دیا ہو قابلِ اعتنا نہیں ہو سکتیں۔ نواب علی محمد خاں کی زندگی کے کسی واقع سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ منافق تھے یا ان کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ تھا۔ اسی طرح حافظ الملک جیسے صاحبِ قنوت و مروت شخص کا مدتِ العمر کا سرفروشانہ اور وفادارانہ طرزِ عمل ہرگز اس امر کا مقتضی نہ تھا کہ نواب علی محمد خاں کسی معقول وجہ کے بغیر خواہ مخواہ ان پر بے اعتمادی کرتے اس لئے دونوں سرداروں سے جو بائیں منسوب کی

گئی ہیں ہرگز تو بین قیاس نہیں ہو سکتیں۔

حافظ الملک کی اہلیت کار حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی عمر اس وقت چالیس سال کی تھی۔ اٹھارہ سال تک مسلسل نواب علی محمد خاں مرحوم کی رفاقت میں حکومت روہیل کھنڈ کے قیام و استحکام کے لئے ان کی جانفشانیوں، شیرانہ حلوں، رستمانہ کارناموں اور بے خطا تدبیروں کا ملک کے طول و عرض میں غلغلہ بلند ہو چکا تھا۔ ہر شخص ان کے اثر و اقتدار کے سامنے سر تسلیم خم کرتا تھا۔ اور عللاً انہیں کور وہیل کھنڈ کا حکمران تصور کرتا تھا کیونکہ سعد اللہ خاں جن کو حافظ الملک نے اپنی بجائے نواب تسلیم کیا تھا۔ صرف آٹھ سال کے تھے اور بسبب صغر سنی نیک و بد کا کچھ تمیز نہ رکھتے تھے۔ اس وقت ملک میں بڑے بڑے انقلابات رونما ہو رہے تھے اور اس پُر آشوب زمانے میں جبکہ تمام ہندوستان ایک نازک دور سے گزر رہا تھا۔ روہیلوں جیسی نئی ابھری ہوئی قوم کو جس کا وجود ہر وقت خطرات سے دوچار تھا رہنمائی کے لئے حافظ رحمت خاں جیسے باکمال، سرفروش اور جانباز سردار ہی کی ضرورت بھی تھی۔ چنانچہ حافظ الملک عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی انتظامِ مملکت اور فلاحِ قوم کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اور ان کے حسن انتظام سے جمہورِ انام۔ سپاہ اور رعایا رضامند ہو کر ان کی اطاعت و فرمانبرداری پر فخر کرنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی خوشحالی اور مخلوق کی فارغ البالی روز افزوں تر ہوتی گئی۔

صفدر جنگ کی احسان فراموشی لیکن اس حال کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ابوالمنصور خاں صفدر نے دوبارہ روہیلوں کی تخریب پر کمرباندھی۔ اور ان مواعید کو جو حافظ الملک سے سلطنت ہند کی وزارت کے وقت کئے تھے یکسر فراموش کر دیا۔ روہیل کھنڈ کو تسخیر کر کے اودھ میں شامل کرنے کی خواہش ان کے دل میں از سر نو پیدا ہوئی اور اس بنیاد پر وہیل کھنڈ کی سند قطب الدین خاں نبیرہ عظیم اللہ خاں سابق گورنر مراد آباد کے نام دربار شاہی

سے جاری کرادی۔

قطب الدین خاں کا حملہ
 قطب الدین خاں روہیل کھنڈ کی سند وصول ہونے کے بعد
 چار پانچ سو سوار و پیادوں کا ایک ہجوم اکٹھا کر کے عازم روہیل کھنڈ ہوا۔ حافظ الملک نے
 اس خبر کو سن کر اسے نامہ و پیام کے ذریعہ اس قصد سے باز رکھنا چاہا۔ لیکن اس نے نہ مانا
 اور جنگ پر مستعد ہو گیا۔ مجبوراً حافظ الملک نے دوندے خاں سید معصوم شاہ -
 عبدالستار خاں - اور نجیب خاں کو کچھ فوج کے ہمراہ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔
 مراد آباد کے قریب رام گنگا کے کنارے لڑائی ہوئی اور قطب الدین خاں مع بہت سے
 ہمراہیوں کے دلیرانہ جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔

(۱۱) نواب قائم خاں بنگلشن سے جنگ اور شہر ہدیوں و بیکہ کی فتح

صفر جنگ کی افغانوں میں ابو المنصور خاں صفر جنگ کی قطب الدین خاں کے ذریعہ
نفاق انگیزی

ڈالنے کی ایک کامیاب تدبیر نکالی اور نواب قائم خاں ابن نواب محمد خاں بنگلشن والے
فرخ آباد کو جو شمالی ہند میں باعتبار دولت و حشمت بہت ممتاز تھے۔ اپنا آلہ کار بنایا اور
قطب الدین خاں کے بعد مملکت روہیل کھنڈ کی سند دربار شاہی سے اٹکے نام جاری کرادی
تاکہ ان کی فتح اور شکست دونوں حالتوں میں پٹھانوں کا ایک بازو ضرور ٹوٹ جائے۔
نواب قائم خاں ایک نا تجربہ کار نوجوان تھے۔ اس لئے انھوں نے محمود خاں آفریدی کو اپنے
ہتھم اور مختار کے بہکانے سے سند روہیل کھنڈ کو قبول کر لیا اور محمود خاں کے بھائی معظم خاں کو
حافظ الملک کے پاس روانہ کر کے یہ کہلا بھیجا۔

”ہم نہیں چاہتے ہیں کہ افغانوں کا خون ہمارے ہاتھ سے بے مناسب بہے ہو

کہ سند بادشاہی کو ملاحظہ کر کے آپ ملک کٹھیر کو واپس کر دیں“

حافظ الملک نے نواب قائم خاں کے سفیر کو جواب دیا کہ

”ہم نے اس ملک کو اپنے قوت بازو سے راجپوتوں اور سرکش زمینداروں سے

جو کسی کے مطیع نہ تھے حاصل کیا ہے۔ بادشاہ کا عطیہ نہیں ہے۔ جب تک

جان میں جان باقی ہے ہرگز اس سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ نواب

قائم خاں کو چاہیے کہ وہ اس ارادے سے باز آئیں اور صفر جنگ کی چال میں آئیں

جو اپنے نفع کے لئے اٹھائیں کو تباہ و برباد کرنے کی فکر میں ہیں۔“

مظہم خاں سفیر قائم خاں فرخ آباد کو واپس گیا اور چونکہ مصالحت کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی اس لئے ہردو جانب سے جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

۱۳۔ نومبر ۱۷۹۷ء کو قائم خاں پچاس ہزار فوج اور چار سو بڑی توپوں کو جو ہاتھیوں پر کسی ہوئی تھیں ساتھ بیکربڑے ساز و سامان اور کروفرس فتح روہیل کھنڈ کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ حافظ الملک بھی تقریباً پچیس ہزار فوج کے ساتھ مدافعتانہ جنگ کے لئے عازم بدایوں ہوئے جہاں نواب قائم خاں کا لشکر پرگنہ اوسمت وغیرہ کی راہ کاٹ کر رام گنگا کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔

حافظ الملک کی مصالحت کوشی باقاعدہ جنگ شروع ہونے سے پہلے حافظ الملک نے سید احمد شاہ کی سفارت مناسب خیال کیا کہ اتمام حجت کے طور پر نواب قائم خاں سے ایک مرتبہ اور صلح کی سلسلہ جنبانی کر لیں چنانچہ سید احمد شاہ المشہور بہ شاہ جی بابا والد سید معصوم شاہ کو قائم خاں کے پاس مع دو اور علمائے عہل کمرہ لے گیا تاکہ سمجھا بوجھا کر جنگ سے باز رکھیں۔ شاہ جی میاں قائم خاں اور محمود خاں کے ڈیرہ ورنہ تشریف لے گئے اور قصد جنگ کو ترک کرنے کی نصیحت کی مگر کچھ مؤثر نہ ہوئی بلکہ محمود خاں نے اہانت آمیز لہجہ میں جواب دیا۔

”تم سید ہو پیر زادے ہو تم کو معاملات دنیا کا حال کیا معلوم تم کیوں اس قسم کے کابل میں ہاتھ ڈالتے ہو؟“

سید صاحب نے جواب دیا کہ۔

۱۴۔ ہیننگڈائیڈی روہیلہ واد میں قائم خاں کے حملے کا سال ۱۷۹۷ء مرقوم ہے۔

۱۵۔ روہیل کھنڈ گز بیٹ اور گل رحمت۔

”تکبر خدا اور رسول کے نزدیک بہت ناپسندیدہ ہے اور غور و ضرور منظور آئی ہوتے ہیں“
اس ختم کے سوال و جواب کے بعد سید صاحب صلح سے ناامید ہو کر حافظ الملک کے پاس واپس
تشریف لائے اور تمام گفتگو کا اعادہ کر کے فرمایا کہ۔

”آپ کو پوری خاطر جمعی کے ساتھ جگ کرنی چاہئے انشاء اللہ فریوزی نصیب
ہوگی کیونکہ جب میں مخالفوں کے پاس سے رخصت ہوا تو میں نے قائم خاں۔ محمود خاں
اور دیگر حاضرین مجلس کے جسموں پر سر نہیں دیکھے ہیں“

سفارت سید احمد شاہ کے متعلق سید احمد شاہ کی مندرجہ بالا روداد سفارت کو مولوی نجم الغنی
مورخین کی کذب بیانی نے بحوالہ تاریخ فرخ آباد مولفہ آرون صاحب اس طرح بیان
کیا ہے کہ۔

”روہیلے حملہ کی صورت دیکھ کر خوف زدہ ہوئے اور اس بلا کو ٹالنے کے لئے انھوں نے
ایک عرض داشت نواب علی محمد خاں کی بیوہ کی جانب سے تیار کی اور اس کو
شاہ جی بابا کے ہاتھ فرخ آباد کو روانہ کیا۔ سادات اور قرآن مجید کو بھی ان کے
ہمراہ کیا اس عرض داشت کا مضمون یہ تھا کہ جب اس یتیم (یعنی سعد اللہ خاں)
کے والد نے فضا کی تب بجز خدا کے اور تمھاری ذات کے ان کو کسی پر بھروسہ نہ تھا
اگر تمھاری ہی شفاء ملک چھین لینے کی ہے تو غیر ایسا ہی سی۔ شجاعت خاں۔
شمشیر خاں اور خان بہادر خاں کو یہاں بھیج دو ہم سب ان کے ساتھ حاضر ہو جائینگے
..... جب سید لوگ نواب قائم خاں کے روہر و حاضر ہوئے تو انھوں نے نواب
سعد اللہ خاں کی ماں کی چادر نواب کے قدموں پر ڈال دی اور قرآن شریف اٹھایا
اور اس طرح سے نواب سے منکلم ہوئے۔

اُسے قومِ افغان کے سردار اس کلامِ مجید کے واسطے سے اس فقیر بچارے کی عرض قبول فرما کر اور اس چادر کے مالک کی عاجزی اور یکبسی پر لحاظ کر کے اس قوم پر رحم کر اور غریب نے یار و مددگار بچوں کے خون سے درگزر.....“

اس روایت میں روہیلوں کے خوف و ہراس - والدہ نواب سعد اللہ خاں کی بچا رگی و بے کسی اور شاہ جی بابا کی رقت آور تقریر ایک من گڑھت قصہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ واقعہ ہر کہ بعد انتقالِ نواب علی محمد خاں اسی ہزار پیادہ اور تین ہزار سوار مجموع ایک لاکھ فوج مرتب تھی اور تین کروڑ روپیہ نقد خزانہ میں جمع تھا۔ ان حالات میں یکس طرح یقین کیا جاسکتا ہے کہ نواب صاحب کے انتقال کے چند ہی ماہ بعد ایک لاکھ فوج اور تین کروڑ روپیہ کی موجودگی میں روہیلے قائم خاں کے خوف سے لرزہ بر اندام تھے علاوہ انہیں حافظ رحمت خاں - دوندے خاں - بخشی سردار خاں وغیرہ جیسے بہادری میں شہرہ آفاق سردار اور رسالدار بھی نواب علی محمد خاں کی بیوہ اور ان کے بچوں کی سرپرستی کے لئے موجود تھے اس لئے مذکورہ بالا رکیک اور ذلیل قسم کی الحاح و زاری قطعی نے بنیاد روایت معلوم ہوتی ہے صرف شاہ جی بابا کی سفارت کا اُس شان سے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے قائم خاں کے پاس جانا صحیح واقعہ ہے اور بس۔

معرکہ جنگ [الغرض سفارتِ سید احمد شاہ کی ناکامی کے دوسرے روز قائم خاں اور محمود خاں کو لازمِ رزم و پیکار میں مشغول ہو گئے اور اپنے توپ خانے اور فوج کو لے کر بقصدِ جنگ سوار ہوئے۔] اپنا بیمنہ - پیسرہ - مفہومہ اور ساقہ تجربہ دار سرداروں کے سپرد کیا اور بند و قہجیوں کے دستہ کو فوراً حملہ کر دینے کے لئے آگے بڑھایا۔ حافظ الملک نے یہ خبر سن کر نواب سعد اللہ خاں کو باہمی پر سوار کیا اور سید حسن شاہ بن علی شاہ کو جو کہ اہل باطن میں سے تھے اور مردِ مردانہ تھے ان کے خواصی میں بٹھایا۔ بعد ازاں اپنی جمعیت کے ساتھ میدانِ جنگ کو روانہ ہو گئے۔ سید احمد شاہ

عبدالستار خاں اور فتح خاں کو مقدمہ پر۔ دوندے خاں کو میسنہ پراونکشی سردار خاں کو میسر پونٹین کیا۔ نواب سعد اللہ خاں کو دوسرے رسالداروں کے ساتھ بھجال حفاظتِ عقب میں رکھا اور خود ایک فوجِ کثیر کے ساتھ قلبِ لشکر میں قیام کیا۔ شہرِ دایوں سے ڈوکوس کے فاصلے پر موضعِ دوزری رسول پور کے قریب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اول قائم خاں کی جانب سے توپ خانہ نے حملہ کیا۔ کثرتِ گولہ باری کے سبب روہیل کھنڈ کی ہر اول فوج میں سے اکثر کے قدم اکھڑ گئے اور بہت سے فرار ہو کر قلب کی بڑی جمیعت کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جس سے قائم خاں کی فوج زیادہ دلیہ ہو گئی اور اس نے دوندے خاں کی فوج پر حملہ کر کے بہت نقصان پہنچایا۔ یہ خبر سن کر حافظ الملک دوندے خاں کی مدد کو پہنچے۔ اور نہایت سخت جنگ کی یہاں تک کہ دوندے خاں کی فوج کو کسی قدر مہلت ملی۔ اسی اثنا میں بخشی سردار خاں تین ہزار پیادہ برق اندازوں کی فوج کے ساتھ دوندے خاں کی امداد کے لئے دوڑے لیکن دشمن کی شدتِ جنگ کے باعث دوندے خاں تک نہ پہنچ سکے۔ اور میدانِ جنگ سے قریب ایک باجرہ کے کھیت میں دشمن کی گھات میں غنڈہ بیٹھ گئے۔ قائم خاں نے روہیلوں کا پلہ کمزور دیکھ کر بہت سے سوارانِ خوش اسب اور ڈھائی سونا مور سردارانِ فیل سوار کو بکثرت توپوں کے ساتھ سعد اللہ خاں کی فوج پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور تھوڑی ہی مار پیٹ کے بعد افغانوں کی اس جمیعت کو جو نواب سعد اللہ خاں کے گرد و پیش ان کی حفاظت کے لئے حافظ الملک نے متعین کی تھی تباہ کرنے کی کوشش کی۔ حتی الامکان افغان لوگ انتہائی مدافعت اور جنگ کرتے رہے لیکن غنیمت کی کثرت اور اپنے لوگوں کی کمی کی وجہ سے مقتول و مجروح ہو کر بہت سوں کا قدم نعرش کھا گیا۔ یہاں تک کہ سعد اللہ خاں کے پاس صرف تھوڑے سے آدمی رہ گئے۔ اور دشمن ان کے ہاتھی کے قریب پہنچ گئے۔

سید حسن شاہ کی مردانگی اس موقع پر ایک گولی نواب سعد اللہ خاں کی گردن کے قریب سے نکل گئی۔

قائم خاں کا ایک سردار ہاتھ میں گزرتے ہوئے تھا اس نے چاہا کہ گزر کی ضرب سعد اللہ خاں کے سر پر مارے۔ مگر معظم خاں آفریدی چلا اٹھا کہ بھائی ان کو زندہ گرفتار کر لو اور اسی وقت اپنا ہاتھی سعد اللہ خاں کے ہاتھی کے برابر لاکر اپنے پٹکے کا پھندا بنا کر سعد اللہ خاں کی گردن میں ڈال کر چاہا کہ اپنی طرف کھینچ لے لیکن سید حسن شاہ نے اس پٹکے کو اپنی تلوار سے کاٹ دیا۔ اسی طرح معظم خاں آفریدی نے تین مرتبہ اپنے پٹکے کا پھندا بنا کر ڈالا۔ مگر سید حسن شاہ نے ہر مرتبہ اس کو کاٹ دیا۔ آخر کار سید حسن شاہ معظم خاں کے ہاتھ سے تلوار کے دو زخم کھا کر مدافعت سے عاجز ہو گئے۔ ایک روہیلہ ہاتھ میں بندوق لئے ان کے ہاتھی کے پاس متحیر کھڑا ہوا اس دارو گیر کو دیکھ رہا تھا۔ سید حسن شاہ نے اس کو غصہ سے ڈانٹ کر کہا۔

’بزن ایں را از تنگ‘

سید صاحب کی آواز سن کر اس بندوقچی کے حواس پر انگڑی جمع ہو گئے۔ اور اس نے بندوق کا فیر کیا جس کی گولی معظم خاں کے سینہ میں داخل ہو کر پشت سے نکل گئی۔ اور سعد اللہ خاں نے اس بلائے ناگمانی سے نجات پائی۔ اس وقت عام جنگ کی یہ حالت تھی کہ کسی وقت فیل سواران فرخ آباد ہجوم کر کے افغانان روہیل کھنڈ کی جمیعت کو منتشر کر دیتے تھے اور کبھی روہیل کھنڈی حافظہ الملک کی پشت پناہی میں دشمنوں کو پکارتے تھے۔

نواب قائم خاں کا مارا جانا اسی کشمکش میں حسب اتفاق قائم خاں اور ان کے تمام خاص اور روہیلوں کی فسخ

بخشی سردار خاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ بچے ہوئے تھے۔ بخشی جی کے ہمراہیوں نے ایک دم گولیاں سر کر دیں اور تمام گولیاں ہاتھی نشینوں کے سر و سینوں پر پڑیں۔ یہ لوگ مع نواب قائم خاں دو سو سے زیادہ تھے سب کے سب گر گئے۔ نواب قائم خاں کے دوسرے ہمراہی جو ان کی تلاش میں پھر رہے تھے ان کے ہاتھی کا حوضہ خالی دیکھ کر بدحواس ہو گئے

اور تمام فرخ آبادی اہل فوج یکے بعد دیگرے میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ روسیے اس فتح خدا داد کے ظاہر ہونے سے مغربین کے مال و اسباب لوٹنے پر متوجہ ہوئے اور ان کا تعاقب کر کے بے شمار گھوڑے اور بکترت ہاتھی پکڑ لائے۔ زین خاں اور شاہخان خاں روہیلوں نے قائم خاں کے ہاتھی پر چڑھ کر ان کی لاش تارلی سر کاٹ کر ایک جگہ دفن کر دیا اور ہاتھوں اور گلے وغیرہ کے تمام جواہرات چھپا لئے۔ چنانچہ جب لاش نے سر میدان سے اٹھا کر حافظ الملک کے حضور مل لی گئی تو سر حاضر کئے جلنے کی منادی کی گئی۔ بعد تلاش بسیار زین خاں و شاہخان خاں نے جواہرات کی معافی کا حکم حاصل کر کے قائم خاں کے سر کو حافر کیا۔

حافظ الملک کی مفتوحین کے ساتھ رعایت والدہ قائم خاں کے نام در و مندرانہ خط مستملازمین کے ساتھ فرخ آباد کو روانہ کر دیا۔ ساتھ ہی ایک خط بھی قائم خاں کی والدہ کے نام لکھا جس کا حسب ذیل مضمون تھا۔

”وہ آپ کو معلوم ہو گا کہ ہمارا ارادہ جنگ کا نہ تھا اور ہم ہرگز جنگ کے لیے تیار نہ تھے۔ علما اور سادات کو بھی قائم خاں کے پاس بھیجا تھا کہ ہند و نصاح کے ذریعہ صلح کی راہ راست پر لے آئیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے اَصْلُكُمْ خَيْرٌ اور دونوں فریق کی خیر و عافیت بھی اس میں متصور تھی۔ لیکن قائم خاں نے اپنے معاملات نیک و بد کا کلی اختیار فتنہ شریعت محمود علی خاں آفریدی کے ہاتھ میں دے دیا تھا اور صلح و جنگ کا معاملہ اس غایت پر انداز کے سپرد کر دیا تھا۔ اس نے اُن لوازم جنگ پر نظر ڈال کر جو ہم سے زیادہ تھے اور فوج کی تعداد کثیر کو دیکھ کر جو ہمارے یہاں سے دو چند تھی نہایت نادانی سے اس امر کو نظر انداز کر دیا۔ ”وَمَا اَنْتُمْ اِلَّا مِّنْ عِندِ اللّٰهِ“ اور اپنے اعتقاد باطل سے اسباب ظاہری پر نظر کر کے ہر چند کہ علما و سادات نے صلح و معاملات کے واسطے منت کی یہ اپنی جنگ جوئی اور بد خوئی سے زیادہ دیر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ قائم خاں اور

ان کے تمام سردارانِ افغان کو خاکِ ہلاکت پر لٹا دیا

چوترا شود مرد در روزگار ۴ ہمہ آں کند کش نیاید بکار

تھلے آئی سے کوئی چارہ اور مفر نہیں ہے۔ آں غفلتِ مآب و عصمتِ نقاب
یعنی بی بی صاحبہ کو لازم ہے کہ دلچسپی تمام کے ساتھ فرخ آباد میں مقیم رہیں اور
ہماری طرف سے کوئی وسوسہ اور دفعہ نہ کریں اس واسطے کہ ہم کو عورتوں کے
مال و منال اور سبب و اشیاء سے مطلق سروکار نہیں ہے بلکہ گنگا کے اُس پار کا تمام
ملک اُن عقیقہ ربی بی صاحبہ کے معارف و احوالات کے واسطے واکداشت
کرتے ہیں۔

برایوں۔ مہر آباد۔ اُسہت اور پریم نگر کا	اور شہرِ بدایوں پر گئے اُسہت و مراد آباد اور پریم نگر
رہیل کھنڈ میں شامل ہونا	کہ دریائے گنگا کے اس طرف ہمارے ملک

کی سرحد پر واقع ہیں اپنے ملکِ خاصہ میں شامل کرتے ہیں ہم کو ہر امر میں اپنا مدد
و معاون جانکر اپنے حالات تحریر کیجئے۔

مذکورہ بالا خط اور قائم خاں کی بخش کو فرخ آباد روانہ کرتے کے بعد حافظِ الملک نے اپنے
عاملِ بدایوں۔ مہر آباد۔ اُسہت۔ پریم نگر وغیرہ علاقہ مفتوحہ میں بھیج دئے اور فرخ کے ساتویں لڑکا
بڑے کروفر کے ساتھ مع نواب سعد اللہ خاں میدانِ جنگ سے واپس ہو کر آؤلہ میں داخل
ہوئے۔ اس جنگ کی کامیابی سے حافظِ الملک اور وہیلوں کی اقبال مندی کی دورِ دورِ شہرت
ہو گئی اور سیاسیاتِ ہند میں ان کے وجود کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی۔

پرگناتِ اس کوئی فتح

حافظ الملک آنولہ میں چند روز قیام کے بعد پہلی بھیت تشریف لے گئے اور وہاں سے شیخ کبیر کو جو کہ صاحبِ باطن ہونے کے علاوہ ایک امیرِ باتدبیر تھے دامنِ کوہ کی تسخیر کے واسطے روانہ کیا۔

پرگنہ سنبھ کی فتح شیخ کبیر نے ضروری فوج اپنے ہمراہ لے کر اول پرگنہ سنبھ پر حملہ کیا وہاں کے زمیندار تھوڑی سی جنگ کے بعد کچھ مقتول ہوئے اور کچھ نے مجروح ہو کر راہِ فرار اختیار کی اور ان کا سردار مقید ہو گیا۔ شیخ کبیر نے پرگنہ سنبھ کے فتح کی خوش خبری حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کی تو انھوں نے حکم بھیجا کہ کھیرا گڑھ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ حسبِ الحکم شیخ کبیر نے کھیرا گڑھ کی جانب کوچ کیا۔ چار روز بعد حافظ الملک بھی پہلی بھیت سے سنبھ تشریف لے گئے اور اس جگہ کے زمینداروں کو اپنی طرف سے ان کی خدمات پر بحال کر کے سرفرازی بخشی اور چند روز وہاں کے انتظام اور کھیرا گڑھ کی فتح کے انتظار میں اس جگہ قیام کیا۔

کھیرا گڑھ کی فتح کھیرا گڑھ ایک ایسی جگہ تھی جہاں کسی کا پہنچنا دشواری سے خالی نہ تھا۔ اس کے مغرب میں دریائے ساردا واقع تھا جس کو اودھ میں گھاگرا کہتے ہیں۔ اس دریا کو پانی کی تیز رفتاری کے سبب سے پایاب عبور کرنا بہت مشکل تھا اور اس کے دونوں جانب خطرناک اور دشوار گزار جنگل واقع تھا۔ سخت مشکلات و تکالیف کے بعد شیخ کبیر نے جنگل کا راستہ طے کیا اور دریائے ساردا کے کنارے پہنچ گئے۔ اتفاقاً اس گمرے اور تیز رفتار دریا میں ایک جگہ قابلِ عبور دریافت ہو گئی چنانچہ بہادرانِ فوج ہاتھیوں پر سوار ہو کر دریا کو عبور کرنے لگے عبور کرنے وقت دریا کے دوسری طرف کے دھقان مانع ہوئے اور تیز و بندوق سے حملہ کرنے لگے لیکن افغانوں نے ان کے حملہ کا کچھ خیال نہ کیا اور دریا سے گزر کر دھقانوں پر حملہ آور ہو گئے۔ دھقان

لوگ منتشر ہو گئے اور کھیرا گڑھ پچھرا افغانی فوج کے دریا عبور کرنے کی خبر کو شہر کر دیا۔ وہاں کے زمیندار دس ہزار سواروں کی جمعیت اکٹھا کر کے جنگ کے واسطے آمادہ ہوئے۔ شیخ کبیر نے اپنی ہمرہی فوج کو دریا عبور کر کے کھیرا گڑھ سے تین کوس کے فاصلے پر قیام کیا۔ اور علی الصبح بارادہ جنگ سوار ہو کر کھیرا گڑھ کے محاصرے میں مصروف ہو گئے۔ زمینداروں نے تھوڑی بہت مدافعت نہ جنگ کی لیکن زیادہ عرصہ تک ثابت قدم نہ رہ سکے۔ شیخ کبیر کھیرا گڑھ میں داخل ہوئے اور مغربی کے مال و سباب پر قبضہ کر کے عام رعایا کی دجلوئی میں مشغول ہو گئے اس فتح کی خوش خبری سلطان کو ملی تو انھوں نے حکم بھیجا کہ رعایا کو ان کے گھروں میں آباد کرو اور اپنے ایک مستعد شخص کو وہاں کا نظم و نسق سپرد کر کے بھرتا پور کو روانہ ہو جاؤ۔

قلعہ بھرتا پور پر قبضہ یہ مقام کھیرا گڑھ سے دس کوس کے فاصلہ پر جانب غرب واقع ہے اس کے مشرق میں دریائے کوڑیالہ اور کرناں بہتے ہیں اور ہر دو جانب نہایت گنجان جنگل واقع ہے شیخ کبیر نے بڑے حزم و احتیاط کے ساتھ دشوار گزار راستوں کو طے کیا اور دریائے کرناں تک پہنچ گئے دریا عبور کرنے وقت اس طرف کے راجپوتوں سے جنگ واقع ہوئی۔ راجپوت شکست فاش کھانے کے بعد بھاگ کر قلعہ بھرتا پور میں داخل ہو گئے۔ شیخ کبیر نے تعاقب کر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور آہستہ آہستہ مورچہ کو آگے بڑھاتے رہے جب قلعہ کے قریب پہنچ گئے۔ تو محافظ قلعہ دو سو سپاہیوں کو قلعہ میں چھوڑ کر رات کے وقت خود قلعہ سے باہر نکل گیا۔ صبح کو شیخ کبیر نے قلعہ پر حملہ کیا۔ افغان سپاہی متواتر حملوں کے بعد ہر طرف سے قلعہ پر چڑھ گئے اور ان محصورین کو جنھوں نے مقابلہ کیا قتل کر دیا۔

بجولیا۔ دریا پور اور بھرتا پور کی فتح کے بعد شیخ کبیر حسب احکام حافظ الملک۔۔۔ بجولیا۔ دریا پور سنگلیا کی سنگلیا کی فتح طرف متوجہ ہوئے اور بغیر کسی روک ٹوک کے ان مقامات پر قبضہ کر لیا۔

گرد و پیش کے اکثر زمیندار جو اخوانوں کے حملوں کے خوف سے بھاگ گئے تھے ان کو شیخ کبیر نے تشفی و دلجوئی کر کے آباد کر دیا اور ان سے بہت سارے بیہ بطور خراج وصول کر کے حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اس کام سے فراغت حاصل کر کے شیخ کبیر نے سنبھ کو راجست فرمائی اور حافظ الملک کی جانب سے اپنی کارگزار ہیں کے صلے میں بے شمار عنایات کے مورد ہوئے چند روز کے بعد کھیرا گڑھ کے بخاریوں کا سردار جو کہ نصف پرگنوں کا مالک تھا اور دوسرے نصف پر راجست قابض تھے خود بخود حافظ الملک کی خدمت میں حاضر آیا اور اس نے کھیرا گڑھ کے انتظام اور خلعت وغیرہ سے سرفرازی پائی۔

ملہوارہ۔ اور پھیلیالی کی تیغیر اب شیخ کبیر تازہ فوج کے ساتھ ملہوارہ اور پھیلیالی پر گنات دامن کوہ کی تیغیر کے لئے روانہ ہوئے اور ملہوارہ پر جبراً قبضہ کر کے پھیلیالی کو بھی لے لیا۔ پھیلیالی راجہ ڈوٹی کے قبضہ میں تھا اس نے جب اس واقعہ کی خبر سنی تو اپنے سفیر حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کئے ان لوگوں نے بہت بڑی رقم بطور پیشکش پیش کر کے اور یہ وعدہ کر کے کہ سال بہ سال خراج ادا ہوتا رہے گا حافظ الملک کی جانب سے پھیلیالی کو راجہ کے حق میں واکذاشت کرا لیا۔ اس طرح تمام مقامات دامن کوہ کو صرف چار مہینے میں فتح کر کے حافظ الملک مع شیخ کبیر معاودت فرمائے پہلی بھیت ہوئے۔

(۱۳)

صفر جنگ کے ہاتھوں خاندانِ سنگیش کی تباہی - احمد خاں کا عروج اور حافظ الملک کی مدد

انہیں ایام میں نواب قائم خاں والی فرخ آباد کے مقتول ہونے کی خبر صفر جنگ کو پہنچی تو وہ نہایت خوش ہوئے۔ خوب ہنسے اور کلمات ہزل آمیز زبان پر لائے۔ اور ہر قسم کی مروت کو بالائے طاق رکھ کر یہ ارادہ کر لیا کہ ریاست فرخ آباد کو جو ادھ سے بالکل طمع تھی اپنے مقبوضات میں شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دہلی سے کوچ کر کے مازم فرخ آباد ہوئے اور قائم خاں کی والدہ کو لکھا کہ مجھ کو اپنے بھائی قائم خاں کے مقتول ہونے کا بہت سوچا ہوا۔ ایسا محسوس کرتا ہوں کہ گویا میرا دہنا ہاتھ ٹٹ گیا انشاء اللہ العزیز روہیلوں کا ہندوستان میں بیج نہیں چھوڑوں گا۔ لہذا جس طرح ہو سکے اپنے آپ کو ایک دوروز کے لیے میرے پاس پہنچائیے تاکہ آپ سے کچھ باتیں کر سکوں قائم خاں کی والدہ اس محبت آمیز پیام سے دھوکے میں آ گئیں اور سات قوی پہل غلاموں کو اپنے ہمراہ لے کر صفر جنگ کے پاس دادرسی اور امداد کی امید پر تشریف لے گئیں۔

والدہ قائم خاں کی گرفتاری فرخ آباد پر صفر جنگ کا قبضہ

صفر جنگ نے پہلی ہی ملاقات میں بی بی صاحبہ کو مقید کر کے لکھنؤ بھیج دیا اور ان کے ہمراہیوں کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا۔ صفر جنگ خود فرخ آباد میں داخل ہوئے اور بی بی صاحبہ کے عزیز واقارب کو قتل کر کے

لے تا بیخ فرخ آباد مولانا آرون صاحب۔

ان کے تمام نقد و نفیس پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنے معتمد دیوانِ نول رائے کو جو اودھ میں بطور نائب کے حکومت کرتا تھا۔ فرخ آباد کا بھی حاکم مقرر کر دیا۔ اس انتظام کے بعد صفدر جنگ دہلی ٹوٹ گئے اور نول رائے شدید جبر و ظلم کے ساتھ فرخ آبادیوں سے کثیر روپیہ جمع کر کے اودھ کو واپس گیا۔ جس زمانہ میں یہ واقعات پیش آرہے تھے قائم خاں کے ایک بھائی احمد خاں نامی دہلی میں مقیم تھے۔ احمد خاں کے قائم خاں سے تعلقات بہت کشیدہ تھے۔ اس لئے دہلی میں صفدر جنگ کے ساتھ رہتے تھے۔ اپنے خاندان کی تباہی اور اپنی والدہ کی گرفتاری کی خبر پا کر بیتاب ہو گئے اور خفیہ طور پر دہلی سے نکل کر فرخ آباد میں پہنچ گئے۔ چونکہ ان دنوں میں احمد خاں کا عوام الناس پر کچھ اثر نہ تھا اس لئے صفدر جنگ نے بھی ان کے چلے جانے کی کوئی پروا نہ کی اور شامت اعمال سے۔

دشمنِ نتواں حقیر و بیچارہ شمر د

کے اصول کو فراموش کر دیا۔ احمد خاں فرخ آباد پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ نول رائے کے ماطلوں کے خوف سے فرخ آباد کی مخلوق پر سخت دہشت و ہراس طاری ہے ان حالات میں جب مقصد براری کی کوئی امید نہ دیکھی تو روسا رسو کے پاس جا کر اپنا وقت گزارنے لگے۔ ایک عورت کی طعن و تشنیع نے لیکن جب قدرت کو کسی سے کوئی بڑا کام لینا ہوتا ہے تو اس احمد خاں کو مرد بنادیا کے ویسے ہی اسباب فراہم ہو جاتے ہیں چنانچہ اس زمانہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس سے احمد خاں کے ارادوں میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا۔ عماد السعادت میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ۔

”میں ایک غریب عورت بازا میں سوت بیچنے آیا کرتی تھی۔ ایک روز نول رائے کے ایک ہندو ملازم نے اس کا سوت خرید لیا اور قیمت دے کر چلا گیا۔ ایک جینے سکو وہ ہندو دوبارہ بازار میں آیا عورت سے کہنے لگا کہ اپنا سوت لے لے اور قیمت دے کر دے۔ عورت نے کہا کہ میرے پاس اب قیمت کہاں سے آئی۔ میں تو غریبہ ہوں۔“

کو محتاج ہوں اسی سوٹ کو پیکر بیکل بہر اوقات کرتی ہوں۔ ملاوہ اس کے تمام دنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ جو ٹھیکس آج ایک چیز خریدے تو ایک مہینہ کے بعد اس کی قیمت وہیں نہیں ہوتی ہے۔ ہندو اس جواب سے مار سے غصہ کے آپس سے باہر ہو گیا اور عورت کو گالیاں دینے لگا۔ عورت نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس پر اس ہندو نے پیر سے جو نہ نکال کر کئی ہاتھ عورت کے سر پر مار دئے۔ عورت مذکورہ اپنے سر و سینہ کو بیٹھتی ہوئی احمد خاں کے پاس آئی اور کہا کہ محمد خاں کو اگر خدا تیری بجائے لڑکی دیتا تو خوب ہوتا اور لعنت ہے اس بگڑی پر جو تو باندھے ٹھیک ہے محمد خاں آفریدی کی بیوی کو ایک معمولی ہندو سپاہی نے گالیاں دی ہیں اور سر کو جوتیوں سے ٹوڑا ہے۔

احمد خاں نے شرم سے اپنا سر جھکا لیا اور وزناک نہ کچھ کھایا نہ پیا اور ہر روز رات کو روتے روتے صبح کر دیتے تھے نیرے دن یہ واقعہ رستم خاں آفریدی کو از اول تا آخر سنایا۔ رستم خاں نے کہا کہ اگر آپ ارادہ کریں تو بندہ دل و جان سے حاضر ہے اور کثیر روپیہ فراہمی فوج کی غرض سے احمد خاں کی خدمت میں پیش کیا۔ احمد خاں رستم خاں کی اس ہمدردی سے بہت خوش ہوئے اور آئندہ بغیر ایک منٹ ضائع کئے ہوئے پوری تندہی کے ساتھ اپنی قوت کو بڑھانے میں مصروف ہو گئے۔

ایک ہندو ملازم کی وفاداری سے والدہ	ادھر بی بی صاحبہ کے ابام اسیری میں ان کے
احمد خاں کی رہائی	ایک وفادار ہندو ملازم نے جس کا نام چھٹارائے

تھا۔ دیوان نول رائے کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس پر اپنا پورا اعتبار قائم کر لیا۔ ایک روز جبکہ دیوان مذکور شراب کے نشہ میں ہوش و حواس کھوئے ہوئے بیٹھا تھا۔ صاحب رائے اس سے بی بی صاحبہ کے فرخ آباد جانا کا اجازت نامہ لکھا اگر محافظوں کے پاس بھجوا دیا اور ساتھ ہی بی بی صاحبہ کو بھی کلا بھیجا کہ فوراً سوار ہو کر روانہ ہو جائیں۔ بی بی صاحبہ اسی وقت ایک تیز رفتور سوار ہو کر صبح تک منو پہنچ گئیں۔ صبح کو جب نول رائے بوجھ باریک ہو کر اپنی

نخلت پر نادم ہوا۔ اور صفدر جنگ کو اس امر کی اطلاع کی صفدر جنگ نے حکم دیا کہ فوراً متوجہ کر
بی بی صاحبہ۔ احمد خاں بنگش اور ان کے دوسرے لواحقین کو مقید کر کے اودھ لے آوے۔

صفدر جنگ کے نائب نول رائے کی بموجب حکم نول رائے کی کثیر التعداد سپاہ کے ساتھ متوجہ
احمد خاں سے جنگ کو روانہ ہوا۔ اور وہاں کے رئیسوں کو کھلا بھیجا کہ بی بی

صاحبہ اور احمد خاں کو اس کے حوالے کر دیں۔ متوجہ رئیسوں نے بی بی صاحبہ کو نول رائے
کے حوالے کر دینا غیرت افغانی سے بعید جانا اور کم دیا کہ جب تاک جان میں جان باقی ہے ان
لوگوں کو ہرگز تیرے سپرد نہ کر میں گے اور احمد خاں کو اپنا سردار بنا کر جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔
اس وقت احمد خاں نے رستم خاں کو عمدہ بخشی گری پر سرفراز کیا اور مشکل دس بارہ ہزار پیادہ
دسوار افغانوں کی جمعیت فراہم کر کے متوجہ سے چھ سات کوس آگے بڑھ کر اس راستہ پر جہاں
سے نول رائے کی فوج گزرنے والی تھی قیام کیا۔ جس وقت نول رائے کی چالیس ہزار فوج
اور ایک بھاری توپ خانہ احمد خاں کے کیمپ کے قریب آ گیا اور دوسرے روز صبح کو جنگ ہونے
والی تھی تو احمد خاں نے رستم خاں اور متوجہ کے دوسرے رئیسوں کو جمع کر کے یہ حکم دیا کہ کل صبح اس
سے قبل کہ نول رائے اپنی صفوں کو سیدھا کرے ہمیں اپنی پوری جمعیت کے ساتھ رات کے
تین بجے فینیم پشخون مارنا چاہئے تاکہ نول رائے کو اپنی فوج اور توپ خانے کو ترتیب دینے کا
موقع نہ مل سکے۔

نول رائے کا مقتول ہونا اپنے سردار کے اس حکم کی سب نے تعریف کی اور دوسرے روز
احمد خاں کا فرخ آباد پہنچنے طلوع آفتاب سے بہت قبل افغانوں نے نول رائے کے لشکر

پر حملہ کر دیا۔ نول رائے اس وقت اپنے پوجا پاٹ میں مصروف تھا۔ افغانوں کے حملہ کی خبر سننے کے
باوصف غم نہ ہوا۔ اور کمال غرور یہ خیال کیا کہ افغان بھاگ رہے ہیں۔ اُس کی اس بے پروائی
کا نتیجہ یہ ہوا کہ افغان بغیر کسی روک ٹوک کے اُس کے لشکر میں گھس آئے اور اپنے دشمنوں کو قتل
کرنے میں مصروف ہو گئے۔ جب نول رائے کے لشکر میں سخت شور و غوغا بلند ہوا تو اس وقت

نول رائے ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے ڈیرے سے روانہ ہوا۔ تھوڑی راہ طے کرنے پایا تھا کہ افغان اس سے
 بچھڑ گئے اور مردانہ وار اس پر جھپٹ پڑے۔ اس کی سواری کے ہاتھی کو اپنے درمیان میں لے
 لیا اور تھوڑی دیر میں ہاتھی کے حوضہ کو اپنے سروں پر اٹھا کر نول رائے کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے
 کر دئے۔ سردار کے مارے جانے سے لشکر کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ اور تمام پیادہ و سوار نے قحشا
 فرار ہو گئے۔ نول رائے کی شکست احمد خاں کی ایسی زبردست کامیابی تھی جس کا کسی کو خیال
 و گمان بھی نہ تھا۔ اس لڑائی سے احمد خاں کو نول رائے کا تمام مال و اسباب۔ سامان جنگ
 توب خانہ۔ بے شمار ہاتھی اور گھوڑے ہتھ لگے جن سے ان کا جملہ سامان امارت مہیا ہو گیا۔ اور
 ان کے لشکر کے مفلس لوگ نہایت متمول اور آسودہ حال بن گئے۔ اس فتح کے حاصل ہونے
 کے بعد احمد خاں کامرانی و ستادمانی کے ساتھ فرخ آباد میں داخل ہوئے اور فوج کو فراہم
 کرنے نیز اپنے ملک موروثی کو اپنے قبضہ میں لانے کی فکر میں مشغول ہو گئے۔

صفدر جنگ کی فرخ آباد پر صفدر جنگ کو نول رائے کی شکست اور اس کے مقتول ہونے
 دوبارہ فوج کشی کی خبر ہوئی تو نہایت غضب ناک ہوئے۔ اور احمد خاں سے
 انتقام لینے کے لئے ۲۳ جولائی ۱۷۵۷ء کو انتی ہزار فوج کے ہمراہ فرخ آباد کی دوبارہ فتح کے
 لئے روانہ ہوئے۔ اس وقت ان کے ہمراہ نامور امرا شاہی مثل نجم الدولہ اسحاق خاں۔ ایک
 بہت بڑا توپ خانہ اور سورج مل جاٹ والے بھرت پور تیس ہزار فوج کے ساتھ تھے۔ احمد خاں
 نے بھی اس غیر کو شکر مقابلے کے لئے اپنی فوج بڑھانا شروع کی۔

نواب احمد خاں کا حافظ الملک سے اس وقت احمد خاں کی والدہ بی بی صاحبہ کو حافظ الملک
 طالب امداد ہونا کا وہ وعدہ امداد و اعانت یاد آیا جو قائم خاں کے انتقال

کے بعد کیا گیا تھا۔ چنانچہ منو کے رئیسوں کے مشورہ سے ایک معتمد کو سیف بن کر حافظ الملک کے
 پاس روانہ کیا۔ اور مدد کی درخواست کی۔ حافظ الملک نے بی بی صاحبہ کی مظلومی پر رحم کر کے
 اور قوم افغان کے تنگ و ناموس کا خیال کر کے پرمول خاں۔ دور خاں اور دوسرے جمداروں

چیدہ سپاہ کے ساتھ نواب احمد خاں کی کمک کو روانہ کیا۔ اور اپنے مجھے بھی بریلی سے باہر
فرخ آباد کی طرف قائم کرنے کا حکم دیا۔ اور صفدر جنگ کے فرخ آباد پہنچنے کی خبر متحقق ہونے کا انتظار
کرتے گئے۔ صفدر جنگ کو جب خبر ملی کہ روہیل کھنڈ سے مدد آ رہی ہے تو بر سرعت تمام شب و روز
کو چ کرتے ہوئے فرخ آباد کے قریب پہنچ گئے۔ احمد خاں نے جنگ میں دیر کرنا مناسب نہ سمجھی
اور مع فوج شہر سے باہر نکل کر صفدر جنگ کی فوج سے چند کوس کے فاصلے پر قیام کیا دوسرے روز
تقریباً بیس ہزار پیادہ و سوار کی جمیعت کے ساتھ نواب احمد خاں اور آگے بڑھ کر حریف کے مقابل
آہستہ سے دوسری صبح کو صفدر جنگ لڑائی کے ارادے سے بمقام چٹوئی متصل سہاؤ و صف آرا
ہوئے۔ لشکر ہراول کو اسحاق خاں کے سپرد کیا۔ اور توپ خانہ کا ایک بہت بڑا حصہ سورج مل
کو دیکر آگے بڑھایا۔ احمد خاں نے اپنی فوج کے دو غول بنائے۔ ایک غول کو رستم خاں
بخشی کی ماتحتی میں سورج مل جاٹ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا اور دوسرے غول کو جس میں سہا اور
فرخ آباد کے اکثر رئیس تھے اور روہیل کھنڈ کی امدادی فوج تھی جو دور و ز پیلے آگنی تھی قلب
سپاہ میں خود اپنے ساتھ لے کر صفدر جنگ کے مقابلہ کے لئے جم گئے۔

روہیلوں کی امداد سے دوڑوں غولوں نے امداد و عنایات آگنی پر بھروسہ کر کے اور فائزہ خیر
نواب احمد خاں کی فوج سے پڑھ کر اپنے اپنے گروہ مخالف پر حملہ کر دیا۔ رستم خاں نے افغانان کو
کی فوج کے ساتھ سورج مل کے توپ خانہ پر حملہ کیا اور بہت کچھ دلیرانہ کارناموں کے بعد عین
موقع جنگ پر مقتول ہو گیا۔ رستم خاں کے مقتول ہونے سے اس کی ماتحت فوج بھی سپا
ہو گئی۔ جب ہراول نے اس عادتہ کی خبر احمد خاں کو پہنچائی تو انھوں نے نہایت استقلال
اور حاضر و غای سے کام لیا۔ اپنی فوج سے لٹکا کر کہا کہ اے بہادر و رستم خاں نے اپنے حریف
سورج مل کو شکست دیدی لیکن تم ابھی تک اپنے حریف کو مقابلہ سے نہیں ہٹا سکے ہو۔ یہ بات
تھامی غیرت افغانی سے بہت بعید ہے۔ یہ کمزوری الفور اپنی پالکی کو توپ خانہ کے مقابل کر کے
آگے روانہ ہوئے۔ احمد خاں کے الفاظ سن کر تمام فوج میں جوش پیدا ہو گیا اور اس نے تہہ کر کے

اسحاق خاں کے ہراول فرج کو گروہ برد کر دیا۔ اسحاق خاں بھی مقتول ہوا اور اس کے توپ خانہ پراخانوں کا قبضہ ہو گیا۔

صفر جنگ کی شکست فاش
اور بھروسہ ہونا

اسی حملہ میں ہندو کی ایک گولی صفر جنگ کی گردن پر لگی جس کے صدمہ سے وہ بیہوش ہو گئے اور باقی کے حوضہ میں گر گئے۔ صفر جنگ کے ساتھی انہیں حوضہ میں نہ دیکھ کر ان کے مقتول ہونے کا قیاس کر کے نئے تھا بھاگ پڑے۔ اغلب تھا کہ اس موقع پر صفر جنگ کا باقی گرفتار ہو جانا۔ لیکن جگت نرائن فیمل نے بڑی پامردی کا ثبوت دیا اور باقی کو اس ہنگامے سے بحال کر دہلی کی راہ لی۔ صفر جنگ کے اس طرح چلے جانے کے بعد سورج مل نے بھی جو رستم خاں پر غالب آ گیا تھا بدو اس ہو کر راہ گریز اختیار کی۔ اس غیر متوقع اور خداوندی فتح کے صورت پذیر ہونے پر احمد خاں نے میدان جنگ میں فتح کے شادیانے بجاوائے۔ اور بے شمار مال غنیمت لیکر بڑی دھوم دھام کے ساتھ فرخ آباد کو واپس آئے۔ احمد خاں نے حافظ الملک کے بیٹھے ہوئے محمد اروں کو جنہوں نے اس معرکہ میں بہت سعی و کوشش کی تھی۔ فیمل واسپ اور نقد و جنس مرحمت فرما کر رخصت کیا اور شکر گزاری کا ایک خط حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کیا جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اب میرا ارادہ اودھ جانے کا ہے اگر آپ اپنی فرج کو خیر آباد تاک جو آپ کے ملک کی سرحد پر روانہ فرمائیں تو میں مناسب ہو گا۔ یہ خط حافظ الملک کو ملتا تو انہوں نے اس کی تعمیل میں شیخ کبیر اور پرہیز خاں کی ماتحتی میں کافی فرج شاہ آباد اور خیر آباد کو روانہ کی اور ان مقامات پر اپنا قبضہ کر لیا۔ احمد خاں کچھ دنوں فرخ آباد میں قیام کرنے کے بعد پہلے الہ آباد کے تغیر کرنے کے ارادے سے روانہ ہوئے ہاں ان کے بہت سے عزیز قید تھے۔ اور اپنے لڑکے محمد خاں کو اودھ فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جس نے کھنؤ پقبضہ کر لیا۔ اور خود احمد خاں قلعہ الہ آباد کا محاصرہ کر کے اسکو فتح کرنے میں مشغول ہو گئے۔ یہ خبر سن کر صفر جنگ نے دہلی سے الہ آباد کے قلعہ دار کو لکھا کہ احمد خاں کے تمام مرستہ داروں اور غلاموں کو جو قلعہ میں مقید ہیں قتل کر دے۔ قلعہ دار نے حسب حکم

ان سب نے گناہ کو بھیر بکریوں کی طرح ذبح کر دیا۔ اس واقعہ سے احمد خاں کو قطعہ الہ آباد کی تیج کی اور بھی کاوش بڑھ گئی لیکن چونکہ قلعہ بہت مضبوط تھا اس لیے فتح نہ ہو سکا۔ اور محاصرے کی مدت نے بہت طول کھینچا۔ اس عرصہ میں صفدر جنگ کا زخم بھر گیا اور انھوں نے چاہا کہ احمد شاہ بادشاہ دہلی کو ہراہ لیکر احمد خاں سے انتقام لیں۔ لیکن بادشاہ کے انکار کے باعث یہ امر صورت پذیر نہ ہوا۔ تب صفدر جنگ نے اپنے وکیل محل کشنور کو ملہار راؤ بھکرا اور پابیندھیہا سردار ان مرہٹہ کے پاس بھیجا اور زکشیرونا قبول کر کے ان کو اپنی مدد کے واسطے طلب کیا۔ بھکرا اور بیندھیہا عند الطلب نے شارجہ کی لیکر صفدر جنگ سے اتحاد عمل کرنے کو روانہ ہو گئے اور بس عت تمام شاہ ۱۷۵۱ء میں اٹاواہ میں داخل ہو گئے اس وقت اٹاواہ میں اعظم خاں برادر احمد خاں اور شاہ دل خاں غلزنئی حکم تھے جو مرہٹوں سے مقابلہ نہ کر سکے اور فرخ آباد روانہ ہو گئے۔ احمد خاں نے اٹاواہ پر مرہٹوں کے غلبہ کی خبر سنی تو قلعہ الہ آباد کے محاصرہ سے دست بردار ہو کر فرخ آباد کو واپس آ گئے۔ اپنے لڑکے محمد خاں کو بھی لکھنؤ سے طلب کر لیا اور دونوں باپ بیٹے مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سلمان جنگ کی فراہمی میں مشغول ہو گئے۔

(۱۴)

حافظ الملک کی ٹڈی بھڑی مرصٹوں سے اور ملک میں بدنامی

صفدر جنگ کو مرصٹوں کے اٹاواہ پر قبضہ کی خبر معلوم ہوئی تو خود بھی بڑے بڑے امرائے
دربار اور شاہی توپ خانہ کے ساتھ فرخ آباد کی طرف کوچ کیا۔

صفدر جنگ اور مرہٹوں کا
فرخ آباد پر حملہ

ہزار توپوں کے ساتھ آ رہے ہیں تو فرخ آباد میں اپنا قیام مناسب نہ جانا
اور وہیل کھنڈ کو اپنی جائے پناہ خیال کر کے سامان سفر میں مشغول ہوئے۔ اس وقت حافظ الملک
بریلی میں اور نواب سعد اللہ خاں آنولہ میں قیام فرماتھے۔ جب مرہٹہ فوج کی فرخ آباد پر حملہ کی
خبر مشہور ہوئی تو نواب علی محمد خاں کا ایک چیلہ جس کا نام بہادر خاں تھا بغیر مشورہ حافظ الملک
سعد اللہ خاں کو ہمراہ لے کر بارہ ہزار فوج کے ساتھ آنولہ سے نکل کر نواب احمد خاں کی مدد کے لئے
فرخ آباد کو روانہ ہو گیا۔ اس واقع سے مطلع ہو کر حافظ الملک آنولہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں
دونوں سے خاں اور بخشی سردار خاں وغیرہ سرداروں کو جمع کر کے مرہٹوں اور صفدر جنگ سے صلح
یا لڑائی کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔ اس عرصہ میں نواب سعد اللہ خاں لیغاب کر کے موقع جنگ پر
پہنچ گئے۔ اور مرہٹہ فوج سے جو ستہ راہ تھی جنگ کی۔ لیکن شکست ہوئی اور بہادر خاں چیلے کے
مقتول ہوئے اور فوج ہمارا ہی کے مجروح ہونے پر معرکہ جنگ سے واپس ہو کر آنولہ آ پہنچے۔

نواب احمد خاں کا حافظ الملک کے
پاس پناہ لینا

چار روز کے بعد احمد خاں بھی بی بی صاحبہ اور دوسرے متعلقین
کے ساتھ آنولہ آ گئے۔ صفدر جنگ فرخ آباد میں داخل ہوئے

اور وہاں سے روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے کے قصد سے گڈگا کے کنارے اپنے خیمے کھڑے کرنے کا حکم دیدیا۔ جب آؤلہ میں اس امر کی اطلاع ہوئی تو روہیل کھنڈ اور فرخ آباد کے جملہ سرداروں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اول اپنے اپنے متعلقین کو دامن کوہ کمایوں میں مجتمع کاشی پور پہنچا دینا چاہئے اور اس کے بعد دشمن کی مدافعت اور جنگ میں مشغول ہونا چاہئے لہذا بے عجلت تمام افغان اپنے اپنے بال بچوں کو کاشی پور پہنچانے چلے گئے اس انتشار میں یہ معلوم ہوا کہ موسمِ برسات کے باعث صفدر جنگ فرخ آباد میں قیام کریں گے اور گڈگا کو عبور نہ کریں گے۔ اس خبر کو سن کر تمام سردارانِ روہیل کھنڈ اور فرخ آباد کاشی پور سے آؤلہ میں واپس آگئے۔ برسات ختم ہوئی تو صفدر جنگ اور مرہٹوں نے دریا عبور کرنے کے لئے کشتیاں اکٹھی کیں اور دو تین جگہ پہنچا لئے۔

صفدر جنگ اور مرہٹوں کا روہیل کھنڈ پر حملہ
حافظ الملک سے جنگ

پچیس ہزار فوج مرہٹہ سے جو دریا پار کر چکی تھی جنگ فراولی شروع کر دی اور پہلے کے قریب پہنچ کر باقی مرہٹہ فوج کو دریا عبور کرنے سے روک دیا۔ مرہٹوں نے جب دیکھا کہ ان کی بقیہ فوج کا پہل سے عبور کرنا غیر ممکن ہے تو اپنی کشتیاں چار کوس کے فاصلہ پر لے گئے اور یہ قصد کیا کہ وہاں سے گذر کر بغیر جنگ و جدل روہیلوں کے صدر مقامات آؤلہ اور بریلی پر حملہ کریں۔ تاکہ روہیلے اپنے عیال و اموال کی حفاظت کی غرض سے آؤلہ اور بریلی کی طرف رخ کریں۔ مرہٹوں کے اس اقدام کی خبر جاسوسوں کے ذریعہ روہیلوں کو ہوئی تو وہ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کو مفہم جان کر بے عجلت تمام خطرہ کے مقامات کی طرف متوجہ ہوئے اور مزید احتیاط کے طور پر اپنی فوج کو بھی باقاعدہ ترتیب دینے لگے۔ انھوں نے اپنے بیہمنہ۔ بیسرو۔ مقدمہ اور ساٹھ لشکر کو مرتب کیا نیز اردو اور قلب لشکر کو درمیان میں لیکر اپنی جائے قیام سے میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حافظ الملک اور احمد خاں کے کوچ کی خبر صفدر جنگ کو ملی تو فوراً دریا عبور کر کے

ہالیتس ہزار کی جمعیت سے ان کا تعاقب کیا اور اثناء راہ میں افغانوں کو روک کر ان پر متواتر حملے کئے۔ لیکن افغان منتشر نہ ہوئے اور ان کی دلیری سے دشمن کی کچھ پیش نہ گئی۔ افغانوں کی اس مضبوطی سے صفدر جنگ اور رہٹوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ مزید تعاقب سے باز رہے اور اپنی باقی ماندہ فوج کے انتظار میں میدان جنگ میں بیٹھے لگا کر پیغم ہو گئے۔ محافظ الملک اور احمد خاں نے اس روز پانچ کوس کے فاصلہ پر اپنے ڈیرے ڈالے اور دوسرے دن بدستور سابق اپنی فوج کو ترتیب دیکر روانہ ہو گئے اور کوچ کوچ کرتے ہوئے آؤلہ پہنچ گئے۔ وہاں سے کل سباب نقد و جنس اور اہل و عیال کو ہمراہ لے کر باطینان تمام کیتھل اور چلکیا کی طرف چل دئے۔ وہاں پہنچ کر اپنے عیال و اموال کو محفوظ کیا اور سختی مورچے لگائے۔ چلکیا پانچ کوس اونچا کوہ کمایوں پر ایک موضع تھا جس کے دامن میں ہولناک جنگل تھا۔ اس جنگل میں بکثرت گھنے درختوں کے علاوہ ندی نالوں کی اس قدر کثرت تھی کہ ان سے کسی فوج کا گذر قریب قریب ناممکن تھا۔ صفدر جنگ اور ملہار راؤ ہلکرا اپنی فوج کے جمع ہو جانے کے بعد جس کی تعداد اس وقت ایک لاکھ تیس ہزار تھی میدان جنگ میں سات روز قیام کرنے کے بعد افغانی لشکر کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور اثناء راہ میں آؤلہ، بریلی اور مراد آباد میں اپنے ٹھکانے قائم کرنے ہوئے چلکیا کے نواح میں پہنچ گئے۔ وہاں جا کر ایک حصار قائم کیا اور افغانوں کے شب خون کے خوف سے اپنے لشکر کے گرد توپ خانہ لگا کر چار مہینے اس قلعہ آتشیں کے اندر بھناٹت تمام ہنا وقت صرف کر دیا۔ اس عرصہ میں دونوں طرف کے بہادر لوگ روزانہ حملے کرتے تھے۔ اور ہر جنگ میں افغان پیادے فوج مخالف کے سواروں پر غالب آ جاتے تھے۔ جب محاصرے نے طویل پکڑا تو افغانوں کے لشکر میں غلہ کی قلت محسوس ہونے لگی جب یہ قلت تکلیف کی حد تک پہنچی تو محافظ الملک نے غلہ کی ہم رسانی کی بابت الموڑے کے راہ کو کھاجس نے ہزاروں پہاڑیوں کے سروں پر غلہ رکھ کر افغانی لشکر میں روانہ کر دیا۔

پٹھانوں نے اس غلہ کو سن و سلویٰ تصور کیا اور غلہ کی ہم رسانی سے افغان فوج اس قابل ہو گئی

کہ برسوں فیئیم کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ لیکن اختلافِ آب و ہوا کی وجہ سے لمہار راؤ کے لشکر میں شدت کے ساتھ وبا پھیل گئی۔ اس حادثہ جانگزا کے وقوع سے لمہار راؤ محاصرے سے دل برداشتہ ہو گیا اور اس بات کا خواہاں ہوا کہ کسی جلد سے اس جنگل سے باہر نکل جائے۔ صفدر جنگ بھی احمد شاہ درانی کی آمد آمد کی خبر سن کر جو اس وقت لاہور تک آگئے تھے اس محاصرے سے دل تنگ ہو گئے۔ اور چاہا کہ افغانوں سے صلح کر کے دہلی واپس چلے جائیں۔ جب صفدر جنگ اور لمہار راؤ دونوں مصالحت کے خیال پر متفق ہو گئے تو علی قلی خاں کو سفیر بنا کر حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کیا اور پیام دیا کہ۔

صفدر جنگ کا مقصد اس جنگ سے آپ لوگوں کی نفع کنی نہیں ہے بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ لوگوں کے ساتھ اتحاد اور معاونت یک دگر کا ایک معاہدہ کر لیں اسلئے آپ لوگ کیوں محصور ہونے کی تکلیف اٹھا رہے ہیں؟

جنگ کے بعد صلح حافظ الملک اور نواب احمد خاں نے سفیر مذکور سے مصالحت آمیز باتیں کیں اور شرائط صلح کی تکمیل کی غرض سے حافظ الملک اور محمود خاں ابن نواب احمد خاں صفدر جنگ کے کیمپ کو روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر لمہار راؤ کے خیمہ میں اترے لمہار راؤ نے ان کا اعزاز و استقبال کیا اور سب اکٹھے ہو کر صفدر جنگ کے ڈیرے میں گئے۔ صفدر جنگ نے اپنے معتمد امر کو ان کے استقبال کے واسطے بھیجا اور خود بھی خیمہ کے دروازے تک آ کر حافظ الملک اور محمود خاں سے معافہ کیا اور دونوں کو اپنے قریب مسند پر بٹھا کر محبت آمیز باتیں کرنے لگے۔ ایک پہر تک یہ محبت جاری رہی۔ بالآخر اس شرط پر صلح ہو گئی کہ صفدر جنگ کو پچاس لاکھ روپیہ بطور خراج جنگ روپیہلوں کی جانب سے ادا کئے جائیں اور پانچ لاکھ روپیہ سالانہ شاہی خراج ادا کیا جائے۔ اس کے بعد حافظ الملک اور محمود خاں صفدر جنگ اور لمہار راؤ

سے رخصت ہو کر اپنی جائے قیام پر واپس آئے اور نواب احمد خاں اور دوسرے سرداروں کو گفتگوئے مصالحت سے مطلع کیا۔ صفدر جنگ کا تہی عہد نامہ بھی کھوکھو دکھایا۔ تمام لوگ صلح پر رضامند ہو گئے۔ اور عہد نامہ پر دستخط کر دئے۔ دوسرے روز حافظ الملک نے صفدر جنگ سے دوبارہ ملاقات کی اور دستخطی عہد نامہ کو واپس کیا جسے صفدر جنگ نے مرہٹوں کے سپرد کر دیا۔ تاکہ فوج کشی کے وقت جس قدر رقم کا اخفوں نے مرہٹوں سے وعدہ کیا تھا اس کے کچھ حصہ کی اس طرح ادائیگی ہو جائے۔ بعد ازاں حافظ الملک نے لشکر کے کوچ کرنے کے بارے میں بات چیت کی۔ صفدر جنگ نے کہا کہ میں کل اس جگہ سے اودھ کو روانہ ہو جاؤں گا اور آپ کو بھی شاہجہاں پور تک اپنے ہمراہ لیجا نا چاہتا ہوں تاکہ اس عرصہ میں آپ سے مجالست رہے۔ نواب احمد خاں اور دوسرے سرداران روہیل کھنڈ کو میرے لشکر سے دو تین منزل بعد اپنے اپنے وطنوں کو جانا چاہئے۔ حافظ الملک نے ان باتوں کو منظور کر لیا۔ اور اپنے ڈیرے میں واپس آئے۔ دوسرے روز صبح کو چار سو دمردانہ کے ساتھ حافظ الملک صفدر جنگ کے لشکر میں پہنچ گئے۔ اور وہاں سے ان کے ہمراہ اودھ کی جانب روانہ ہوئے۔ صفدر جنگ کے کوچ کرنے کے بعد نواب احمد خاں مع بی بی صاحبہ اور دوسرے سرداران روہیل کھنڈ بھی چلکیا تے نکل کر اپنے اپنے مقامات کو روانہ ہو گئے۔

حافظ الملک اور صفدر جنگ کے درمیان تجدید تعلقات کے واسطے مکلف کھانے بھیجتے تھے اکثر اوقات ساتھ کھانا

تناول کرتے اور نہایت گرم جوشی کا برتاؤ کرتے تھے کسی مرتبہ فرمایا کہ۔

”میں نے ولایت افغان کے لوگوں میں سے کبھی کوئی شخص اس لیاقت اور فہم کا نہیں دیکھا۔“

جب شاہجہاں پور پہنچے تو حافظ الملک نے صفر جنگ سے رخصت طلب کی لیکن صفر جنگ نے بہ اصرار تمام ان کو چند روز اپنے ساتھ بطور مہمان رکھا اور پہلے سے صد چند زیادہ الطاف و عنایات سے پیش آنے لگے۔ جب بات کرتے تو حافظ الملک کو لفظ برا در سے مخاطب کرتے۔ چنانچہ اس کے بعد جو رسل و رسائل ہوئے تو ان میں بھی یہی لقب سے مخاطب کیا صفر جنگ کا لاکھ تھبہ موہان میں پہنچا تو بہت سی گفت و شنید کے بعد حافظ الملک کو رخصت کیا اور بوقت رخصت خلعت گراں بہا۔ مالائے مروارید۔ جیغہ۔ بیش قیمت سرنج۔ شمشیر و سپر۔ اسپت مع زین نقرہ۔ قیل مع ساز نقرہ اور زر بفت کی بھول کے عطا کیا۔ ساتھ ہی سند پر گنہ سنبھل وغیرہ احمد شاہ کی طرف سے اور سند جاگیر متعلقہ پر مگر اپنی جانب سے حافظ الملک کو عنایت کی۔ حافظ الملک ان عنایات سے بہت ممنون و مشکور ہوئے اور صفر جنگ سے از سر نو تجدید تعلقات کر کے اوائل ۱۰۵۲ء میں روہیل کھنڈ تشریف لے آئے۔

مرہٹوں کے حملہ کی وجہ سے روہیل کھنڈ میں
عام تباہی

اس وقت نہایت اہم کام جو ان کے پیش نظر تھا وہ اپنا ملکی نظم و نسق تھا۔ کیونکہ مرہٹوں نے تمام روہیل کھنڈ کو تاخت و تاراج کر دیا تھا اور ملک میں عام بربادی پھیلی ہوئی تھی۔ مولف عمار السعادت لکھتا ہے کہ

”پٹھانوں کی لوٹ میں مرہٹوں کے ہاتھ دو کروڑ روپیہ لگے“

(۱۵) سردارانِ روہیلہ پر تقسیمِ ملک و حافظ الملک کی سیاسی غلطی

مرہٹوں کی تاخت و تاراج سے روہیلوں پر ایسی تباہی آئی تھی۔ کہ مستقبلِ قریب میں خوش حالی و کجا حکومت کا آمد و خرچ پورا ہونے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی تھی۔ اس لئے مجبوراً حافظ الملک نے بڑے بڑے رسالداروں اور سرداروں پر ملک تقسیم کر کے ان کی جائیداد قرار دیدیا تاکہ ہر ایک سردار اپنی جائیداد کی آمدنی سے اپنی سپاہ متعلقہ کا خرچ چلائے۔

پہلی تقسیم چنانچہ مراد آباد۔ سنہل اور کاشی پور وغیرہ دو ندے خاں کو دئے گئے۔ جن کے پاس بارہ ہزار سوار اور پیادے تھے۔ کوٹ وغیرہ آٹھ لاکھ کے مصارف بخشی سردار خاں کے سپرد کئے اور اسی طرح تھوڑا تھوڑا حصہ ملک فتح خاں خاناماں۔ شیخ کبیر اور ملا محسن وغیرہ رسالداروں اور جمعداروں کو ان کی سپاہ کے مصارف کے مطابق دیا گیا۔ باقی تمام ملک حافظ الملک نے اپنے ساتھ کی سپاہ کی تنخواہ دینے اور تمام ریاست کا خرچ چلانے کے لئے اپنے تصرف میں رکھا۔ نواب سعد اللہ خاں اور اکٹھے تین چھوٹے بھائیوں محمد یار خاں۔ الہ یار خاں اور مرتضیٰ خاں کے ذاتی مصارف کے لئے سات لاکھ روپیہ سالانہ اور ایک معقول جاگیر مقرر کی۔ نواب سعد اللہ خاں اور ان کے بھائیوں کے اس ذاتی تشاہرہ پر چونکہ اخراجات ریاست اور مصارف فوج کا کوئی بار نہ تھا۔ اس لئے وہ سب سے زیادہ نفع میں رہے۔ حافظ الملک کے مذکورہ بالا عطیات غلطی سے تمام لوگ مطمئن اور خوش و خرم ہو گئے۔ لیکن حافظ الملک کا یہ انتظام ایک بدبخت اور ناقابلِ تلافی سیاسی غلطی تھی جو آگے چلکر زوالِ سلطنت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ کاش حافظ صاحب نواب علی محمد خاں کی اس وصیت کو نظر انداز نہ فرماتے کہ۔

”جو لوگ امر حکومت کو چند لوگوں کے سپرد کر دیا کرتے ہیں اپنی ہیجیت کی بنا میں غفل اور

تو نزلِ ڈال دیتے ہیں۔“

چنانچہ آئندہ پیش آنے والے واقعات نے ثابت کر دیا کہ جس وقت تک حافظ الملک کے معتمد یا رانِ قدیم اور ساتھی ان عطا کردہ جاگیروں پر قابض رہے۔ انھوں نے کبھی حافظ الملک کی اطاعت گزاری اور ان سے اتحادِ عمل میں پہلو تہی نہیں کی۔ لیکن جب ان پرانے سرداروں کا انتقال ہو گیا تو ان کے خود سر جانشینوں نے اپنے بوڑھے آقا اور ولی نعمت حافظ الملک کی فرماں برداری سے سرتابی کی راہ اختیار کر لی اور آزاد و خود مختار ہونے کی تباہ کن کوشش میں اپنی قوم کو تباہ اور اپنے ملک کو طعمہٴ اغیار بنا دیا۔

عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں کی ہم کھ چکے ہیں کہ احمد شاہ درانی نے ۱۷۵۷ء میں ہندوستان قید سے رہائی۔ دوسری تقسیم پر حملہ کیا تھا۔ اور ولایت کو واپس ہوتے وقت قلعہ سرہند سے

عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں پسرانِ نواب علی محمد خاں کو اپنے ہمراہ قید کر کے قندھار لے گئے تھے۔ جب سے یہ لوگ شاہ درانی کے پاس تھے۔ حافظ الملک ہمیشہ ان کی رہائی کے لئے احمد شاہ درانی کی خدمت میں درخواستیں بھیجتے رہے۔ اس سال یعنی ۱۷۵۸ء میں جب احمد شاہ درانی دوبارہ ہندوستان پر حملہ آور ہو کر لاہور تک آئے۔ تو ان ایام میں حافظ الملک نے اپنی اطاعت گزاری اور عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں کی رہائی کے بارے میں ایک تازہ درخواست شاہ درانی کی خدمت میں ارسال کی۔ چونکہ شاہ موصوف عنقریب پھر ہندوستان پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور ان کو روہیلوں کی امداد کی ضرورت تھی اس لئے ان کو ممنون و مشکور کرنے کے لئے انھوں نے اس مرتبہ حافظ الملک کی درخواست منظور فرمائی اور عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں کو روہیل کھنڈ واپس جانے کی اجازت دیدی۔

عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں کی رہائی کی مذکورہ بالا وجہ بالکل قرین قیاس معلوم ہوتی ہے اور اس کے مقابلہ میں مولف فرح بخش کی بیان کردہ یہ وجہ رہائی دور از قیاس معلوم ہوتی ہے۔ کہ

”شاہِ درانی نے محض نواب علی محمد خاں کے انتقال کی خبر سن کر بعض معاصروں کی سفارش سے ان دونوں بھائیوں کو خصمت کر دیا۔“

کیونکہ جس وقت عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں غازی ہندوستان ہوئے ہیں تو نواب علی محمد خاں کے انتقال کو تین سال گزر چکے تھے اور اس قدر طویل مدت تک اس واقعہ کی خبر قندھار تک نہ پہنچا تو قریب قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ شاہِ درانی نے نواب علی محمد خاں کے لڑکوں کو محض اس وجہ سے رہائی دی۔ کہ ان کے اس فعل سے روہیلوں سے دوستی کا ایک ذریعہ پیدا ہوتا تھا۔ جس کی انھیں بہت عرصہ سے خواہش تھی۔ چنانچہ ہیں یا وہی کہ اپنے پہلے حملہ کے موقع پر بھی احمد شاہِ درانی نے نواب علی محمد خاں سے امداد طلب کی تھی۔ اور اس کے بدلے میں وزارتِ ہندوستان کا وعدہ کیا تھا۔ الغرض عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں دونوں بھائی نہیں داخل ہوئے تو ان کی آمد کی خبر سن کر حافظ الملک اور نواب سعد اللہ خاں ایک معقول لشکر کے ساتھ ان کے استقبال کے لئے روانہ ہوئے۔ قصبہ امر وہمہ کے پاس ملاقات ہوئی اور سب لوگ خوشی خوشی ان کو دار الحکومت آنولہ میں لائے۔

عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں آنولہ پہنچے تو عبداللہ خاں جو سب بھائیوں میں بڑے تھے یہ دیکھ کر آنشِ حد سے بھرپور اُٹھے کہ ان کے ایک چھوٹے بھائی نواب سعد اللہ خاں باپ کے جانشین بنے ہوئے ہیں۔ حافظ الملک نے ان کے یہ جذبات دیکھ کر ان کی نہایت دلہ اندری کی اور ان کے حق میں بہت کچھ مراعات ملحوظ رکھیں۔ لیکن عبداللہ خاں مطمئن نہ ہوئے اور اپنے ایک مصاحب قطب شاہ کے اغوا سے جو بڑا متفنی شخص تھا اور جو دور ان سفر میں پنجاب سے عبداللہ خاں کا رفیق بن گیا تھا۔ ریاست کے لالچ میں ایسی ایسی حرکتیں کرنا شروع کیں جس سے اُن کی تمام دوسرے بھائیوں سے ناچانی ہو گئی۔ آپس کا نزاع روز بروز بڑھنے لگا۔ اور دشمنی اس درجہ بڑھی کہ ہر ایک ایک دوسرے کی بے حرمتی کی فکر کرنے لگا۔ حافظ الملک نے یہ کیفیت دیکھ کر بہت کوشش کی کہ سب بھائی اتحاد و اتفاق سے رہیں۔

لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر ایک روز دوندے خاں۔ بخشی سردار خاں۔ فتح خاں خاں۔ عبدالستار خاں۔ سید احمد شاہ۔ سید مصوم شاہ۔ قطب شاہ۔ بڈو خاں شیخ مجیر ملاحسن خاں۔ پرمول خاں۔ مہارز خاں۔ دیوان مان رائے اور راجہ کنور سین بخشی کو اس صورت حال پر شورہ کرنے کے لئے طلب کیا اور سب لوگوں نے اولاً تو اس امر پر غور کیا کہ سب بھائیوں میں کسی طرح میل ہو جائے اور جہاں تک ہو سکے ملک تقسیم ہو کر برباد نہ ہو۔ لیکن جب یہ صورت ناقابل عمل ثابت ہوئی تو سب بھائیوں پر ملک تقسیم کر دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ تقسیم کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ملک کے تین حصے کر کے ایک ایک حصہ عبداللہ خاں۔ فیض اللہ خاں اور سعد اللہ خاں کو دیا گیا۔ چونکہ یہ تینوں بھائی اب جوان تھے اس لئے ان بڑے بھائیوں کی سرپرستی میں ان کے ایک ایک ایسے چھوٹے بھائی کو بھی سپرد کیا گیا جو کم سنی کے باعث ملحدہ و عیسیٰ پرستیں حاصل کرنے کے لائق نہ تھے۔ اس طریقہ کار پر تمام بھائیوں اور سرداروں کا اتفاق ہو گیا۔ تو حافظ الملک نے کمال فراخ دلی اور ایثار۔ آئولہ۔ منونہ۔ دیالوں۔ اوسمت اور کوٹ وغیرہ ۳۱ لاکھ روپیہ کی آمدنی کا علاقہ نواب عبداللہ خاں کو دیا اور تفضی خاں کو تربیت کے لئے ان کے سپرد کیا۔ بریلی اور اہرات وغیرہ کا علاقہ نواب فیض اللہ خاں کو دیا اور محمد یار خاں کو ان کے ساتھ کیا۔ اور مراد آباد وغیرہ کا ۱۳۱ لاکھ روپیہ کا علاقہ نواب سعد اللہ خاں کو دیا اور صاحبزادہ الہ یار خاں کو ان کا شریک کیا۔ یہ تقسیم اس وقت تمام بھائیوں کی رضامندی سے ہوئی اور سب نے ائمہ اس سے اعتراف نہ کرنے کا ایک اقرار نامہ لکھ دیا جس پر تمام سرداروں نے بھی اپنی مہر میں ثبت کیس اور دستخط کئے۔

اس کے بعد نواب سعد اللہ خاں مراد آباد کو روانہ ہو گئے اور وہاں راجہ کنور سین کی عالی شان حویلی میں اترے اور نواب فیض اللہ خاں اور نواب عبداللہ خاں آئولہ میں نواب

علی محمد خاں کے قلعہ میں رہنے لگے۔ نواب سعد اللہ خاں کے مراد آباد پہلے جلتے اور بعد اللہ خاں کے دار الحکومت آنولہ میں قیام پذیر ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ اس موقع پر نواب سعد اللہ خاں اپنے والد کی جانشینی سے بھی دست بردار ہو گئے اور سندِ حکومت روہیل کھنڈ نواب عبداللہ خاں کے لئے خالی کر دی۔

مذکورہ بالا تقسیم اور ملکی انتظام پر حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے تمام مخالف مورخین مثل سر جان اسٹرنجی اور مولوی نجم الغنی خاں رامپوری وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ۔
”حافظ رحمت خاں کو اپنی حکومت اور اقتدار کا برباد کرنا بخشی خاطر منظور نہ تھا۔ مگر عبوراً مصطفیٰ وقت کا لحاظ کرنا ضرور تھا اس واسطے ملک کی تقسیم جان بوجھ کر اس طریق سے کی گئی کہ انجام کار نقیض و فساد برپا ہو اور حکومت آئندہ کا حافظ صاحب ہی کے ہاتھ میں رہے۔ یعنی تمام ملک کے تین حصہ کر کے ایک ایک حصہ دو۔ دو بھائیوں کے قبضہ میں سپرد کیا گیا۔“

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حافظ الملک نے از خود کوشش کر کے عبداللہ خاں اور فیض اللہ خاں کو اسرار شاہ و درانی کی قید سے رہائی دلا کر روہیل کھنڈ میں بٹلایا تھا۔ جو اس امر کا گھٹا ہوا ثبوت ہے کہ وہ ان بھائیوں کے دل سے خیر طلب تھے اور یہ چاہتے تھے کہ وہ آئیں اور کسی ایک بھائی کی سرداری پر اتفاق کر کے حکومت روہیل کھنڈ میں حصہ لیں۔ ذاتی اقتدار اور ذاتی حکومت کی انھیں نہ اس وقت ہوس تھی جب انھوں نے سرداری کی پگڑی اپنے سر سے اتار کر سعد اللہ خاں کے سر پر رکھ دی تھی اور نہ اب بھی جبکہ ان کا آفتاب اقبال نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا اور تمام روہیلہ قوم اور چھوٹے بڑے سرداران کے ایک اشارے پر جان دے سکتے تھے۔ تاہم حافظ الملک نے ملک کو نواب علی محمد خاں کی اولاد پر تقسیم کیا۔ اور اپنے مرحوم دوست کی اولاد سے اپنے مربیانہ تعلقات اور مخلصانہ محبت کا ثبوت دے دیا۔ رہا یہ امر کہ حافظ الملک نے ملک کے تین ٹکڑے کیوں کئے اور دو دو بھائیوں کو یکجا فی ریاست کیوں دی

جس سے آئندہ فساد برپا ہوا تو اس کو ان کی ایک نادانستہ سیاسی غلطی سے توجہ دیا جاسکتا ہے لیکن حافظ الملک جیسی وفا شعار ہستی کی کسی بدینتی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ نواب علی محمد خاں کی اولاد میں نا اتفاقی اس تقسیم ملک سے قبل ہی پیدا ہو چکی تھی۔ اس لئے اگر بعد کو بھی آپس میں جنگ ہوئی تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے دو دو بھائیوں کو یکجا کرنے کی وجہ بھی ہم کھ چکے ہیں کہ محض تین بھائیوں کی صغر سنی کی وجہ سے ان کو ایک ایک بڑے بھائی کی سرپرستی میں دینا منظور تھا۔ افسوس ہے کہ بعض مورخین نے اپنے اپنے مخصوص نقطہ نظر کو تفویت دینے کے لئے حافظ الملک کے بکثرت بے خطا کاموں پر بغیر کسی ثبوت کے بدینتی کے الزامات تراش دئے ہیں تاکہ ان کے کریم کا ارتقا ہوا اور آئندہ نسلوں کی نظر میں ان کی وہ شخصیت نہ قائم ہو سکے جس کے وہ تھی تھی۔ لیکن حق دبانے سے نہیں دبتا ہے۔ حق تناس مورخین جو چاہیں لکھیں۔ عوام الناس کی نظر میں اب بھی حافظ الملک کی وہی حیثیت ہے جو اب سے ڈیڑھ سو سال پہلے تھی اور سرزمینِ روہیل کھنڈ میں آج بھی گھر گھر ان کا نام عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

گر نہ بیند بروز شہرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

عبد اللہ خاں اور فیض اللہ خاں میں نا اتفاقی	نواب عبد اللہ خاں سندھ حکومت پر متمکن ہوئے
حافظ الملک کو قتل کرنے کی کوشش	تو تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی سخت گیری اور بد
ملک کی تیسری تقسیم	مزاہی سے اپنے متعلقین اور سردارانِ قوم کے

دلوں میں ناسور ڈال دئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اور ان کے شریک ریاست بھائی مرہٹوں خاں کے رفیق اور مصاحبوں میں آئے دن فساد ہونے لگے۔ شہر کے گلی کوچوں میں ہر روز غارت گیاں ہوتی تھیں اور شہر کا بازار اکثر لوٹ لیا جاتا تھا۔ اسی طرح نواب عبد اللہ خاں کو اپنے بھائی

نواب فیض اللہ خاں سے قلبی عداوت تھی جو کسی نوع سے ان کے شریکِ جاؤاد بھی نہ تھے۔ ایک روز رات کے وقت اپنے ملازموں کو ساتھ لے کر فیض اللہ خاں کے قتل کے ارادے سے ان کے مکان پر چڑھ دوڑے۔ فیض اللہ خاں کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو سر اسیمہ اور پریشان ہو گئے اور دوسری کے لئے حافظ الملک کی دولت سرا پر آئے۔ اس وقت حافظ الملک غازی تھیں مشغول تھے کہ فیض اللہ خاں نے مضطربانہ آواز دی۔ حافظ صاحب نے اپنے ملازم خاص جو گا خاں کو تفتیشِ حال کے لئے باہر بھیجا۔ جب معلوم ہوا کہ فیض اللہ خاں ہیں تو فوراً اپنے پاس بلا لیا اور ہر قسم کی تسلی و تسخنی کر کے ان کو اپنے پاس ٹھہرایا۔

نواب عبد اللہ خاں حافظ الملک کے بھی دشمن ہو گئے کیونکہ انھوں نے محسوس کیا کہ جب تک حافظ الملک زندہ ہیں اس وقت تک من مانی کارروائیاں کرنے میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ کسی مرتبہ زہر کو دکھانا حافظ الملک کے واسطے بھیجا۔ جس کو انھوں نے ہر مرتبہ علم ہو جانے کی وجہ سے زمین میں دفن کر دیا۔ جب زہر سے حافظ الملک کو ہلاک کرانے میں کامیابی نہ ہوئی تو ایک روز کچھ لوگوں کو ان کے قتل پر مستعد کر کے اپنے مکان میں پردوں کے پیچھے بٹھادیا۔ اور حافظ الملک کو کسی امر میں مشورہ کے لئے تنہا اپنے پاس بلا لیا۔ چونکہ حافظ الملک عبد اللہ خاں کی طرف سے بدگمان تھے اس لئے تنہا نہ گئے بلکہ اپنے ہمراہ چند ملازموں کے علاوہ دو نندے خاں عبد اللہ خاں اور فتح خاں خانساں کو بھی لے گئے۔ جب عبد اللہ خاں کے صحیح خانہ میں پہنچے تو دیکھا کہ چند مسلح لوگ دالان کے پردوں کے پیچھے سے نکل کر گھبراہٹ کی حالت میں ملاقات پر جہاں عبد اللہ خاں بیٹھے تھے گئے۔ حافظ الملک اس امر کو مشاہدہ کرنے کے بعد عبد اللہ خاں سے ملاقات کے بغیر اپنے مکان کو واپس چلے آئے۔ اور تمام ارکانِ کٹھیر سے مشورہ کرنے کے بعد عبد اللہ خاں کو کہلا بھیجا کہ تمہارا اس ملک میں رہنا چونکہ فتنہ و فساد کا باعث ہے اس لئے یہاں سے چلے جاؤ۔ عبد اللہ خاں اپنی حرکت پر نادم و پشیمان ہوئے اور کچھ سوچ بھکر روہیل کھنڈ سے باہر چلے گئے۔ پانچ مہینے تک پریشان و سرگردان ادھر ادھر پھرتے

رہے۔ آخر کار نواب احمد خاں بگلش والے فرخ آباد کے پاس چلے گئے اور ان کے سامنے اپنی تفصیلات کا اعتراف کر کے التجا کی کہ وہ حافظ الملک سے ان کی صفائی کرا دیں۔ نواب احمد خاں نے مکررہ کر حافظ الملک کو لکھا اور بدقت ان کے تکرر مزاج کو فرمایا کہ حافظ الملک نے عبداللہ خاں کو اپنے پاس طلب کر لیا۔ نواب عبداللہ خاں فرخ آباد سے آنولہ روانہ ہو گئے وہاں پہنچ کر انھوں نے حافظ الملک سے ملاقات کی اور اپنی پچھلی خطاؤں پر معذرت خواہ ہوئے حافظ الملک نے ان کی بہت دلجوئی کی اور ضلع بدایوں میں سہسوان اور بھیبانی وغیرہ کی جاگیر عطا کر دی۔ عبداللہ خاں سے یہ معاملہ کرنے کے بعد حافظ الملک نے فیض اللہ خاں اور سعد اللہ خاں

کے معاملات میں بھی تبدیلی کی ضرورت محسوس کی اور فیض اللہ خاں کو شاہ آباد۔ رام پور اور بریلی میں چھا پھٹ کا علاقہ مرحمت کیا۔ سعد اللہ خاں کو جو انھیں سب بھائیوں سے زیادہ عزیز تھے مراد آباد سے دارالحکومت آنولہ میں واپس بلا لیا اور ان پر بستور سالی آن کی پرائی جاگیر اور آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ بحال کر دئے۔ یہ تیسری تقسیم مکی ۱۲۵۴ء میں واقع ہوئی۔

تیسری تقسیم کے بعد حافظ الملک کی مذکورہ بالا تقسیم مکی سے قبل حافظ الملک بالخصوص اور دوسرے سرداران روہیلہ بالعموم خاص دارالحکومت آنولہ میں مقیم رہتے تھے۔ کبھی کبھی اپنی جاگیروں میں تحصیل وغیرہ کی وصولی کی غرض سے چلے جاتے تھے۔ لیکن اب قریب قریب ہر ایک نے آنولہ کی سکونت ترک کر دی۔ چنانچہ عبداللہ خاں بھیبانی میں اور نواب سعد اللہ خاں مقام اتر چھینٹی میں کہ آنولہ سے مشرق کی طرف دو تین کوس پر ہے دریائے ارل کے کنارے عمارات بنوا کر رہنے لگے۔ دوندے خاں نے اپنی جائے قیام بسولی مقرر کر کے ایک پختہ قلعہ تعمیر کرایا جو اب تک موجود ہے۔ بسولی ابتدا میں ایک گاؤں تھا دوندے خاں کی سکونت کی وجہ سے ایک بڑا قصبہ ہو گیا۔ دوندے خاں نے قلعہ کے علاوہ پختہ عمارتیں۔ بازار۔ مسجدیں اور بہت سے حمام بھی تیار کرائے۔ فتح خاں خاںساں نے اسہت میں ایک قلعہ بنوایا۔ کبھی کبھی بدایوں بھی

چلے جاتے تھے۔ بخشی سردار خاں آنولہ میں مقیم رہے۔ نواب فیض اللہ خاں بریلی میں قلعہ کے دروازے کے پاس عمارتیں بنوا کر رہنے لگے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد شاد آباد چلے گئے۔ حافظ الملک نے بھی بریلی کو اپنا دار الحکومت مقرر کر کے اپنی ایک بیوی اور بڑے لڑکے عنایت خاں کو وہاں کے قلعہ میں مقیم کیا۔ دوسری بیویوں اور اپنے متعلقین کو پہلی بھیت روانہ کر دیا اور پہلی بھیت کا نام حافظ آباد رکھکرا س میں ایک بہت بڑی محل سرائے۔ دیوان عام اور دیوان خاص بنوایا۔ اور ایک عالی شان جامع مسجد تعمیر کرائی۔

(۱۶) سیاسیات دہلی میں حافظ الملک کا حصہ

جس زمانے میں حافظ الملک اپنے ملک کے اندرونی انتظامات میں مشغول تھے۔ دارالسلطنت دہلی میں عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ اس ہنگامہ کی وجہ یہ ہوئی کہ صفدر جنگ روہیل کھنڈ کی ہم سے فارغ ہو کر دہلی پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ جاوید خاں خواجہ سرسے دربار شاہی میں بڑا اقتدار حاصل کر لیا ہے۔ اور اس پر احمد شاہ بادشاہ اور ان کی والدہ صاحبہ زمانیہ نے حد مہربان ہیں چنانچہ صفدر جنگ کے دل میں آتش حسد متعل ہو گئی اور انھوں نے جاوید خاں کے تمام احسانات کو فراموش کر کے اس کو ایک روز دعوت کے بہانہ سے اپنے مکان پر بلایا اور تہ خانہ میں بجا کر قتل کر دیا۔ احمد شاہ بادشاہ صفدر جنگ کے اس فعل سے سخت ناراض و برہم ہوئے اور غازی الدین خاں عماد الملک کو قلمدان وزارت عطا کر دیا۔ صفدر جنگ نے اپنے خلاف بادشاہ کی برہمی مزاج کو روز بروز بڑھتے دیکھ کر شہر میں اپنا رہنما مناسب نہ جانا اور شہر سے باہر غمے استادہ کر کے مصالحت کی کوشش کرنے لگے۔ جب یہ کوشش ناکام ہوئی تو جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ غازی الدین خاں عماد الملک نے بھی مقابلہ کی تیاری کی اور آخر کار لڑائی شروع ہو گئی۔

صفدر جنگ کی بادشاہ سے بغاوت	لیکن چند ہی روز بعد صفدر جنگ نے محسوس کیا کہ افواج
حافظ الملک کا چالیس ہزار فوج لے کر	بادشاہی سے مقابلہ کر کے فوجیاب ہونا ان کی طاقت
دہلی کی طرف جانا	سے باہر ہے۔ اس لئے ایک خط حافظ الملک کی

لے غازی الدین خاں چمن قلع خاں آصف جاہ بانی ریاست حیدر آباد دکن کے پوتے تھے ان کا اصلی نام

شہاب الدین تھا۔ (مولانا اکبر شاہ خاں)

خدمت میں اُس عہد و پیمان کی بنا پر جو حال ہی میں ان کے درمیان ہوا تھا بغرض امداد ارسال کیا۔ حافظ الملک عہد و پیمان کے بہت پابند تھے۔ فوراً بلا پس و پیش چالیس نہر اربا پادہ و سوار کی جمعیت کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب ہاپور کے قریب پہنچے اور ان کی آمد آمد کی خبر دہلی میں مشہر ہوئی تو بادشاہ نے یہ مناقب۔ راجہ دیپ دت اور بسنت خاں خواجہ سرا کے ہاتھ ایک فرمان حافظ الملک کے پاس بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ۔

”تم ہمیشہ سے بادشاہ دہلی کے مطیع و فرمانبردار رہے ہو اس لئے اب کہ صفدر جنگ نے ہمارے حضور میں سرکشی کی ہے اور گستاخیاں ظاہر کی ہیں تم کو چاہئے کہ ہماری خدمت میں حاضر ہو کر اس کی تہنیدہ عمل میں لاؤ تاکہ اس خن خدمت کے صلہ میں تمہاری عنایات مبذول ہوں۔“

حافظ الملک نے اس فرمان شاہی کے پہنچنے پر سفیرانِ بادشاہی کے ہاتھ یہ جواب بھیجا کہ۔

”ہمارے اور ابو المنصور خاں صفدر جنگ کے درمیان اتفاق باہمی کا یتاق مستحکم ہو گیا ہے۔ ہم اس کو نہیں توڑ سکتے۔“

اس جواب کے روانہ کرنے کے بعد حافظ الملک نے جواب الجواب موصول ہونے تک اپنی پیش قدمی ملتوی کر دی۔ چند روز کے بعد دوسرا فرمان شاہی اس مضمون کا صادر ہوا کہ۔

”اگر تم حضور بادشاہی میں حاضر ہونا تقصیر نہ سمجھتے ہو تو مناسب یہ ہے کہ اپنے ملک کو واپس چلے جاؤ اس سبب سے کہ باغی کی شرکت کرنا دین و آئین اہل اسلام کے خلاف ہے۔“

اس فرمان کے آنے پر حافظ الملک نے بادشاہ کے مقابلہ میں صفدر جنگ کی امداد مناسب

نہ جانی اپنے ارادے کو فسخ کر دیا اور اس کا عند صرفہ رجنک کو لکھ کر وہیل کھنڈ واپس ہو گئے۔

حافظ الملک سے نجیب خاں کی غرض سے اپنے ہمراہ لائے تھے اس میں نواب دوندے خاں بیوفائی اور ان کا عسروج

کی فوج کے ایک جمعدار نجیب خاں ولد اصابت خاں عمر خیل نامی بھی تسوسپا ہیوں کی جمعیت کے ساتھ شامل تھے جن کے ابتدائی حالات زندگی یہ ہیں کہ وہ اپنے چچا بشارت خاں کے ہمراہ اپنے وطن موضع آٹا ناری سے جو پیشاور سے پچیس کوس کے فاصلہ پر ایک پار واقع ہے روانہ ہو کر دیگر گیارہ آدمیوں کے ساتھ چند سال قبل وارد ہندوستان ہوئے تھے۔ ابتداءً لوٹ مار کا پیشہ اختیار کیا اور رفتہ رفتہ آدیوں کی جماعت اپنے ساتھ فراہم کر لی۔ لوٹ ہی کے سلسلہ میں نجیب خاں دوندے خاں کے علاقہ بسولی میں پہنچے۔ دوندے خاں نے ان سے لوٹ مار کا پیشہ چھڑا کر اپنے یہاں نوکر رکھ لیا۔ اور آدیوں کا افسر مقرر کر کے پرگنہ دار انگریز جاگیر میں دے دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دوندے خاں نے نجیب خاں کے ساتھ اپنی لڑائی کی مشادی بھی کر دی۔ اور اپنی فوج کے ایک دستہ کا جمعدار بنا دیا۔ نجیب خاں نے دوندے خاں کی ماتحتی میں حافظ الملک کے ساتھ اکثر لڑائیوں میں حصہ لیا۔ چنانچہ اس موقع پر بھی گوندے خاں بعض مجبوریوں کے باعث حافظ الملک کی رفاقت میں نہ آ سکے تھے لیکن ان کی فوج کا کچھ حصہ جس میں نجیب خاں بھی شامل تھے ان کے ہمراہ تھا۔

میرزا قتب وغیرہ سفیران احمد شاہ بادشاہ کو جب حافظ الملک کی امداد حاصل نہ ہو سکی اور فیصلہ صرف اس بات پر ٹھہرا کہ حافظ الملک اپنے ملک کو واپس جائیں تو انھوں نے مخفی طور پر یہ کوشش کی کہ حافظ الملک کی کچھ فوج ہی ان سے نہ صرف ہو کر بادشاہ کی شریک ہو جائے لہذا اس سازش کو بروئے کار لانے کے لئے میرزا قتب وغیرہ نے افغانوں کے لشکر کے

رسالداروں اور جمعداروں کو طرح طرح کا لالچ دینا شروع کیا۔ لیکن حافظ الملک کے بڑے بڑے تمام رسالدار ثابت قدم رہے اور انھوں نے اپنے سردار کی نشانہ کے خلاف کوئی کام کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ مگر نجیب خاں کا پائے استقلال ڈنگا گیا۔ انھوں نے بادشاہ کے سفیر سے بہت سارو پیسے لے کر لشکر کے مفلس اور لالچی سپاہیوں کو اپنے سے متفق کر لیا۔ اور حافظ الملک کی بغیر اجازت و مشورہ دہلی کو روانہ ہو گئے۔ حافظ الملک نے روہیل کھنڈ پہنچ کر دو دن سے خاں سے نجیب خاں کی اس بے وفائی کی سخت شکایت کی لیکن دو دن سے خاں نے بہت سی عذر خواہی کے بعد ان کی طبیعت کو اپنی طرف سے مطمئن کر دیا۔ دہلی پہنچ کر نجیب خاں میر مناقب کے توسل سے غازی الدین خاں عماد الملک اور احمد شاہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صفدر جنگ کے مقابلہ میں کئی مورچے ان کے نام مقرر ہوئے جن کو انھوں نے بہت جلد فتح کر لیا۔ پھر چھ مہینے تک جنگ جاری رہی دوران جنگ میں نجیب خاں کے ہاتھ سے ایسے ایسے معرکے سر ہوئے کہ بادشاہ اور امراء دربار ان کی قد و منزلت روز بروز زیادہ کرنے لگے۔ جب جنگ نے طول پکڑا اور صفدر جنگ زیادہ عرصہ تک تاب مقابلہ نہ لاسکے تو حضور شاہی میں معافی و تفصیرات کے نجیب خاں ہی کے توسل سے خواہاں ہوئے۔ نجیب خاں نے کمال لیاقت و ہوشیاری اس کام کو انجام دیا اور بادشاہ سے صفدر جنگ کی خطائیں معاف کرادیں۔ اس حسن خدمت کے صلہ میں بادشاہ نے نجیب خاں کو خطاب نواب نجیب الدولہ اور اضلاع بجنور۔ سہارن پور اور میرٹھ وغیرہ کی جاگیر سے سرفراز فرمایا۔ نجیب خاں جواب نواب نجیب الدولہ ہو گئے کچھ عرصہ دہلی میں مقیم رہنے کے بعد اپنی نئی ریاست میں واپس آئے اور انھوں نے اجیت سنگھ و کیت کو مار کر ضلع مظفر نگر پر بھی قبضہ کر لیا۔ اسی سال نواب نجیب الدولہ نے مالٹی ندی کے بائیں کنارے پر ایک عمدہ اور خوش فضا مقام تلاش کر کے شہر نجیب آباد

ملک وہی مالٹی ندی اور وہی موضع ہے جہاں وسو امر جوگی نے اپنی لڑکی شکنتلا کے چکل میں زندگی بسر کرنا تھا، شکنتلا نام کا ایک نہایت برانا ناٹک جو مشہور ہندی ڈرامہ نویس ہندت رادے نے شہام صاحب بریلوی نے بھی جدید ہندی زبان میں شکنتلا ڈرامہ لکھا ہے جو سینما کے ذریعہ ملک کے بول و عرض میں مقبولیت عام حاصل کر چکا ہے (مترجم)

اپنے نام پر آباد کیا۔

بادشاہ سے صلح ہو جانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۵۵۷ء میں صفدر جنگ نے ایک کونسل کی تحکیف سے دہلی میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے ان کا مقبرہ جو ایک شاندار عمارت ہے درگاہ حضرت نظام الدین اولیا سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔ صفدر جنگ کی جگہ ان کے بڑے لڑکے شجاع الدولہ سندھ آرائے حکومت اور دھڑے ہوئے۔

۱۵۵۷ء میں غازی الدین خاں عماد الملک وزیر سلطنت کو جب بادشاہ دہلی کی معزولی کے امور مملکت میں دخل گئی حاصل ہو گیا تو انھوں نے احمد شاہ بادشاہ اور ان کی والدہ کو نابینا کر کے قید کر دیا اور عزیز الدین بن معز الدین بن بہادر شاہ بن اورنگ زیب کو قید خانہ سے نکال کر عالمگیر ثانی کے نام سے تخت پر بٹھا دیا۔ انھیں ایام میں معین الدین عرف میرمنو گھوڑے سے لگ کر رہی ملک عدم ہوئے اور لاہور کی صوبہ داری جس پر وہ فائز تھے ان کی بیوی کو تفویض ہوئی۔ غازی الدین خاں عماد الملک کو اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ فوراً شاہزادہ عالی گھر کو ہمراہ لے کر لاہور روانہ ہوئے اور لدھیانہ سے لاہور پہنچ کر میرمنو کی بیگم کو قید کر کے قلعہ لاہور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد عماد الملک تیس لاکھ روپیہ کے عوض لاہور کی صوبہ داری آدینہ بیگ خاں کو تفویض کر کے خود مع شاہزادہ دہلی کو واپس آ گئے۔

احمد شاہ درانی کا تیسرا حملہ آدینہ بیگ خاں کے تسلط کی خبر جس وقت احمد شاہ درانی کو پہنچی تو یہ امر ان کو سخت ناگوار ہوا کیونکہ انھوں نے میرمنو کو اپنی طرف سے لاہور کا صوبہ دار بنایا تھا۔ چنانچہ یلغار کر کے ۱۵۵۷ء میں لاہور آ پہنچے۔ اور آدینہ بیگ خاں کو بلا مقابلہ وہاں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ لاہور پر قبضہ کے بعد شاہ درانی عماد الملک کو سزا دینے کے لئے دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ اور متواتر کوچ پر کوچ کرتے ہوئے دہلی سے بیس کوس کے فاصلہ پر

۱۵۵۷ء میں گنڈاپور پہنچے اور وہاں دار۔

۱۵۵۷ء میں شاہزادہ عالی گھر آئندہ شاہ عالم ثانی کے نام سے موسوم ہوئے۔

اپنے ڈیرے ڈال دئے۔ عماد الملک اس حال سے مطلع ہوئے تو بحر اطاعت کے کوئی چارہ نہ دیکھا اور مجبوراً شاہِ درانی کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ممکن تھا کہ شاہ موصوف عماد الملک کو قتل کر دیتے لیکن شاہ ولی خاں اپنے وزیر اعظم اور میر منوم حرم کی بیوی کی سفارش سے جو عماد الملک کی خوش دامن بھی تھیں تصور معاف کر دیا۔ عجیب خاں بھی امرائے شاہی کے وسیلہ سے حضور شاہی میں باریاب ہو کر موردِ نوازشات ہوئے۔

ماظظ الملک اور شاہِ درانی کے
تعلقات کی ابتدا

جب شاہِ درانی کے دہلی میں پہنچنے کی خبر حافظ الملک کو ملی تو انھوں نے نواب سعد اللہ خاں اور شاہ ولی خاں وزیر اعظم کے چچا زاد بھائی یعقوب علی خاں کو جو کچھ عرصہ سے روہیل کھنڈ میں مقیم تھے سفیر بنا کر مع پیشکش لائقہ اور تحفہ جات نادرہ بارگاہِ درانی میں روانہ کیا۔ یعقوب علی خاں شاہ ولی خاں کے توسط سے حضور شاہی میں باریاب ہوئے۔ بادشاہ نے پیشکش کو قبول فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ اور حافظ الملک کے نام یہ فرمان صادر فرمایا کہ

”عماد الملک کو تھوڑی سی شاہی فوج کے ساتھ صوبہ اودھ کو روانہ کیا جاتا ہے تاکہ شجاع الدولہ سے زرِ پیشکش وصول کریں اگر شجاع الدولہ اس کی ادائیگی میں تاہل کریں تو آپ عماد الملک کی طلبی پر ان کی مدد کے واسطے پہنچ جائیں“

شاہِ درانی کے حکم سے عماد الملک
کی شجاع الدولہ پر چڑھائی اور
حافظ الملک کے تدبیر سے صلح

اس اثناء میں عماد الملک براہِ فرخ آباد اودھ کی سرحد پر پہنچ گئے۔ شجاع الدولہ بھی عماد الملک کے حملہ کی خبر سن کر جنگ پر آمادہ ہوئے۔ اور لکھنؤ سے اڑھائی میل تکڑے مقام سانڈھی پالی میں اپنے ڈیرے ڈال دئے۔ چونکہ عماد الملک میں شجاع الدولہ سے تنہا لڑنے کی طاقت نہ تھی اس لئے جنگ شروع کرنے سے پہلے انھوں نے حسبِ قرار واد حافظ الملک کو مدد کے واسطے طلب کیا اور حافظ الملک تھوڑے عرصہ میں اپنی تمام فوج لے کر عماد الملک کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ جس سے جنگ کا نقشہ بالکل تبدیل ہو گیا اور اب شجاع الدولہ کا ہلہ کمزور

اور عماد الملک کا پلہ بھاری ہو گیا۔ جس کا احساس کر کے شجاع الدولہ نے یہ تدبیر کی کہ ایک خط حافظ الملک کے نام لکھا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ۔

”عماد الملک بسبب عداوت قدیم میری بربادی کے درپے ہے اور کسی طرح صلح پر مبنی نہیں ہوتا آپ کہ میرے چچا کی جگہ ہیں کوئی ایسی تدبیر عمل میں لائیے جس سے مصالحت کی شکل پیدا ہو اور شاہِ درانی کا مزاج بھی مجھ سے برہم نہ ہو۔“

صفدر جنگ کے ساتھ جس قسم کے مراسم رہے تھے ان کو ملحوظ کر کے حافظ الملک نے شجاع الدولہ کو تسلی آمیز جواب لکھا اور مصالحت کی فکر کرنے لگے۔ اسی دوران میں شجاع الدولہ کے وکلاء عماد الملک کے پاس گئے اور حسب مطالبہ شاہِ درانی پیشکش حاضر کرنے کے خواہاں ہوئے۔ عماد الملک جو اس ہنگامہ سے محض شجاع الدولہ کی بربادی کے خواہاں تھے اس قدر روپیہ کے طالب ہوئے کہ اس کا ادا کرنا شجاع الدولہ کے جیبۂ امکان سے باہر تھا۔ اور ساتھ ہی انھوں نے پیشقدمی کر کے جنگِ قراولی شروع کر دی۔ حافظ الملک کو عماد الملک کا یہ طرز عمل بہت ناگوار ہوا۔ اور انھوں نے مصالحت کی یہ تدبیر کی کہ نواب سعد اللہ خاں کو جو اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے پوشیدہ طور پر شجاع الدولہ کے ڈیرے میں روانہ کر دیا۔ اور عماد الملک سے فرمایا کہ۔

”وآپ نے سنا ہو گا کہ نواب سعد اللہ خاں نے ازراہ نادانی جوان کی عمر کا اقتضا ہے شجاع الدولہ کے ساتھ صلح کر لی ہے اور شجاع الدولہ بھی اپنے حسبِ مقدمہ پیش ادا کرنے کے واسطے حاضر ہیں۔ اور ہم کو بھی شاہِ درانی کا یہی حکم ہے کہ اگر شجاع الدولہ ادائے زر پیش کش میں کوئی ہذرہ کرے اور نوبت جنگ کی پہنچے تو ہماری مدد کریں۔ لہذا اگر تم ہمارے مشورے سے شجاع الدولہ کے ساتھ صلح کر لو تو بہتر ہے۔ ورنہ ہم اپنے ملک کو واپس جا کر حقیقتِ حال

من دین حضور شاہ دُرانی میں بذریعہ فریر پہنچا دیجئے؟

چونکہ عماد الملک میں تنہا شجاع الدولہ سے مقابلہ کرنے کی قوت نہ تھی۔ اس لئے صلح پر راضی ہو گیا۔ اور حافظ الملک کی معرفت پچاس لاکھ روپیہ زر پریش کش پر مصالحت قرار پا گئی۔ صلح کے بعد حافظ الملک روہیل کھنڈ کو واپس آکر حضور شاہ دُرانی میں روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ اس عرصہ میں احمد شاہ دُرانی نے سورج مل جٹ کے بعض قلعوں کو مسخر کر کے تھر کوٹوایا لیکن لشکر میں وبا پھیل جانے کے باعث قندھار واپس جانے کا قصد کر لیا۔ دہلی سے روانگی کے وقت عالمگیر ثانی اور نواب نجیب الدولہ نے شاہ دُرانی سے تالاب کھنڈ پر ملاقات کر کے عماد الملک کی شکایت کی جس کی بنا پر عماد الملک کو جوہنوز فرخ آباد میں احمد خان بنگش کے ساتھ مقیم تھا عمدہ وزارت ہندوستان سے معزول کر دیا گیا۔ اور اُس کی جگہ نواب نجیب الدولہ کو منصب امیر الامرائی پر مقرر فرما کر خود قندھار کو روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت یعقوب علی خاں سفیر حافظ الملک کو دوبارہ شرف باریابی بخشا اور حافظ الملک کے واسطے ایک خلعت گراں بہا مع فرمانِ مرحمت کیا۔ یعقوب علی خاں دہلی سے روانہ ہو کر جب بریلی پہنچے تو حافظ الملک نے فرمانِ شاہی کا استقبال کر کے خلعت شاہی زیب تن فرمایا اور حضور شاہ میں حاضری کا ارادہ ترک کر دیا۔

جب احمد شاہ دُرانی ہندوستان سے چلے گئے تو نجیب الدولہ بطور وزیر اعظم بادشاہِ دہلی مہات سلطنت کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے۔ اس خبر کو سکندر غازی الدین خاں نے نجیب الدولہ کی بربادی پر کربا نہی۔ اور جاتوں اور احمد خاں بنگش کی فوج لیکر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ ساتھ ہی رگھناتھ راؤ عرف رگھو بابا اور ملہار راؤ ہلکرسہ دارانِ مرہٹہ کو بھی ایک کثیر فوج کے ساتھ اپنی مدد کے واسطے طلب کر لیا اور سب نے ملکر دہلی پر چڑھائی کر دی عالمگیر ثانی اور نجیب الدولہ کو دہلی میں محصور ہونا پڑا اور پینتالیس روز تک توپ و تفنگ کے ذریعہ مدافعت جنگ کرتے رہے۔ آخر کار مرہٹوں نے ایک کثیر رقم نجیب الدولہ سے حاصل کر کے

خفیہ طور پر صلح کر لی اور بموجب قرار داد صلح نجیب الدولہ کو یہ موقع دیدیا کہ وہ اپنا مال و متاع لیکر دہلی سے سہارن پور کو روانہ ہو جائیں۔ غازی الدین خاں دہلی میں داخل ہو گیا۔ اور بادشاہ کو اسے دوبارہ خلعت و وزارت دینا پڑا۔ غازی الدین خاں کے خوف سے شاہزادہ عالی گھر ولیعہد سلطنت نواب نجیب الدولہ کے پاس دہلی سے چلے آئے اور ان کے ہمراہ آٹھ عینیہ تک قیام کر کے براہِ مراد آباد و بریلی بنگال کو روانہ ہو گئے۔

شاہزادہ عالی گھر کو رو دہریلی دہلی کے اخبار کے ذریعہ جب حافظ الملک کو یہ اطلاع ہوئی کہ شاہزادہ عالی گھر بریلی سے گزریں گے تو اس وقت وہ خود دامنِ کوہ میں تھے۔ اس لئے اپنے بڑے لڑکے عنایت خاں کو جو بریلی میں مقیم تھے لکھا کہ شاہزادے کے وہاں پہنچنے کے وقت استقبال کر کے بطور مناسب حال سلاطین کو ازمِ همانداری بجالائیں۔ چنانچہ جب شاہزادہ عالی گھر بریلی کے قریب پہنچے تو عنایت خاں نے پیشوائی کی اور رسمِ آداب و کورنش بجا لاکر خاص شہر میں ان کو لائے اور دیوانِ مانِ رائے کی آراستہ و پیراستہ جوہلی میں اتارا۔ شاہزادے صاحب اپنے دورانِ قیام بریلی میں شاہِ دانا ولی کے مزار پر بھی فاتحہ خوانی کی غرض سے تشریف لے گئے۔ جب بریلی سے رخصت ہونے لگے تو عنایت خاں نے چوبیس گھوڑے۔ ایک ہاتھی۔ چند ہزار روپیہ نقد۔ نیمے۔ ظروف۔ سامانِ باربرداری۔ اور دیگر اسبابِ ضروری حافظ الملک کی طرف سے پیش کش کیا۔ نیز کچھ نقد و جنس اپنی طرف سے بھی نذر کر کے تین کوس تک ہمراہ رکاب جاکر واپس آئے۔

شاہِ دیوانِ مانِ رائے کی جوہلی مکہ ان مدائے نام سے بریلی میں موجود ہے۔ قدیم عمارت سے صرف ایک خوبصورت چھاگ لب شریکِ قلعہ باقی ہے۔

شاہِ دانا ولی کا مقبرہ بریلی میں شریکوت میں واقع ہے۔ نہایت صاحبِ کرامت اور زبردست بزرگ مانے جاتے ہیں۔ مقبرہ اور اس کے متعلق مسجد اچھی حالت میں ہے جو جمرات کے روز بڑی رونق ہوتی ہے۔ قریب ہی شاہِ حداد نام کا ایک ریلوے اسٹیشن ہے۔ شاہِ دانا ولی کا مقبرہ کندھارے نے تعمیر کرایا تھا۔ اسی راہِ کندھارے نے بریلی میں مسلمانوں کی جامع مسجد ۱۶۶۷ء میں بنوائی تھی۔

مرہٹوں کا نجیب الدولہ پر حملہ
جنگ سکرتال

غازی الدین خاں نے دوبارہ وزارت ملہاراؤ اور گھنا تھراؤ
مرہٹہ سرداروں کی امداد سے حاصل کی تھی اس لئے جب وہ دہلی

میں داخل ہوئے تو مرہٹے بھی ان کے ساتھ تھے۔ جنہوں نے وہاں اپنا خوب اثر جمایا۔ دہلی سے
فرصت پا کر مرہٹوں نے پنجاب پر حملہ کیا اور ابدالی گورنر کو مع اس کی سکھ فوج کے شکست دیکر
مئی ۱۷۵۷ء میں دریائے اٹک تک تمام پنجاب پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اس وقت ہندوستان
میں اٹک سے لٹک تک مرہٹوں ہی کا ڈنکا بجتا تھا۔ اپنے دوست مرہٹوں کی مذکورہ طاقت
کو دیکھ کر غازی الدین خاں نے موقع کو غنیمت جانا اور جس طرح صفدر جنگ نے فرخ آباد
اور روہیل کھنڈ کو تباہ کر لیا تھا اسی طرح انھوں نے نجیب الدولہ کا پورا پورا استیصال کرنے کی
غرض سے مرہٹوں کی امداد طلب کی۔ مرہٹے پہلے ہی سے سارا ہندوستان فتح کرنے کی فکر
کر رہے تھے۔ نجیب الدولہ۔ حافظ الملک اور شجاع الدولہ وغیرہ کی ریاستیں باقی بچی تھیں
اس لئے انھوں نے غازی الدین خاں کی تحریک امداد کا غیر مقدم کیا۔ اور رگھو باکا نائب و تاسیندھیا
سوالاٹھ فرج کے ساتھ نجیب الدولہ پر حملہ آور ہو گیا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے ایک سردار
گوبند رائے پٹنٹ کو حکم دیا کہ وہ گنگا اتر کر روہیلوں کے ملک کو ٹوٹ لے۔ چنانچہ گوبند رائے
نے امر وہہ تک تمام ملک کو ٹوٹ لیا۔ ایک ہزار تین سو گاؤں جلا دئے اور نجیب الدولہ کی
رسد بالکل بند کر دی۔ نجیب الدولہ نے بھی اس حملہ کی خبر سن کر نجیب آباد سے روانہ ہو کر
مقام سکرتال ضلع مظفر نگر میں اپنے مورچے لگائے۔ اور مرہٹوں سے مدافعت جنگ میں
مشغول ہو گئے۔

حافظ الملک سے نواب
نجیب الدولہ کی طلب امداد
لیکن تنہا اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر انھوں نے ایک خط
تواحد شاہ درانی کو لکھا کہ یہ وقت مدد کا ہے ورنہ ہندوستان
سے مسلمانوں کا نام و نشان گم ہونے والا ہے۔ اور ایک خط حافظ الملک کو لکھا جس میں
مرفوع تھا کہ۔

”عماد الملک غازی الدین خاں نے چند لاکھ روپیہ دنا سیندھیا وغیرہ سرداران مرہٹہ کو دے کر ان کی فوج کو جو تھرا دیس مور و ملح سے زیادہ ہے۔ دکن سے طلب کیا ہے۔ اور میری بربادی کے درپے ہے۔ چونکہ میں فوج مرہٹہ کے ساتھ میبدان جنگ میں لڑائی کی طاقت نہیں رکھتا ہوں لہذا سکر تال میں مورچہ لگا کر آپکی مدد پہنچنے تک دفع الوقتی کر رہا ہوں“

اس خط کے پہنچنے پر حافظ الملک کا فی فوج کے ساتھ فوراً سکر تال کی طرف روانہ ہو گئے۔ ساتھ ہی انھوں نے شجاع الدولہ کو بھی اس جنگ میں شریک ہونے کی دعوت دی اور لکھا کہ اگر مرہٹے نجیب الدولہ اور ہم پر فغیاب ہو گئے تو وہ آپکے ملک پر بھی چڑھائی کریں گے اس لئے۔ سع

”علاج واقعہ پیش از وقوع باید کرد“

شجاع الدولہ نے کمال دور اندیشی حافظ الملک کی اس دعوت کو قبول کیا۔ مین موسم برسات میں کھٹوسے چلکر شاہ آباد پہنچ گئے اور دریا کی طغیانی کم ہونے کا انتظار کرتے گئے۔ جب طغیانی کم ہوئی تو اس انتظار میں دنا سیندھیا نے شجاع الدولہ کے شریک جنگ ہونے کے ارادے سے اظلمع پانی اور تیس ہزار فوج کے ساتھ گوبند پنڈت کو دریا عبور کر کے شجاع الدولہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چاند پور کے قریب شجاع الدولہ نے اپنی گوشائیوں کی فوج سے گوبند پنڈت کا مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دیکر دریا کو عبور کر لیا۔ اور حافظ الملک کی فوج کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حافظ الملک مع شجاع الدولہ مقام حن پور پہنچے جہاں ہر کاروں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ سکر تال کے قریب مرہٹوں نے پل بنالیا ہے اور عبور کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس خبر کو سن کر حافظ الملک نے بخشی سردار خاں کو چار ہزار فوج کے ساتھ فوج ہراول کے طور پر اور دو اور رسالداروں کو فوج ہراول کے چند اول کے طور پر لشکر سے پہلے روانہ کیا اور حکم دیا کہ برٹے لشکر کے پہنچنے تک سکر تال کے مقابل دریائے گنگا کے کنارے پڑاؤ

ڈال دیں۔ بخشی سردار خاں نے مطابق حکم عمل کیا۔ لیکن چونکہ دشمن کی فوج تعداد میں بہت زیادہ تھی اس لئے بخشی مذکور کو محصور ہو کر جنگ میں مشغول ہونا پڑا۔ بخشی جی کے محصور ہونے کی خبر فوج چنداول کے رسالداروں کو ملی تو فوراً مدد کو دوڑ آئے اور مرہٹوں کی فوج پر حملہ کر دیا۔ اس امدادی فوج کے آنے سے مرہٹوں کو بھاگنا پڑا اور لنگاپار اتر گئے۔ حافظ الملک کو ان حالات کی اطلاع ملی تو لنگا کے کنارے پہنچے اور سکر تال کے مقابل غیمہ ڈال کر دریائے کو پار کرنے کی فکر کرنے لگے۔ جب مرہٹوں نے حافظ الملک اور شجاع الدولہ کی فوجوں کے نجیب الدولہ کے شریک ہو جانے کا امکان دیکھا تو ایک مرتبہ اور اپنی تمام فوج کو اکٹھا کر کے حافظ الملک سے مقابلہ کی غرض سے دریا سے اُتار دیا۔ اس فوج کی تعداد اس قدر کثیر تھی کہ اس سے مقابلہ کر کے فتحیاب ہونے کی تمام امید حافظ الملک اور شجاع الدولہ کو منقطع ہو گئی۔ اس نازک موقع پر تائید آسمانی ان کے حال پر نازل ہوئی اور احدثہ دُورانی کی اس سرزمین پر آمد آمد کا غلطہ بلند ہوا۔ مصویرین سکر تال اور حافظ الملک کے لشکروں میں خوشی کے سدا دیانے بجھنے لگے۔ اور دناپٹیل وغیرہ سرداران مرہٹہ کے اس خیمہ کے سُسنے سے ہوش اُڑ گئے چنانچہ سکر تال کے محاصرہ اور حافظ الملک و غیرہ سے لڑنے کے ارادے سے دست کش ہو گئے۔ اور شاہ دُورانی کو روکنے کے لئے لاہور کی طرف کوچ کر دیا۔

عالمگیر ثانی کا قتل غازی الدین خاں عماد الملک مرہٹوں سے علیحدہ ہو کر دہلی واپس گئے۔ اور اس خیال سے کہ احدثہ دُورانی کے آنے پر بادشاہ عالمگیر ثانی میری تمام بدکرداریوں کی ان سے شکایت کریں گے اور نجیب الدولہ کو دوبارہ عروج نصیب ہوگا۔ اس لئے انتظام الدولہ خانخاناں اور بادشاہ کو قتل کر دینے کی دل میں ٹھان لی۔ اس زمانہ میں بیچارہ بیکس بادشاہ عالمگیر ثانی سلطنت کے کاموں سے ہاتھ اٹھا کر خلوت نشینی میں بسر اوقات کر رہا تھا۔ فقرا پر اعتقاد تھا۔ ایک روز غازی الدین خاں کے شریک سازش ہمدی علی خاں نے بادشاہ سے آکر عرض کیا کہ ایک قابل زیارت درویش کامل فیروز شاہ کے کوٹلہ میں

وارد ہوئے ہیں ان کی کشف و کرامات کی تعریف بیان سے باہر ہے۔ بھولا بھالا بادشاہ ہمدی علی خاں کی افزائہ دازی سے بے خبر تھا۔ ننھا فقیر باکرامت کی زیارت کو روانہ ہو گیا جب پہلے دروازہ پر پہنچا تو ہمدی علی خاں نے تلوار ہاتھ سے لے لی پر وہ اٹھا کر اندر لے گیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ مرزا بابر بادشاہ کا داماد ہمراہ تھا۔ اس نے تلوار کھینچ کر ایک آدمی کو زخمی کیا مگر اس کو چند آدمیوں نے غلوب کر کے بادشاہ کے محاذ میں بٹھا کر سلیم گڑھ کے قلعہ کو روانہ کر دیا۔ بادشاہ اندر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ موت کے فرشتوں سے مقابلہ ہے۔ چار لوبک ننگی تلواریں لے کر بادشاہ پر پل پڑے۔ سر کو تن سے جدا کر دیا۔ اور تن بے سر کو جنہا کے ریت پر پھینک دیا۔ بد معاشوں نے لاش پر یہ ظلم کیا کہ اس کے کپڑے اتار کر لے گئے۔ کئی روز بعد بادشاہ کی لاش ہمایوں کے مقبرہ میں دفن ہوئی۔

تاریخ ہندوستان کا یہ درد انگیز واقعہ نومبر ۱۵۵۶ء میں واقع ہوا۔ عالمگیر ثانی کے قتل کے بعد غازی الدین خاں نے شہنشاہ اورنگ زیب کے ایک پوتے کو تخت پر بٹھا کر شاہجہاں نانی کا خطاب دیا۔ مگر اس بادشاہ کو کسی نے بادشاہ نہ مانا کیونکہ شاہزادہ عالی گرو ولی عہد سلطنت بقید حیات اطراف بنگال میں موجود تھا۔ غازی الدین خاں نے چند روز مہلتیں ٹھہر کر احمد شاہ درانی کے مقابلہ میں مرہٹوں کے قحباب ہونے کا انتظار کیا۔ لیکن جب یہ سنا کہ شاہ درانی کے اہلک سے اترتے ہی مرہٹے پنجاب چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تو خود بھی نہایت خوف و ہراس کے عالم میں سورج مل کے پاس جا کر پناہ گرین ہو گیا۔

احمد شاہ درانی کا چوتھا حملہ اس انتشار میں نواب نجیب الدولہ کو شاہ درانی کے قحباب پر قابض ہو جانے کی خبر متحقق ہو گئی تو ان کے استقبال کے لئے روانہ ہوئے۔ حافظ الملک بخشی سردار خاں وغیرہ کو روہیل کھنڈ کی خاغت کی غرض سے روانہ کر کے تھوڑی سی فوج

کے ساتھ وہیں مقیم رہے اور شجاع الدولہ اودھ کو واپس ہو گئے۔ جب حافظ الملک نے سنا کہ شاہ دُرانی نے جمناکو عبور کر لیا تو خود بھی گنگا کو عبور کر کے دوا آبہ میں حضور شاہی میں باریاب ہوئے۔ اور گوناگوں عنایات خسروانی سے سرفراز ہوئے۔ نجیب الدولہ اور حافظ الملک کے حاضر ہونے کے بعد احمد شاہ دُرانی دہلی کی طرف روانہ ہوئے اور وزیر آباد کے قریب دریائے جمناکو عبور کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ خبر سن کر دُنا پٹیل اور اس کا بیٹا بھنگو جی ایک فوج کثیر کے ساتھ دریائے اس پار میدان باولی میں جو دار الخلافہ دہلی سے بہت قریب ہے صف آرا ہوئے۔ بادشاہ نے دریائے کنارے پہنچ کر حکم دیا کہ توپ خانہ کے اونٹوں کو ساحل دریائے چھا کر گولوں کی بارش سر کریں۔ اس حکم کے پانے پر ایدالیوں نے ایسی شدید گولہ باری کی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں مرہٹہ فوج گرد برد ہو گئی۔ ساتھ ہی ایسا اتفاق ہوا کہ ایک گولہ خاص دُنا پٹیل کے سر پر گرا جس سے اس کا فوراً کام تمام ہو گیا۔ سردار کے مارے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں کے رہتے سے جو اس بھی جلتے رہتے اور ان میں بھاگ کر چھ گئی۔ اس وقت شاہ دُرانی نے حکم دیا کہ سواران ولایتی ایک ایک پیادے کو حافظ الملک اور نجیب الدولہ کی فوج سے اپنے گھوڑے پر بٹھال کر دریا کو عبور کریں اور دہلی تک مفدیرین کا تعاقب کریں۔ چنانچہ سواران ولایتی نے اپنے گھوڑوں کو تیرا کر دریا کو عبور کیا اور مرہٹوں کو دہلی تک قتل و غارت کرتے ہوئے چلے گئے۔ دوسرے روز شاہ دُرانی۔ نجیب الدولہ اور حافظ الملک بافتح و نصرت شہر دہلی میں داخل ہوئے۔ اس فتح کی غلام علی آزاد بلگرامی نے یہ تاریخ لکھی ہے۔

کہ سلطان عصر دُرانی * قتل دُنا بیع دشمن کاہ

گفت تاریخ ایں ظفر آزاد * نصیرت بادشاہ عالی جاہ

شاہ دُرانی نے دہلی میں داخل ہو کر وہاں کے نظم و نسق کو درست کیا۔ شاہجہاں ثانی

ہی کو بالفعل تختِ سلطنت پر بٹمن رہنے دیا اور اپنی طرف سے یعقوب علی خاں بہمن زلیٰ کو قلعہ دار مقرر کیا۔ بعد ازاں شاہِ دُرانی نے سنا کہ بھنگو جی نے روہیل کھنڈ کا رخ کیا ہے لہذا حافظِ الملک کو اپنے ولایتی لشکر کی حفاظت و نگرانی پر چھوڑ کر خود ایک فوجی جہاز کے ہمراہ بطور یلغار مرہٹوں کی تنبیہ کی غرض سے روانہ ہوئے اور مقامِ نارنول کے قریب پہنچ کر مرہٹوں کو شکستِ فاش دی اسی وقت بادشاہ کو یہ معلوم ہوا کہ ہمارا راؤ ہلکر سکندرہ تک آ گیا ہے اور سورج مل جات سے موافقت پیدا کر رہا ہے تاکہ دونوں ملکر ابدالیوں کو اٹاک کے پار بھگا دیں۔ اس خبر کے ملتے ہی شاہِ دُرانی نے شاہِ پسند خاں اور شاہِ قلندر خاں اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ ہلکر کے لشکر پر حملہ کر دیں۔ یہ دونوں سردار پندرہ ہزار فوج کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس کے لشکر میں ایسا ہلچل مچا دیا کہ

”وہ صرف تین سو سواروں کو جو گھوڑوں کی ننگی پیٹ پر سوار تھے ساتھ لے کر بھاگ گیا“

باقی اس کا لشکر مارا گیا یا قید ہوا اور تمام اسبابِ ابدالیوں کے ہاتھ لگا۔ ہلکر بھی شکست ہوئی تو شاہِ دُرانی نے سورج مل جات کی تنبیہ کا ارادہ کیا۔ اور کوچ پر کوچ کر کے سورج مل کے مقبوضات کو مل وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور چونکہ موسمِ برسات سر پر آ گیا تھا اس لئے اپنی چھانوئی کو مل ہی میں ڈال دی۔

حافظِ الملک کا شاہِ دُرانی کے حکم سے پندرہ روز کے بعد حافظِ الملک بھی ولایتی لشکر اور اس سورج مل سے زبردستی کش و وصل کرنا کے خیمہِ خمر گاہ کے ساتھ حضور شاہی میں پہنچ گئے اور شاہِ دُرانی کے حسبِ الحکم زبردستی کش سورج مل سے وصل کرنے کے لئے کوئل سے بھرت پور روانہ ہوئے۔ سورج مل کے پاس چونکہ بہت سے قلعہ دار اور بہت سے مضبوط قلعے تھے

اس لئے زربیش کش کی ادائیگی میں لیت و لعل کیا لیکن حافظ الملک نے کلماتِ نصیحت آمیز اور خوف ورجا کے الفاظ میں اس کو سمجھا بھگا کر ہوا کر لیا۔ بہت سار وپیہ اس سے وصول کر لیا اور حضور شاہی میں آکر مور و تخمین و آفرین ہوئے۔

کار ہار است کند عاقل کامل بخن چہ کہ بصد لشکر جہترار بیستر نشود

دربار شاہِ دُرانی میں حافظ الملک چنانچہ اسی قسم کی خدمات شائستہ سے شاہ گوہر شناس کی قدر و منزلت

کہ محفل شاہی میں انیس و چالیس بن گئے۔ اکثر رات کے وقت بادشاہ کے خوانِ نعمت پر خاصہ تناول فرماتے تھے۔ اور دیوانِ خاص میں بادشاہ کے حضور میں بیٹھتے تھے۔ یہ مرتبہ سوائے اشرف الوزار شاہ ولی خاں کے کسی دوسرے ولایتی یا ہندوستان کے امیر و وزیر کو حضور شاہ میں حاصل نہ تھا۔

ہم کلمہ چکے ہیں کہ پھلی مرتبہ احمد شاہِ دُرانی کی واپسی و لایت کے بعد احمد خاں بنگش نے نواب نجیب الدولہ کی تخریب اور عالمگیر ثانی کی مغزولی میں غازی الدین خاں عابد الملک کی امداد کی تھی۔ اسی طرح شجاع الدولہ احمد شاہ ابدالی کے قیامِ ہندوستان کو ماضی سمجھ کر مہٹوں سے زیادہ دشمنی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور اس لئے جنگِ سکر تال کے بعد مہٹوں سے انھوں نے دوبارہ ساز باز کر لیا تھا۔ اور ان سے نامہ و پیام کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ یہ واقعات احمد شاہِ دُرانی کے علم میں بھی آ گئے تھے اس لئے انھوں نے مہٹوں اور جاٹوں سے فراغت پانے کے بعد یہ چاہا کہ احمد خاں بنگش اور شجاع الدولہ سے آئندہ موافقت یا مخالفت کا مسئلہ صاف کر لیں۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے فرامین شاہی جاری ہوئے۔

حافظ الملک کی وساطت سے نواب احمد خاں بنگش احمد خاں بنگش کو جب فرمانِ اطاعت پہنچا تو وہ حافظ الملک کو شرفِ ملازمت حاصل کی شاہِ دُرانی سے موافقت

کرنے کا ذریعہ بنا کر اکتوبر ۱۸۵۷ء میں لشکر شاہی میں آئے جو اس وقت انوپ شہر میں تھا۔ حافظ الملک کی وساطت سے حضور شاہی میں حاضر ہوئے اور باوٹا ہ نے ان پر بہت کچھ عنایات مبذول کیں۔ شجاع الدولہ سے معاملہ کرنے کی خدمت نواب نجیب الدولہ کے سپرد کی گئی اور وادیراہ اٹا وہ قنوج پہنچ گئے۔ شجاع الدولہ ان سے ملاقات کرنے کے لئے مہدی پور مضافات ملائوہ تک آئے اور بعد استحکام عہد و پیمان اپنے لڑکے مرزا امالی کو اوہر میں اپنا نائب مقرر کر کے دس ہزار فوج کے ساتھ نجیب الدولہ کے ہمراہ حضور شاہ میں حاضر ہو گئے۔ جب بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو وہ احمد خاں کی طرح شجاع الدولہ سے بھی بہت مہربانی سے پیش آئے اور ان کو مع فوج اپنے لشکر میں شامل کر لیا۔ اس طرح شمالی ہند کے تمام بڑے حکمران اواخر ۱۸۵۷ء میں احمد شاہ درانی سے متفق ہو گئے اور سب نے ملکر یہ تہیہ کیا کہ شاہ موصوف کی قیادت سے فائدہ اٹھا کر جس طرح بھی ہو ہندوستان جنت نشان کو مرہٹوں کے وجود سے پاک کر دیں اور اس سرزمین کے رہنے والے مسلمانوں کو ان کی آئے دن کی ٹوٹ کھوٹ اور تاخت و تاراج سے ہمیشہ کے لئے نجات دلا دیں۔

(۱۷)

جنگ پانی پت میں حافظ الملک کی شرکت

جس وقت دتاجی کے قتل اور ہلکر کی بربادی کی خبر دکن میں بالاجی پیشوا کو پہنچی تو اس کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک وہ احمد شاہ درانی سے انتقام نہ لے لے گا اور خاندان بابر یہ کا خاتمہ کر کے تختِ دہلی پر قبضہ نہ کر لے گا چن سے نہ بیٹھے گا۔ اس زمانہ میں پیشوا کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا اور اس کی سرداری میں مرہٹوں کی علداری کو جو وسعت حاصل تھی وہ نہ کبھی اس سے پہلے ہوئی اور نہ اس کے بعد حاصل ہوئی اس کی شمالی سرحد اٹک اور ہمالیہ کے پہاڑ تھے اور جنوبی حد جزیرہ نمائے دکن کے پھلے سرے تک یعنی سمندر تک تھی۔ جو جو ملک ان حدود کے درمیان خارج از حکومت تھے وہ باج گزار تھے۔ اب وہ صرف لٹیرے ہی نہیں رہے تھے بلکہ ان میں شانِ شاہانہ بھی پائی جاتی تھی۔ بڑی بڑی عمدہ تنخواہ کے سپہ سالار لوگ تھے اور دس ہزار تو اعدا و سپاہ فرنگستان ان کے پاس تھی۔

دنا کے خون کا بدلہ لینے کے لئے بالاجی نے عین موسمِ برسات میں اپنے چچا زاد بھائی سردار شیوراد بھاؤ اپنے لڑکے بسوا اس راؤ کو بڑے کروڑ کے ساتھ مع تمام دوسرے مشہور سردارانِ مرہٹہ کے ہمراہ شمالی ہند کو روانہ کیا۔ لشکر کے ساتھ فرنگستانی طرز پر تو اعدا و سپاہی، کار آمد و اور بہت بڑا توپ خانہ بھی تھا جس کا افسر بُسی فرانسسی کا تھا اگر دوشید براہیم کر دی تھا جب

یہ لشکر اس شان و شوکت سے اکبر باد میں پہنچا تو سورج مل جاٹ ہلکڑی وساطت سے تیس ہزار سوار لے کر شربک ہو گیا۔ اٹلے راہ میں بکثرت راجپوتوں کی فوجیں بھی شامل ہوتی گئیں۔ مٹھ میں عماد الملک نے بھاؤ کی رفاقت اختیار کی اور یہ سب اکٹھے ہو کر جھنکو اور ملہار راؤ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ چونکہ موسمِ برسات میں جمن پانا کرنا اور احمد شاہ دُرانی سے لڑنا مشکل تھا۔ اس لئے بھاؤ نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے دہلی پر قبضہ کر لینا چاہئے۔ چنانچہ مرہٹے دہلی میں داخل ہوئے اور قلعہ پر حملہ کر دیا۔ یعقوب علی خاں بہمن زائی قلعہ دار نے مقابلہ کیا۔ اور کچھ مرہٹے خضریٰ دروازہ توڑ کر قلعہ میں داخل ہوئے تو درانیوں نے ان کو مار کر نکال دیا۔ پھر اہم کروی نے جھروکہ کی طرف سے نوپ کے گولے مار کر دیوان خاص اور رنگ محل کو کئی جگہ سے توڑ پھوڑ دیا۔ آخر کار یعقوب علی خاں زیادہ عرصہ تک تاب و مقاومت نہ لاسکا اور قلعہ کو مرہٹوں کے حوالے کر کے خود شاہ دُرانی کے پاس چلا گیا۔ مرہٹوں نے قلعہ میں داخل ہو کر خوب لوٹ مار مچائی۔ حتیٰ کہ دیوان خاص کی تقری پھٹ کو بھی اُدھڑا لیا۔ قدم شریف اور حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ میں جو سونے چاندی کا اسباب تھا وہ بھی لے لیا۔ اسی طرح مرہٹوں نے برسات کا موسم دہلی میں گزارا۔ جب برسات ختم ہوئی تو وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا اس وقت بھاؤ نے چاہا کہ بسواس راؤ پسر بالاجی راؤ پیشوا کو تخت دہلی پر بٹھا دے۔ مگر لوگوں نے صلاح دی کہ پہلے شاہ دُرانی کے شخصے سے فرصت پالینی چاہئے۔ بھاؤ نے اس صلاح کو پسند کیا۔ اور شاہجہاں ثانی کو معزول کر کے مرزا جواں نعت علف شاہ عالم عالی گھر کو تخت پر بٹھا دیا اور شجاع الدو کہ کو غائبانہ وزیر مقرر کیا تاکہ احمد شاہ دُرانی ان سے بدگمان ہو جائیں۔ بھاؤ کی ان حرکات سے سورج مل ناراض ہو گیا۔ اور اپنے قلعہ بلب گڑھ میں تماشہ دیکھنے کے لئے جایٹھا۔ دہلی کے انتظام سے مطمئن ہونے کے بعد مرہٹے اول کنج پورہ کی طرف متوجہ ہوئے

جہاں عبدالصمد خاں ابدالی اور مومن خاں - احمد شاہ درانی کی طرف سے قحطانہ دار تھے اور شاہی لشکر کو رسد پہنچاتے تھے۔ کچھ پورہ کا اصلی زمیندار نجابت خاں تھا اور وہ مرہٹوں سے ساز باز رکھتا تھا۔ اس نے عبدالصمد خاں وغیرہ کو میدان میں لڑنے کی ترغیب دی اور خود کچھ پورہ کا حصار کر کے قلعہ داری میں مصروف ہو گیا۔ عبدالصمد خاں کے پاس اگرچہ فوج تھوڑی تھی لیکن وہ نجابت خاں کے اغوا سے بڑی بے بگری سے قلعہ سے باہر نکل کر افواج مرہٹہ پر حملہ آور ہو گیا۔ حریف کی فوج کثیر التعداد تھی اس لئے اس کو پسپا ہونا پڑا۔ اور وہ جنگ کرتا ہوا قلعہ کے دروازے پر واپس آ گیا۔ نجابت خاں قلعہ کے دروازے کو اندر سے بند کر لیا اور فصیل قلعہ سے توپوں کی باڑھ مارنے لگا۔ عبدالصمد خاں بیچارہ مجبوراً قلعہ سے دوہڑھٹ گیا۔ زندگی سے مایوس ہو کر مرہٹوں ہی کی فوج پر حملہ آور ہو گیا۔ اور داد شجاعت دے کر مع اپنے ہمراہیوں کے قتل ہو گیا۔ اس واقعہ کی خبر احمد شاہ دُرانی کو پہنچی تو ان کا غرور و غضب بوش میں آ گیا۔ اور سرداران ہندوستان کو حکم دیا کہ بہت جلد اپنی اپنی فوجیں طلب کر لیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام امراء کی فوجیں اکٹری کر کشاہی سے جا کر مل گئیں۔ جب فوجوں کی ترتیب ہو گئی اور سامان سفر مہیا ہو گیا تو شاہ دُرانی نے مرہٹوں کے لشکر کی طرف کوچ کیا۔ اس وقت بادشاہ کے ساتھ ولایتی اور ہندوستانی فوج کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سوار و پیادہ تھی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ تقریباً تیس ہزار سوار جڑا رشاہ دُرانی کے ساتھ تھے جو کابل سے آئے تھے اور اسی قدر سوار و پیادے حافظ الملک اور ان کے رسالداروں کے ہمراہ تھے۔ پندرہ ہزار پیادہ و سوار کی جمعیت نواب بنجیب الدولہ کی تھی۔ تقریباً بیس ہزار فوج شجاع الدولہ کے ساتھ آئی تھی اور چھ ہزار پیادہ و سوار احمد خاں ٹکٹش اپنے ہمراہ لائے تھے۔ شاہ دُرانی اس تمام فوج کے ساتھ روانہ ہوئے اور متواتر منزل بہ منزل دریائے گنگا کے کنارے پہنچے

چونکہ دریا پایاب نہ تھا اس لئے انھوں نے حافظ الملک اور احمد خاں بنگش - بنجام الدولہ اور نجیب الدولہ اور اپنی فوج کے عبور کے لئے تین پل تیار کرنے کا حکم دیا۔ پل تیار ہو گئے تو کل لشکر بغیر کسی مزاہمت کے دریا پار ہو گیا۔ بہاؤ وغیرہ سرداران مرہٹہ کو شاہ دُرانی کے دریا اترنے کی اطلاع ملی - تو اپنی زبردست فوج کے ساتھ جو تین لاکھ سوار و پیادہ سے زیادہ تھی کچھ پورہ سے روانہ ہو کر بانی پت پہنچ گئے اور شہر کو اپنے پس پشت کر کے جنگ کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ اسی طرح احمد شاہ دُرانی کی فوج لشکر مرہٹہ سے چند کوس کے فاصلہ پر میدان بانی پت میں غیمہ انداز ہوئی پہلے ہی دن سے دونوں لشکروں کے ہر ادلوں میں چھوٹی چھوٹی بھڑپیں شروع ہو گئیں اور ہر ایک بھڑپ میں شاہی فوج مرہٹوں پر غالب ہو جایا کرتی تھی اس صورت حال کو مشاہدہ کر کے بہاؤ وغیرہ کو راولان ولایت کی چابک دستی سے اپنی شکست کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ اور آپس میں مشورہ کیا کہ کچھ عرصہ تک کسی بڑی لڑائی کو ملتوی کر کے پہلے شاہی لشکر کی رسد روکنا چاہئے۔ یہ ارادہ کر کے مرہٹوں نے اپنے لشکر کے چاروں طرف پچاس فیٹ چوڑی اور بارہ فیٹ گہری ایک خندق کھدوا کر ابراہیم کر دی کو اس کے قلعہ شکن توپ خانہ کے ساتھ خندق کی حفاظت پر متعین کیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر چار پانچ جانباز سرداران مرہٹہ لشکر شاہی کی رسد روکنے کی دوڑ دھوپ میں مشغول ہوئے مرہٹوں کی دیکھا دیکھی احمد شاہ دُرانی نے بھی جگل کے پیر کٹوا کر اپنے لشکر کے گرد ایک حصار تیار کرالیا اور ہندوستانی امرا کو لشکر غنیم کے ہر ادلوں کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا حکم دیکر چند دلاہتی سرداروں کو اپنے لشکر کے لئے غلہ کی فراہمی اور مرہٹوں کی رسد روکنے کے لئے روانہ کر دیا اس انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں کے لشکر میں غلہ کا ایک دانہ تک پہنچاؤ دشوار ہو گیا۔

۱۔ گل رحمت اور تانچ نجیب آباد مولفہ مولانا اکبر شاہ خاں میں مرہٹوں کی فوج کی تعداد چار پانچ لاکھ کے درمیان لکھی ہے۔ نواح بانی پت کے عوام الناس یہ مشہور کرتے ہیں کہ بانی پت کے میدان میں مرہٹوں کے نو لاکھ نیزے تھے۔

۲۔ ہسٹری آف دی مرہٹاؤ - گرانت ڈف۔

پشت لشکر سے آلا جاٹ زمیندار سرہند کچھ عرصہ تک ضرور قلعہ بھجٹا رہا۔ مگر ڈرائی اس پر بھی جاگڑے اور مرہٹوں کا قافیہ تنگ کر دیا۔

روہیل کھنڈ پر مرہٹوں کے حملہ کا اندیشہ مرہٹوں کو جب یہ یقین ہو گیا کہ بادشاہی لشکر میں رسد اور اُس کی روک تھام روہیل کھنڈ سے آتی ہے تو بھاؤ نے گوبند پنت بندیلے کو کھاکا کہ وہ اُس کے روکنے کا انتظام کرے۔ گوبند پنت حسبِ احکم پچیس ہزار فوج کی جمعیت ساتھ لیکر دریائے جمن کے کنارے پہنچ گیا اور غلہ کی جو رسد روہیل کھنڈ سے دو آب میں سے ہو کر گذرتی تھی اس کا راستہ مسدود کر دیا۔ حتیٰ کہ اس رسد کے نہ پہنچنے کے باعث لشکر شاہی میں غلہ کی اس قدر گرانی ہو گئی کہ رفتہ رفتہ ہرجس روپیہ کی ایک سپرٹنے لگی۔ رسد کے روکنے کی بیرونی کوششوں سے فارغ ہو کر گوبند پنت کو اندرون روہیل کھنڈ پر بھی حملہ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس خبر کو سن کر حافظ الملک حضور احمد شاہ ڈرائی میں تشریف لے گئے اور جملہ حال بیان کیا۔ اُسی وقت کزیم داد خاں اور شاہ ولی خاں وزیر اعظم کا بھتیجہ حاجی عطائی خاں چھ ہزار دلائی افغانوں کے ساتھ افغانستان سے حضور شاہی میں حاضر ہوا تھا۔ شاہ ڈرائی نے دونوں سرداروں کو حکم دیا کہ گوبند پنت کا سر فوراً ہمارے حضور میں حاضر کریں اور چند ہندوستانیوں کو ان کی رہنمائی کے لئے ساتھ کر دیا۔ یہ دونوں سردار جنہوں نے ابھی اپنے گھوڑوں کی پیٹھ سے زین تک نہیں اتاری تھی اسی طرح اپنے چھ ہزار دلائی سواروں کو ساتھ لے کر ڈیڑھ پہر دن رہے غازی نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔ جو لشکر گاہ سے چالیس کوس کے فاصلے پر تھا۔ اس لشکر نے اول شاہدرہ میں مشنکر راؤ قلعہ دار دہلی کے نائب کو قتل کیا۔ پھر غازی نگر میں مرہٹوں کی ایک بھاری جمعیت کو شکست دی۔ بعد ازاں علی الصباح جلال آباد میں جہاں گوبند پنت مقیم تھا پہنچ گئے اور مرہٹوں پر ٹوٹ پڑے۔ لشکر غنیم پر

ایسے ایسے سخت حملے کئے کہ اس کے دھویں اُڑ اُڑنے اور گوبند پنٹ کا سر کاٹ کر مع بیشمار مال غنیمت آنا فانا میں منظر و منصور واپس ہو گئے۔ بغیر کسی پل یا کشتی کے دریا کو عبور کیا۔ اور اسی روز ہردن باقی رہا تھا کہ لشکر شاہی میں حاضر ہو کر گوبند پنٹ اور اس کے ہمراہیوں کے سر بادشاہ کے قدموں پر ڈال دئے۔ یہ لوگ عجب سوارانِ چابک دست تھے کہ چوبیس گھنٹے کی قلیل مدت میں انہی کو اس کی مسافت آمد و رفت طے کی۔ دو بار دریا نے جہنا کو عبور کر کے دو چھوٹی چھوٹی لڑائیاں جیتیں اور ایک بڑا معرکہ سر کر کے بہت کچھ مال غنیمت کے ساتھ صحیح و سلامت واپس آ گئے۔

رسد کے از سر نو کھل جانے کے بعد احمد شاہ دُرانی نے اپنی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ یہ سمجھا کہ بڑی لڑائی زیادہ سے زیادہ دیر میں شروع ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب محاصرے کو بہت دن گزر گئے تو مرہٹوں کے لشکر میں علاوہ رسد کی تنگی کے غلاطت اور نجاست بھی روز بروز بڑھنے لگی۔ جس سے تنگ آ کر بھاؤ و غیو نے شجاع الدولہ کے ذریعہ کئی مرتبہ شاہ دُرانی سے مصالحت کی سلسلہ جہنمائی کی۔ مگر مرتبہ نواب نجیب الدولہ آڑے آ گئے اور صلح پر رضامند نہ ہوئے۔ ان کا یہ قول تھا کہ احمد شاہ دُرانی کے چلے جانے کے بعد مرہٹے ہمارا نام نشان نہ چھوڑیں گے اور ہم میں سے ہر ایک کو تباہ کر دیں گے۔ پس اس وقت سوا اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ یا تو مرہٹوں کو شکست دیکر ان کو تباہ کر دیں یا خود مر جائیں۔ اس زمانہ میں احمد شاہ دُرانی نے خندق کے سامنے ایک سُرخ خیمہ کھڑا کر لیا تھا۔ جس میں نماز انشراق پڑھتے اور شام کا کھانا کھاتے تھے۔ دن بھر گھوڑے پر سوار ہو کر فوج کے پہروں کو مختلف مقامات پر دیکھتے بھالتے تھے۔ اور ہر روز پچاس

۱۵ سیر المتاخرین ۱۷ ہسٹری آف دی مرہٹاز۔ گرانٹ ڈف۔

۱۷ تاریخ نجیب آباد مولانا اکبر شاہ خاں

ناٹھ پیل سے کم نہ چلتے تھے۔ رات کا یہ عمل تھا کہ پانچ ہزار سواروں کا ایک بگٹ دشمن کی جانب جس قدر قریب ممکن ہوتا لگاتے تھے اور غولٹ کر کے گرد پھرتے رہتے تھے۔

عنایت خاں کا جنگ میں
شریک ہونا

انھیں ایام میں حافظ الملک کے بڑے بیٹے عنایت خاں جن کی عمر عام روایات کے مطابق اس وقت صرف سولہ سال کی تھی اور جن کو حافظ صاحب اپنے نائب کے طور پر بریلی چھوڑ آئے تھے۔ پانی پت کے واقعات سن سُن کر نے جن دہشتاب ہو گئے۔ اور شجاعت کے ننگ و ناموس نے اُن کو آمادہ کیا کہ جس طرح بھی ہو اپنے آپ کو تاریخ ہندوستان کی اس عظیم الشان جنگ میں شریک کریں اور تفاخر کو بین اور آبرو دے دارین حاصل کریں۔ چنانچہ اس ارادے کو اپنے دلیں مستحکم کے بخشی سردار خاں فتح خاں خانساں اور دیوان پہار سنگھ وغیرہ کی سخت ممانعت اور راستوں کے شدید خطرات کے باوصف دو سو مخصوص فدا یوں کے ہمراہ قدم جارت اور گام شجاعت اٹھا کر پانی پت کو روانہ ہو گئے اور بے تحیل تمام خطرات راہ اور مشکلات منازل طے کر کے عین میدان جنگ میں اپنے والد بزرگ و ارکی خدمت میں پہنچ گئے۔ حافظ الملک نے عنایت خاں کی اس جسارت پر بہت مضائقہ دیا اور اندیشی بظاہر ان کو کلمات عتاب آمیز سے مخاطب کیا۔ گو بر باطن اپنے فرزند دلبند کے دیدار محبت آثار سے بہت خوش ہوئے۔ دوسرے روز حافظ الملک عنایت خاں کو شاہ درانی کی ملاقات سے شرف اندوز کرانے کے لئے دربار شاہی میں لے گئے۔ پہلی بات جو بادشاہ نے اپنی زبان گوہر فشاں سے ارشاد فرمائی یہ تھی کہ۔

”اے عنایت خاں تو اپنے پدر و الا نشان کو دیکھنے کے واسطے آیا ہے یا افغانوں کی

شرم و آبرو بچانے کے لئے؟“

عنایت خاں نے جواب دیا کہ۔

”اگرچہ بدر بزرگوار کے ویدار مہارنار کی تمنا خاطر نشین تھی لیکن اصل آرزو جو اس امر کی محک
ہوئی وہ افغانوں کی شرم و آبرو تھی“

بادشاہ شجاعت پسند نے اس جواب کو سنا تو نہایت محفوظ ہوئے اور بہت تحسین و آفرین
کرنے کے بعد ایک خلعت گراں بہا اور شمشیر و اسبِ رحمت فرما کر عنایتِ خاں کو حکم دیا کہ برابر
حضورِ معلیٰ میں حاضر ہوتا رہے۔ اس روز سے عنایت خاں ہمیشہ جنابِ سلطنتِ مآب کی خدمت
میں پہنچ کر باریاب ہوتے اور نوازش ہائے گوناگوں سے سرفرازی پاتے رہتے تھے۔

مرہٹوں سے افغانانِ روہیل کھنڈ کی جھڑپ

اس وقت عام حالت یہ تھی کہ مرہٹوں نے فوجِ درانی
کی جانب سے پیش قدمی کا انتظار اب ترک کر دیا تھا
اور عنایت خاں کی دلیری

اور انھوں نے طھار راؤ ہلکار اور بھاؤ وغیرہ سرداروں کی قیادت میں ۲۹ - نومبر اور ۳۳ - دسمبر ۱۷۶۱ء
کوشاہ ولی خاں وزیرِ اعظم پر دوشید حملے کئے۔ ایک حملے میں وزیر کے گرفتار ہو جانے تک کا
امکان ہو گیا تھا لیکن خود وزیر اور نجیب الدولہ کی دلیری سے دونوں حملوں میں مرہٹوں کو شکست
ہو گئی۔ انھیں حالات میں ایک روز شب کو فتح خاں برادرِ ابراہیم خاں کُروی نے حافظ الملک
کے مورچہ پر شبِ خون مارا۔ لیکن افغانانِ روہیل کھنڈ بروقت بیدار ہو گئے اس لئے کچھ زیادہ
نقصان نہ ہوا۔ صبح تک تلوار چلتی رہی اور مرہٹوں کو شکست کھا کر واپس ہونا پڑا۔ افواجِ مرہٹہ
کی ان دست درازیوں کے باوجود احمد شاہ درانی نے اپنے طریقہ عمل میں تبدیلی نہیں کی
اور اپنی جانب سے مرہٹوں پر کچھ اور مزید عرصہ تک حملہ نہ کرنے کی رائے پر بڑے استقلال
سے قائم رہے۔

لیکن نوجوانِ طبیعتوں میں حزم و احتیاط اور استقلال کا مادہ کہاں۔ ان کی طبائع
پر توجش و خروش کا غلبہ ہوتا ہے۔ ہر روز ایک نئے ہنگامہ کی تلاش اور کوئی نیا کام

کرنے کی دھن ہوتی ہے۔ لہذا اعتنا بیت خاں نے اس روزِ روز کی سرودی محفل سے تنگ آکر ایک دن اپنے ساتھ کسے سپاہیوں اور پنجب الدولہ کے لشکر کے کچھ نوجوانوں کو جمع کر کے حافظ الملک یا بادشاہ سے اجازت حاصل کئے بغیر خندق پھاند کر لشکرِ مرہٹہ پر حملہ کر دیا۔ صد ہا مرہٹوں کو جو بالکل بے خبری میں تھے مار کر ان کے بازار میں سیر کرنے لگے جب گھیر گھار ہوئی تو وہاں سے بھاگ کر توپ خانہ کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر طبل بجانا اور افغانی گانا شروع کر دیا۔ یہ لوگ اسی حال میں تھے کہ افغانوں کی پورش کی خبر سن کر چالیس چالیس ہزار مرہٹے ان پر ٹوٹ پڑے یہ بھی تعداد میں کئی ہزار تھے خوب گھمان کی رٹائی ہوئی ایک ایک افغانی نے دس دس کو مارا بیسکن بالآخر مغلوب ہوئے اور صرف پانچ سون زخموں سے چور ہو کر مرہٹوں کے لشکر سے باہر جان بچا کر بھل سکے۔ جب اپنے لشکر میں آئے تو ان لوگوں کی عجیب ہیئت کذا فی مثنیٰ۔ از سر تپا زخموں کے نشان تھے۔ خون میں نہائے ہوئے اور گرد آلود تھے لیکن لطف یہ ہے کہ اس حال میں بھی رقص کنناں تھے۔ اور دفر بوش میں قوی ترانے گارہے تھے۔ ان بہادر وطن کا گزر شجاع الدولہ کے خیمہ کے پاس ہوا تو وہ ان کو دیکھ کر محو حیرت ہو گئے اور کہا ”آفریں آپ کی جرأت و بہادری پر اور یہ قطعہ پڑھا۔

سعد یار و زانل حسن بہ ترکاں دادند * عقل و دانش ہمہ با مردم یوناں دادند

خوبی و ناز و کرشمہ ہمہ با مردم ہند * جرأت و خود سری و بہل بہ افغان دادند

حافظ الملک کی والدہ کے انتقال کا اثر اس واقعہ کے چند ہی روز بعد حافظ الملک کی خدمت میں یہ خبر پہنچی کہ ہم مکانی رابعہ زمانی یعنی حافظ الملک

ان کی شرکت جنگ پر

کی والدہ ماجدہ نے حافظ آباد پہلی بھیت میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ احمد شاہ درانی نے اس سانحہ جانکاہ کو سن کر اپنے دربار کے تمام سرداروں کو اسی روز مرا سم تعزیت ادا کرنے

کی غرض سے حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور شاہ ولی خاں وزیر اعظم نے اپنے بادشاہ والا جاہ کی طرف سے سخنانِ شہی آئین و تشفی انگیز ارشاد فرمائے اسی طرح تمام ہندوستانی امرا بھی حافظ الملک کے پاس آکر شریکِ غم ہوئے۔ تیسرے روز شاہ دُرانی نے حافظ الملک کو اپنے حضور میں طلب فرما کر خلعتِ تعزیت عنایت کیا اور بہت سے سخنانِ نصیحت آئینِ ارشاد فرمائے۔ دربار شاہی سے واپس آکر حافظ الملک نے اپنی والدہ مرحومہ مغفورہ کی روح پر ایصالِ ثواب کی غرض سے بہت کچھ صدقہ و خیرات کیا۔ لیکن کثرتِ غنوم و ہوم کا ان کے دل پر ایسا غلبہ ہوا کہ جسم پر گرانی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ چند روز تو طبیعت کو سنبھالے رہے اور حسبِ معمول گھوڑے کی سواری اور مورچوں کی خبرداری کرتے رہے۔ لیکن آخر کار تپِ محرقہ میں مبتلا ہو گئے اور دردمس اس حد کو پہنچا کہ سلام ہو گیا۔ تین روز کے بعد تپ میں تخفیف ظاہر ہوئی لیکن دردِ سر میں کمی نہ ہوئی کمزوری بھی حد درجہ کی ہو گئی۔ اسی دورانِ علالت میں ۷۔ جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کا معرکہ عظیم پیش آیا۔ جس میں حافظ الملک شریک نہ ہو سکے ان کی جگہ عنایت خاں۔ دوندرے خاں اور فیض اللہ خاں نے کام کیا۔

فیصلہ کن جنگ۔ عنایت خاں اور دیگر سرداروں کی جاں بازی و بہادری

۴۔ جنوری ۱۷۶۱ء کو تمام سردار ان مرتبہ نے باہم مشورہ کیا اور ایک بڑی لڑائی کو آئندہ ٹالنے میں سوائے اپنی پریشانی اور خرابی کے کچھ فائدہ نہ بھکر کھلے میدان میں ٹھکر جنگ کرنے کا ارادہ کر دیا۔ تمام سرداروں نے پان کا بیڑا کھا کر لڑنے مرنے پر قسم کھائی اور سارے لشکر میں حکم سنا دیا گیا کہ کل صبح کو لڑائی ہے۔ پٹھانوں کی قلتِ تعداد اور اپنی کثرت کو دیکھ کر مہٹوں کو بجا طور پر یہ امید ہونی چاہئے تھی کہ ان کی ہی فتح ہوگی۔ لیکن نہ معلوم کیوں لشکرِ مرہٹہ کے فائدہ اعظم بھائو کے دل پر حسرت و یاس کا ہجوم تھا اس لئے اس نے آدمی رات کے

وقت کا شی راؤ کے ذریعہ خاص اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک خط شجاع الدولہ کے پاس بھیجا جس میں لکھا تھا کہ۔

”اب پیالہ ببال ہے ایک بوند کی اس میں سمائی نہیں۔ اگر بن پڑے تو فوراً کچھ کیجئے“

خط کے ساتھ ہی شجاع الدولہ کو اپنے ہر کاروں سے یہ خبر ملی کہ مہٹے حصار سے محکم میدان کی طرف بڑھ رہے ہیں اس خبر اور خط کو لیکر شجاع الدولہ سید احمد شاہ درانی کے خیمہ میں گئے۔ اس وقت بادشاہ سو رہے تھے اور ان کا گھوڑا کسا گیا بالکل تیار خیمہ کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ شجاع الدولہ نے ان کو بیدار کر کر مہتوں کے میدان جنگ میں روانہ ہونے کی خبر سنائی۔ بادشاہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر شجاع الدولہ کے ساتھ دشمن کی طرف آہستہ آہستہ روانہ ہوئے اپنے کیمپ سے باہر آئے تو ایک ملازم کے ہاتھ میں حقہ تھا جس کو وہ پیتے جاتے تھے انھوں نے بچتم خود مہتوں کو میدان میں جمع ہوتے دیکھ کر شجاع الدولہ سے فرمایا کہ ”اچکی اطلاع صحیح ہے“ اور اپنے لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ اس وقت ایک پہرہات باقی تھی جس کو دونوں لشکروں نے اپنی اپنی تیاری میں بسر کیا ۵

’کئی رات تدریس و سامان میں چہ سحر ہو گئی آن کی آن میں‘

علی الصبح ۷۔ جنوری ۱۱۷۷ھ کو سردار شیوراؤ بھائو نے فوج کی ترتیب مکمل کر کے بہ کمال جاہ و شہم ہاتھی پر سوار ہو کر اپنی فوج کو لشکر درانی کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ ابراہیم خاں گروہی کو بے شمار توپ خانہ اور قریب قریب تمام پیادہ لشکر کے ساتھ آگے رکھا۔ باقی بڑے بڑے سرداروں کو میمنہ۔ میسرہ اور قلب لشکر میں متعین کیا۔ تھوڑی دیر میں سب سے پہلے ابراہیم خاں گروہی نے حافظ الملک کے مورچوں کی جانب ہنگامہ آرائی شروع کی۔ اس

کی وجہ یہ ہوئی کہ امراء ہندوستان کو جس روز سے حضور شاہ سے مورچہ بندی کا حکم صادر ہوا تھا۔ سب سرداروں نے باہمی صلاح و مشورہ سے مورچوں کی تقسیم آپس میں اس طرح کر لی تھی کہ شجاع الدولہ اور غیب الدولہ ملہارا اور ہلکرا اور جھنکو کے مقابل۔ اور حافظ الملک اور احمد خاں بنگلش وغیرہ ابراہیم خاں گردی اور چند دیگر سرداران مرہٹہ کے مورچوں کے مقابل متعین ہوئے۔ مورچوں کی اتنی تقسیم کی بنا پر جب ابراہیم خاں گردی نے اپنے توپ خانہ کے ساتھ جنبش کی تو وہ اول اول حافظ الملک ہی کے مورچوں کی طرف متوجہ ہوا اور بیک وقت اپنی تمام توپوں کے منہ کھلوا کر آتشیں گولے برسا کر شروع کر دیئے۔ حافظ الملک کی جانب سے غنایت خاں۔ دوندے خاں اور فیض اللہ خاں وغیرہ ان کے مورچوں کی قیادت کر رہے تھے۔ یہ لوگ بھی مدافعت نہ جنگ میں کوشش کرنے لگے۔ اور ابراہیم خاں گردی کے قریب تر پہنچنے کے انتظار میں توپوں کی زد سے مقتولین و مجروحین کی کچھ پروا نہ کر کے نہایت نبات و استقلال کے ساتھ میدان میں قدم ہائے رہے۔ ابراہیم خاں گردی فن گولہ اندازی میں گویا سحر سامی کا عامل تھا۔ توپ و گولہ کے قلعہ آتشیں کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ اور افغانوں کو ہلک مارنے اور قدم اٹھانے کی فرصت نہ دی۔ چنانچہ ہزاروں افغانانِ روہیل کھنڈ گشتہ و مجروح ہوئے۔ اور اس پر آشوب وقت میں سر اسیمہ و پریشان ہو کر پسا ہونے لگے۔ اور احمد خاں بنگلش سے جو گولوں کی زد سے کچھ ہٹے ہوئے متعین تھے جا ملے۔ نواب احمد خاں نے ان لوگوں کو وطن و تشنہ کر کے اپنے ہمراہ لیا اور غنایت خاں کی کمک پر جوہر اول لشکر تھے روانہ ہوئے۔ ابھی غنایت خاں کے لشکر میں پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ اس عرصہ میں غنایت خاں نے اپنے لشکر کی پریشانی دیکھ کر بہ سرعت تمام بڑی دلیری اور شجاعت کے ساتھ فوجِ غنیم پر چل کر دیا ان کے ہمراہیوں میں سے جو لوگ توپ و تفنگ کے

صفتِ شکنِ مہمات سے زندہ بچ سکے انھوں نے شمشیر و خنجر سے ایسی مردانہ کوشش کی کہ ابراہیم خاں کرودی کی صفوں کو منتشر ہو کر اور توپ خانہ کو چھوڑ کر شکست کھانا پڑی۔ عنایت خاں اس کے توپ خانہ پر متصرف ہو گئے اور اسی توپ خانہ کو ان کے ہمراہی افغانوں نے دشمن پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ بھاؤ وغیرہ جو ابراہیم خاں کی پشت پر کھڑے ہوئے حالات جنگ کا مشاہدہ کر رہے تھے ابراہیم خاں کی مدد کو آ گئے۔ اور آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ افغانوں کے سر پرچو ابھی دم بھی نہ لینے پائے تھے ٹوٹ پڑے یہ حملہ افغانوں پر ایسا شدید تھا کہ ہر چند انھوں نے مدافعت میں کوشش کی ہزاروں سواران مرہٹہ کو گھوڑوں پر سے اتار آمار کے قتل بھی کیا۔ لیکن پھر بھی ان کی جماعت کو منتشر ہونا پڑا۔ تاہم عنایت خاں کے پائے استقلال کو جھنش نہ ہوئی اور وہ دوندے خاں۔ فیض اللہ خاں۔ شیخ کبیر اور سید معصوم شاہ وغیرہ جاں باز اور نامور رسالداران روہیل کھنڈ کے ساتھ مدافعت و محاربت میں مشغول رہے۔ اس نازک موقع پر نواب احمد خاں بنگش نے بڑا کام کیا تمام بھاگے ہوئے افغانوں کی دلہری کر کے اور ان کو اپنے ہمراہ لاکر عنایت خاں کی کمک کو پہنچ گئے۔ جس سے عنایت خاں اور ان کے ہمراہیوں کے سروں سے فوری موت ٹل گئی اور وہ تھوڑی دیر اور دل کھول کر شمشیر زنی کر سکے اس وقت ان لوگوں نے ایسے ایسے عظیم الشان کارہائے رستمانہ انجام دیے کہ سارا میدان جنگ اللہ اکبر اور عنایت خاں زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا۔ لیکن اس بہادری کے باوجود فوجِ فہم کی کثرت سے کچھ پیش نہ گئی اور افغانوں کا معاملہ مشکل میں پڑ گیا۔ اس وقت شاہِ درانی ولایتی فوج کے ہمراہ ایک اونچے ٹیلہ پر کھڑے ہوئے میدانِ جنگ کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب افغانان روہیل کھنڈ کی ضعیف اکالی ملاحظہ کی تو میدانِ جنگ سے نظر ہٹا کر اپنے قریب کے ولایتی سرداروں پر ایک نگاہ ڈالی۔ حاجی عطائی خاں سامنے کھڑے تھے۔ حکم دیا۔

”برو کمک عنایت خاں بکن“

حاجی عطائی خاں حکم پاتے ہی فوراً اپنے چھ ہزار سواروں کے ساتھ فوج افغان اور لشکرِ مہم کے درمیان داخل ہو گئے۔ پہلے ایک فیر بند و قوں کا کیا جس سے فوجِ غنیم میں کچھ انتشار پیدا ہوا۔ پھر شمشیر زنی شروع کی اور آناً فاناً تین گروہ مخالف میں تھمک ڈال دیا۔ اسی کشت و خون میں حاجی عطائی خاں مارے گئے۔ حاجی عطائی خاں احمد شاہ درانی کی فوج میں ایک نوعمر خوبصورت۔ نہایت جری۔ مستقل مزاج۔ صادق القول اور انتہا سے زائد بہادر شخص تھے۔ حاجی عطائی خاں کے بعد شاہ درانی نے شاہ پسند خاں کو چھ ہزار کی جمیعت کے ساتھ روانہ کیا وہ بھی بہت کچھ داد و تحاشات دے کر قتل ہوئے۔ جس وقت یہ واقعات روہیلوں کے مورچہ پر پیش آرہے تھے۔ نواب نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کے مورچہ کی یہ کیفیت تھی کہ اس پر ہماواجی سیندھیا اور لہار اور لکھرو دونوں نے ملکر حملہ کیا تھا مگر نجیب الدولہ کی فوج نے بڑے استقلال و بہادری کے ساتھ مقابلہ کر کے لہار اور لکھرو کو تو شروع ہی لڑائی میں بھگا دیا۔ اور ہماواجی سیندھیا بھی بعد جنگ و پیکار بسیار راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ نواب نجیب الدولہ دستِ پشمیر ہو کر اور خدا پر بھروسہ کر کے مع اپنے جاں نثار و فاداروں کے مرہٹوں کی فوج پر جا پڑے۔ ہماو اور بشواس رائے نے اس جانب شکست ہوتی دیکھ کر بنیں ہزار تازہ دم فوج کو حملہ کرنے کا حکم دیا اس وقت نواب نجیب الدولہ اور ان کی فوج نے سینہ سپر ہو کر خوب حق مردانگی ادا کیا تمام میدان اور زمین و آسمان تاریک نظر آتے تھے۔ خاک ہوا میں اس قدر اڑی تھی کہ آفتاب نظروں سے غائب تھا۔ زمین پر خون کے ندی نالے بہ رہے تھے گویا غبارِ برِ خونبار تھا جس میں تلواریں مثل بجلی کے چمک رہی تھیں بڑے کشت و خون کے بعد مرہٹوں کو شکست ہوئی اور نجیب آباد کے پٹھانوں نے دس کوس تک ان کا تعاقب کیا۔

حاجی عطائی خاں اور شاہ پسند خاں کی ولایتی فوج نے بھی جس نے اپنے سواروں

مارے جانے سے میدان نہیں چھوڑا تھا جو جس انتقام میں لشکرِ مرہٹہ کے جنموں میں آگ لگا دی اور ڈیروں کو تاخت و تاراج کر دیا۔ بھاؤ وغیرہ بڑے بڑے سردار ان مرہٹہ اپنے ڈیرے جنموں کی تاخت و تاراج کی خبر سُن کر سرِ اسیمہ و مضطرب ہو گئے۔ وہ ابھی اسی فکر میں تھے کہ شاہِ دُرانی نے اپنے غلاموں کے ایک دستے کو حکم دیا کہ سردار ان مرہٹہ جو ایک جگہ کھڑے ہوئے ملکی فوجیں بھیجنے کی تجویزیں کر رہے ہیں ان پر ایک فیر بند و قوں کا کریں اس کے بعد تلواریں نکال کر دشمن کو قتل کرنا شروع کر دیں۔ غلاموں کا دستہ حسبِ احکمِ حکم کر کے گھس گیا اور جہاں بھاؤ و سواس راؤ۔ رگھناتھ راؤ شمشیر بہادر اور جھنکو وغیرہ بکثرت سردار ان مرہٹہ کھڑے ہوئے تھے پھر کمر بند و قیں چھوڑ دیں۔ بنائیدار آئی و اقبال شاہی مرہٹوں کے قریب قریب تمام نامور سردار مع بھاؤ ہدفِ تیر تقدیر بن گئے اور ہاتھیوں کے حوضوں میں بند و قوں سے گولیاں کھا کھا کر گر گئے۔ اس وقت ایک طرف سے فوجِ دُرانی شمشیر بکف مرہٹوں کے قتل پر پل پڑی اور دوسری طرف افغانانِ روہیل کھنڈ جو ملک کے منظر تھے فوجِ شاہی کے ہمراہ دشمنوں کے قتل میں مصروف ہوئے کشتوں کے پُشتے لگ گئے اور مرہٹہ فوج اپنے سرداروں کے قتل ہونے سے حیران و پریشان ہو کر میدانِ جنگ سے مُنہ موڑ کر نائل فرار ہو گئی۔ اس حال کو مشاہدہ کر کے احمد شاہِ دُرانی نے حکم دیا کہ مفردین کا دہلی تک تعاقب کیا جائے اور جس مرہٹہ کو جہاں پاویں قتل کریں۔ اسی اتنا ر میں حافظ الملک بھی پانکی میں سوار

۱۱ تاریخِ افغانستان موسوم بہ نقشِ سلیمانی کے مولف لکھتے ہیں کہ بھاؤ کا قتل عنایت خاں کے ہاتھ سے ہوا چنانچہ ان کی تحریر ہے۔

”عنایت خاں نے اسی دارِ گیر میں بعدِ جنگ و جدال بسیار اپنے آپ کو اس گروہ میں کہ جس کا بھاؤ افسر تھا زبِ اس کے پہنچا بھاؤ نے اولاً نذرِ عنایت خاں پر مارا۔ عنایت خاں نے ازراہِ چالاکی دہستی اپنے آپ کو نیزے کی آبی سے بچا کر بھاؤ اس کا بغیر تمام ہاتھ سے پکڑ کر ایسا جھکا دیا کہ بھاؤ پشتِ اس پ سے اکھڑ کر فرشِ زمین پر گرا۔“

دشمنِ عنایت خاں و در اس جنگ ۶ اہلِ گفنا میر بھاؤ تَر اس

عنایت خاں نے جب کشتی سے سرساکا لاکر اوٹیل فتح جو کہ معاودت کی۔ ذراں بعد عنایت خاں نے حاضر ہو کر بھاؤ احمد شاہِ دُرانی کی پیش کش کیا۔“

ہو کر میدان جنگ میں تشریف لائے اور عنایت خاں اور فیض اللہ خاں وغیرہ سردارانِ روہیل کھنڈ کو بجزیت و سلامت پا کر نہایت مسرور و محفوظ ہوئے۔ عنایت خاں کا یہ حال تھا کہ زرموں سے چور تھے لیکن تلوار ہنوز ہاتھ میں تھی کیونکہ کثرتِ شمشیر زنی سے ہاتھ و دم گرم کیا تھا اور اس میں اس قدر خون جم گیا تھا کہ تلوار کا قبضہ چپک کر رہ گیا تھا۔ ولایتی فوج اور امرائے ہندوستانی کی سپاہ مرہٹوں کا تعاقب کرتی ہوئی دہلی تک گئی جو وہاں سے تین دن کی راہ پر تھی۔ میدانِ پانی پت میں اور اس تین روز کے عرصہ میں ڈولا کھ سے زائد مرہٹے مارے گئے باقی زخمی ہوئے اور کل لشکر میں سے صرف ایک چوتھیا فی جان بچا کر بھاگ سکے۔ جو دو تین سردار بہ ہزار خرابی اپنی جان بچا سکے۔ ان میں ملہار راؤ کھکر اور مہاداجی سیندھی بھی شامل تھے۔ ملہار راؤ سابقہ احسانات کی وجہ سے نجیب الدولہ کی چشم پوشی سے بچ گیا۔ سیندھی پارہ واقعہ گزرا کہ ایک ولایتی سوار نے ساتھ کوس تک اس کا تعاقب کر کے پاؤں میں گولی کی ضرب ماری۔ جب وہ زخمی ہو کر گھوڑے سے گرا تو صرف اس کا ساز و سامان لے لیا جان سے نہیں مارا۔ لڑائی کے بعد تمام سردارانِ افغان کو جھنکو کی بہت تلاش تھی کہ مارا گیا یا فرار ہوا۔ جھنکو کا یہ حشر ہوا کہ عام بھاگڑ میں وہ بھی ایک تیز رو گھوڑے پر نہ بھاگا ہوا جا رہا تھا کہ اس کے زیورات طلائی اور اس کی جواہرات سے جڑی ہوئی تاجِ نمالہ پر ہمراہیانِ عنایت خاں میں سے ایک افغان کی نظر پڑی۔ کلاہ کے لالچ میں فوراً اپنا گھوڑا جھنکو کے پیچھے ڈال دیا جھنکو نے جو دیکھا کہ سوار بہ ارادہ قتلِ تعاقب کئے چلا آتا ہے۔ خوفِ جان اپنے گھوڑے کو اور نیز کر دیا۔ لیکن سوار کو طبع کلاہ نے باز نہ رکھا، بچا ہی کئے چلا گیا تیس کوس پر جا کر افغان بلائے ناگماں اور قابضِ ارواح کی طرح جھنکو کے سر پر نازل ہو گیا۔ پہلے ایک

۱۔ عنایت خاں سو مشہور ہیں ان کے ہاتھ اس قدر لالہ بنے تھے کہ گھٹنوں سے بھی نیچے تھے جس کے باعث تلوار چلانے میں وہ اپنے زمانہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

۲۔ ہسٹری آف مرہٹاؤں۔ گرانٹ ڈف۔ پانی پت کی یہ لڑائی مہابھارت کے بعد سب سے بڑی دہائی خیال کی جاتی ہے۔

ہاتھ تلوار کا مارا تو اس سے جھٹکے گھوڑے کی گردن کے دو ٹکڑے ہو گئے جس کی وجہ سے جھٹکوزین پر گر پڑا دوسرے ہاتھ میں افغان نے جھٹکے کا سر کاٹ لیا اھ کلاہ وزیر وغیرہ کے ساتھ سر کو لے کر شاہ کام اپنے لشکر کی طرف واپس آیا۔ قریب کرناں پہنچا تو کلاہ کو گوبر کے ایک ڈھیر میں چھپا کر جھٹکے کے سر کو عنایت خاں کے روبرو لاکر پیش کر دیا۔ عنایت خاں نے کہا۔

”خاں۔ جھٹکے کا سر تم کاٹ لائے اور اس کی کلاہ کون لے گیا۔“

چونکہ یہ لوگ راست بازی میں مشہور تھے۔ افغان نے کہا۔

”اس کی کلاہ کو ہم لے گوبر میں چھپا دیا ہے وہ بہت اچھی ہے آپ لے لے گا“

ہیں نہیں دے گا“

عنایت خاں نے کہا نہیں تم کلاہ لے آؤ ہم تمہیں بہت سی انٹرفیاں دیں گے۔ افغان جلد واپس گیا اور کلاہ لاکر پانچویں انٹرفیوں کے عوض عنایت خاں کو حوالہ کر دی۔ اسی روز عنایت خاں نے جھٹکے کا سر شاہ دُرانی کو نذر کیا جس کو دیکھ کر بادشاہ بہت خوش ہوئے اور عنایت خاں کی پیٹھ ٹھونک کر فرمایا کہ

”ایں نفع بنام تو نہ آدم مبارکباد۔ آفیں بر تو و رحمت خدا بر پدر تو“

شاہ دُرانی کے حکم سے مرہٹوں کا لشکر لوٹا گیا تو سو اکھانے کے سامان کے ہر قسم کا اسباب موجود تھا۔ نیچے اور بازار ہر طرح کے مال سے بھرے ہوئے تھے۔ سیرالشاخین میں مرقوم ہے کہ جواہرات۔ نفود و جنس اور توپ خانہ کے علاوہ اس معرکہ میں افغانوں کو دو لاکھ بیل۔ کئی ہزار اونٹ۔ پانچ سو ہاتھی اور پچاس ہزار گھوڑے ہاتھ لگے۔ جام جہاں نما میں لکھا ہے کہ میدان جنگ کے بھاگے ہوئے مرتھے ایسے مفلوک الحال تھے کہ ان میں سے بیس ہزار مدت تک برہنہ بھیک مانگتے پھرے۔ آخر کار سورج مل جاٹ نے ہر ایک کو ایک ایک کبیل اور

دو دو روپے دے کر دکن کو روانہ کیا۔ دوسرے راجپوت سرداروں نے بھی یہی سلوک کیا اور بارہ ہزار مرہٹوں کو شجاع الدولہ نے دو دو روپے دلا دئے جو کالپی کی طرف چلے گئے۔ مرہٹوں کو ایسی بھاری شکست کبھی پیش نہ آئی تھی۔ اس شکست کی ملک کے طول و عرض میں شہرت ہو گئی تمام مرہٹہ قوم میں گھر گھر صفت ماتم پھیل گئی اور ایک عام مایوسی چھا گئی۔ بالاجی پیشوا بھی اس صدمہ سے چند روز کے بعد مر گیا اور اس کی موت کے ساتھ ہی مرہٹوں کا آفتاب اقبال بھی ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ برعکس اس کے احمد شاہ درانی کو ایک ایسی فتح عظیم حاصل ہوئی کہ جس کو عظیم ترین فتوحات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس فتح کی غلام علی آزاد نے تاریخِ نظم کی ہے۔

شاہ بہادر اپس از تابکشت کرد در آغاز و در انجام فتح

صور نانی خامہ تاریخش نواخت * شاہ درانی منودہ باز فتح

یہ جنگ عظیم، جنوری ۱۷۵۷ء مطابق ۶ جمادی الآخر ۱۱۵۷ھ کو بدھ کے دن واقع ہوئی تھی ایک ہندی تاریخ کتنے والے نے بھی حسب ذیل تاریخ کہی ہے۔

گیارہ سو چونتیس دن بدھ پڑا جہاں ۶ چھٹی جمادی الثانی کو مشہ جیتا بھاؤ ہارا

واقعات بعد از جنگ [چونکہ اس جنگ میں ابراہیم خاں گردی کے ہاتھ سے افغانان

روہیل کھنڈ پر بہت تباہی آئی تھی اس وجہ سے احمد شاہ درانی نے تاریخِ فتح سے اس کی تلاش پیش نظر رکھی۔ چند روز کے بعد خبرداروں نے اطلاع دی کہ وہ افغانان روہیل کھنڈ کے پاس مقید ہے شاہ درانی نے اس کا حال حافظ المکات سے دریافت کیا انھوں نے بتھاکے رحم دلی اول اول انکار کیا۔ بادشاہ نے قسم کھانے کے واسطے فرمایا تب حافظ المکات نے مجبور ہو کر اقرار کر لیا اور ابراہیم خاں کو حضور شاہ میں روانہ کر دیا لیکن اس کے لڑکے کو مخفی طور پر رہا کر دیا۔ چونکہ شاہ درانی اس سے قبل کئی مرتبہ ابراہیم خاں گردی کو پیغام اطاعت دے چکے تھے اور اس نے ہر مرتبہ اپنے آظمر ہٹوں کے خلاف نمک حرامی کرنے سے انکار کر دیا تھا

اس لئے بادشاہ نے افغانوں کے خون کے بدلے میں سے قتل کرادیا۔ غازی الدین خاں
 عداد الملک جو اس بڑی لڑائی کا بانی مہمانی تھا اس کا دورانِ جنگ میں کیس ذکر رہی نہیں آیا۔
 وجہ یہ ہوئی کہ ابتدا ہی میں اس نے مرہٹوں کی آنے والی تباہی کو تاڑ لیا اور میدانِ جنگ
 سے کھسک گیا۔ کچھ دنوں سورج مل جاٹ کے ساتھ بھرت پور میں رہا پھر دکن چلا گیا
 اور بیس سال تک بھیس بدلے مارا مارا پھر کیا اس آوارہ گردی میں کوئی کام ایسا نہ کیا جس
 سے تاریخ میں اس کا ذکر آتا ۱۷۹۰ء میں انگریزی پولیس نے گرفتار کیا تو اس کا حال معلوم ہوا
 اور گورنر جنرل کے حکم سے مکہ معظمہ بھیج دیا گیا۔ آخر عمر میں اس نے پھر ہندوستان آکر احمد شاہ
 ابدالی کے جانشین تیمور شاہ سے اخلاص پیدا کیا اور ملتان کے صوبہ دار سے یارِ اہل جوڑا۔
 یہاں آکر پیامِ موت نہ آجاتا تو ضرور کوئی نہ کوئی نیا فساد کھڑا کرتا۔

احمد شاہ درانی کی مراجعت قندھار
 حافظ الملک کی سفارت پر شجاع الدولہ
 سے بدگمانی کا ارتفاع
 جنگ کے بعد احمد شاہ درانی نے تقریباً ایک ہفتہ
 تک میدانِ پانی پت میں ٹھہر کر اپنا سامان سفر
 درست کیا جب سب انتظامات مکمل ہو گئے تو

دہلی کی طرف کوچ کیا اور بڑے جاہ و جشم کے ساتھ مع جملہ امراء ہند شہر میں داخل ہوئے
 قبل درواغی قندھار تمام سردارانِ افغان کو آپس میں متحد و متفق رہنے کی نصیحت کی لیکن وہ شجاع الدولہ
 کے طرزِ عمل سے مطمئن نہیں تھے اس لئے ایک روز غلیہ میں حافظ الملک سے ارشاد کیا کہ۔

”میرا ارادہ ہے کہ شجاع الدولہ کو اپنے ہمراہ ولاایت کو لے جاؤں اور اپنے امراء دربار کے
 زمرہ میں منسلک کروں تاکہ سلطنتِ ہند میں قومِ افغان کے سرداروں کے سوا دوسرا
 کوئی نہ رہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کس وقت اس شخص کے ہاتھ سے تم لوگوں پر بلا
 نازل ہو۔“

حافظ الملک نے جو شجاع الدولہ کو اپنا مدد و معاون سمجھتے تھے فرمایا کہ۔

”میرے اور صفدر جنگ کے درمیان جو اسم یک جہتی قائم ہو گئے تھے وہ زباں زد عالم ہیں اور شجاع الدولہ نے بھی اس وقت تک ہماری موافقت سے سرتابی نہیں کی ہے اگر جہاں پناہ اس کو ولایت لے جائیں گے تو اس اشتر کی تمام ملک میں بدنامی ہو جائے گی کہ ایک شخص غیر جو ہمارے درمیان باقی رہ گیا تھا اس کو بھی ملک ہندوستان سے خارج کر دیا۔“

بادشاہ نے طوعاً و کرہاً حافظ الملک کی اس سفارش کو قبول کر لیا اور شجاع الدولہ کو تاکید اکید فرمائی کہ شاہ عالم بادشاہ کی جو اپنے باپ عالمگیر ثانی کے شہید ہونے سے قبل بنگال کی طرف چلے گئے تھے فرماں برداری کریں۔ بعد ازاں شاہ درانی نے شاہ عالم بادشاہ کی وزارت کا عہدہ شجاع الدولہ کو سپرد کیا اور شاہ عالم کے لڑکے مرزا جواں بخت کو نائب السلطنت مقرر کئے نواب نجیب الدولہ کو منصب امیرالامرائی پر فائز کیا۔ اور حکم دیا کہ شاہزادے کے ساتھ دہلی میں مقیم رہیں۔ نواب احمد خاں بگیش کو منصب بخشی گری پر ممتاز کیا۔ اور حافظ الملک کو اپنی جانب سے بادشاہ ہندوستان کے پاس وکیل مطلق یا مختار کل مقرر فرمایا۔ اسی طرح تمام دوسرے امراء کو مناصب و خلعت ہائے سرفرازی عطا کئے۔ چونکہ جنگ پانی پت میں عنایت خاں اور دوندے خاں سے جدوجہد بے قیاس اور عظیم المثال بہادری بھری تھی اس لئے سرکارِ اٹا وہ عنایت خاں کو اور شکوہ آباد و دوندے خاں کو بھرا انعام عطا فرمایا گیا۔ جاگیر کے علاوہ عنایت خاں کو منصب ہفت ہزاری خلعت واسپ خطاب نوابی۔ اور نوبت و علم بھی مرحمت کئے گئے۔ اس غیر معمولی سرفرازی کے وقت عنایت خاں نے اپنی عمر کے سترھویں سال میں قدم رکھا تھا۔ قطعاً

پر طاؤس در اوراق مصاحف دیدم کہ گفتہ ام منزلت از قدر تو می بینم بیش
گفت خاموش کہ ہر کس کہ جہا لے دارد بہ ہر کجا پائے نہد سر بگذاردش پیش
مذکورہ بلاعطیات سے ہر شخص کو مطمئن اور شاد کام کرنے کے بعد ۱۶ شعبان ۱۰۲۷ھ کو
اپنی فح سے کوئی ذاتی فائدہ اٹھائے بغیر شاہِ دُرّانی معاودت فرمائے قندھار ہو گئے۔
کاش اس موقع پر احمد شاہِ دُرّانی بابر کی طرح تختِ دہلی پر خود قبضہ کر لیتے تو ہندوستان میں
دو تین صدی کے لئے اور ایک طاقت ور اسلامی خاندان کی حکومت قائم ہو جاتی لیکن
جس قوم پر ادا روزِ وصال آنے والا ہوتا ہے اس کی تقدیریں اسی طرح بن بن کر بڑھ جاتی ہیں
تہی دستاںِ محنتِ راجہ سودا ز رہبہر کامل
کہ خضر از آبِ جواں تشنہ می آرد سکندر را

جنگِ پانی پت کے بعد
حافظ الملک کی بریلی کو
واپسی

احمد شاہِ دُرّانی کے قندھار روانہ ہونے کے بعد شجاع الدولہ اور
نواب احمد خاں بنگش اپنے اپنے علاقوں کو چلے گئے اور نجیب الدولہ
شاہزادہ جواں بخت کے حضور میں دہلی ہی میں منقیم ہو گئے۔
حافظ الملک بھی دوسرے امرار رو پہل کھڑکے ساتھ نہایت شان و شوکت کے ساتھ
عازمِ بریلی ہوئے۔ شہر کے قریب پہنچے تو بخشی سردار خاں - فتح خاں خاناماں وغیرہ رسالداروں
کے علاوہ حضرات - سادات - علما و فضلا اور ہزار ہا مالیان شہر نے حاضر خدمت ہو کر
مراسمِ تہنیت و مبارک باد فتح ادا کئے اور وہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ شہر میں داخل

۱۵۰۰ء میں وقتِ شجاع الدولہ کا کنگ جگ پانی پت میں شریک ہونے کے لئے جہاز ہاتھ آتو جوا سکندر کے میدان میں اسکو
اکڑ لائیں بڑی ہوی لیں۔ جن میں ایک جواں سہ سال کی لاش مکلف لباس سے آراستہ مویں تاب کھلتے۔ (۱۵۰۰ء)
کشادہ بڑی تھی مطلق پوشیدہ نہیں ہوی تھی۔ اسی طرح جب کافی عرصہ کے بعد اس لشکر کا پانی پت سے واپسی کے وقت
اس مقام سے گزر ہوا تو لاش مذکورہ بچنے صحیح و سالم ملی دوسری لاشوں کا پتہ و نشان بھی نہ رہا تھا۔
اہل لشکر نے کہا کہ یہ شہید ہے اور ملا عباس نے لاش کو اسی لباس میں جس سے وہ ملبوس تھی دفن
کر دیا۔ (سیر المتاخرین)

ہوئے۔

حافظ الملک کا پہلی بھیت
میں درود

چند روز بریلی میں قیام کے بعد اواخر ۱۲۷۱ء میں حافظ الملک
پہلی بھیت تشریف لے گئے اول اپنی والدہ کی قبر پر گئے۔ ان کی

روح پر فتوح پڑا فتح پڑا ہلکا نقد و جنس نے شمار بطریق خیرات اہل استحقاق کو عطا کیا اور حکم دیا کہ ہر روز
اسی قدر روپیہ کاکھانا تیار ہو کر نقد وصولی اور ملکا کو بھیجا جاتا رہے۔ چند خطا کے بھی قرآن خوانی کے
لئے وظیفے مقرر ہوئے۔ چنانچہ حافظ الملک کی حین حیات تک یہ طریقہ جاری رہا۔ فاتحہ اور دعا
طلب رحمت و آمرزش اور مراسم خیرات وغیرہ ادا کرنے کے بعد دولت سرا میں داخل
ہوئے۔ آئندہ کے لئے حافظ الملک نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ جب کسی سفر یا ہم سے بخیریت
واپس آتے تو سب سے پہلے قبر مذکور پر حاضر ہوتے اور ادائے نذر و سلام سے سعادت
اندوز دارین ہوتے۔ جب کبھی اس امر کا موقع نہ ملتا اور والدہ کی جائے سکونت خالی نظر
پڑتی تو بہت رقت طاری ہوتی اور مضطربانہ سب کام چھوڑ کر ان کی قبر پر پہنچنے کی کوشش
کرتے جس سے سکون قلب نصیب ہو جاتا تھا۔

پہلی بھیت میں آئے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا اور والدہ کی وفات کا غم
فراموش نہ ہوا تھا کہ منجھلے صاحبزادہ ہمت خاں کے انتقال کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ حافظ الملک
ان حادثات کے پیش آتے پر بھی اپنے ملک کے بہبود و ترقی کے کاموں سے غافل نہ رہے
اور چند عینے آرام کرنے کے بعد ان کی کوششیں تخییر اٹا دے اور شکوہ آباد کی طرف رجوع ہو گئیں۔

۱۲۷۱ء حافظ الملک کی والدہ کا انتقال ۱۲۷۱ء میں بمقام پہلی بھیت ہوا تھا اور وہیں دفن ہوئیں۔ ہمت خاں
کا دفن بھی پہلی بھیت میں ہے لیکن قبروں کا مجمع نشان نہیں معلوم ہوا۔

(۱۸)

تسخیرِ اٹاؤہ و شکوہ آباد

اٹاؤہ اور شکوہ آباد کے یہ وہی علاقے تھے جن کو شاہِ درانی نے قندھار جاتے وقت عنایتِ خاں اور دومندے خاں کو عطا کیا تھا اس لئے ممکن ہے کہ ہائے اس باب کے عنوان کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا جائے کہ جب یہ علاقے بطور عطیات مل چکے تھے تو اب اُن کی تسخیر کی ضرورت کیوں پڑی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں بادشاہ کی جانب سے کسی حتمی ملک کو عطا کرنے کے یہ معنی سمجھے جاتے تھے کہ گویا فسخ کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ کیونکہ وہ خود دینے والے کے قبضہ میں نہ ہوتا تھا۔ اور اس کا حاصل کرنا خالی از وقت نہ تھا چنانچہ ۱۰۶۲ھ میں حافظ الملک کے حکم سے ملا محسن خاں دس ہزار فوج کے ساتھ اٹاؤہ وغیرہ کی فتح کے لئے روانہ ہوئے۔ ملا محسن جب اٹاؤہ کے قریب پہنچے تو بالاپنڈت اور کشنا جو گوندہ پنت کے قتل کے بعد سے اٹاؤہ پر مشرف تھے اپنی تمام فوج کے ساتھ شہر سے برآمد ہو کر حملہ آور افغانوں کے سدِ راہ ہو گئے۔ ملا محسن خاں نے انکا مقابلہ کیا۔ ایک سخت لڑائی واقع ہوئی جس میں بہت کچھ کشت و خون کے بعد پنڈت مذکور کو میدان چھوڑ کر امر گڑھ کی طرف بھاگنا پڑا۔

بالاپنڈت کے فرار کے بعد ملا محسن خاں نے قلعہ اٹاؤہ کا محاصرہ کیا۔ جو تھوڑی سی جدوجہد کے بعد فتح ہو گیا۔ بعد ازاں ملا محسن خاں اطراف و جوانب کے سرکش زمینداروں کی سزا دہی میں مصروف ہوئے۔ اور انھوں نے چار پانچ خام قلعوں کو منہدم کر کے ہر جگہ اپنے تھانے قائم کئے۔ لیکن چند زمینداروں نے پھر بھی اپنے ہمراہیوں کی کثرت اور جنگلوں میں جائے پناہ ہونے کے باعث

اطاعت قبول نہیں کی۔ اس لئے ان لوگوں کی تنبیہ کے واسطے ملا مذکور نے مزید ملک کی درخواست کی اور حافظ الملک نے شیخ کبیر کو پانچ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ شیخ کبیر اور ملا محسن خاں نے ملکر قدم قدم پر فتوحات حاصل کرنا شروع کر دیں اور بہت جلد ٹاڈہ اور شکوہ آباد فتح کر کے ان مقامات پر اپنا قبضہ کر لیا۔

(۱۹)

ایک طوائف کا قضیہ شجاع الدولہ شاہ عالم بادشاہ اور نجیب الدولہ کی فرخ آباد پر فوج کشی۔ حافظ الملک کی مداخلت سے صلح

جولائی ۱۷۸۶ء میں امراؤ گرگوشائیں کھنؤ کی ایک طوائف بٹیہ نامی کو جس سے شجاع الدولہ کا تعلق تھا اور جس پر وہ دل و جان سے فریفتہ تھے بے بھاگا اور بارہ ہزار ناگوں کو ساتھ لے کر فرخ آباد میں چلا آیا۔ شجاع الدولہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو ایک غصہ نب آمیز خط نواب احمد خاں بگلش کو لکھا کہ۔

”ہمارے چور کو اپنے یہاں سے نکال دو اگر ایسا نہ کرو گے تو عن دوستی کے خلاف ہو گا اور اس سے فتنہ بھڑک اٹھے گا۔“

نواب احمد خاں بگلش بھی پٹھان تھے اور ایک اصلی پٹھان کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ صادق القول ہونے کے علاوہ اپنے ہمان کی خواہ وہ اس کا دشمن ہی کیوں نہ ہو اپنی جان سے زیادہ حفاظت کرتا ہے حتیٰ کہ بقول مولف حیاتِ افغانی پٹھانوں میں یہ مشعل مشہور تھی کہ۔

”غلیظ اور ناپاک سُور بھی گھر میں آجائے تو اس کو پناہ دو۔“

لہذا نواب احمد خاں نے شجاع الدولہ کو جواب دیا کہ۔

۱۔ تاریخ فرخ آباد مولفہ آرون صاحب۔

۲۔ تاریخ اودھ مولفہ مولوی نجم الغنی خاں

”میں سو خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا ہوں جو کچھ آپ کے دل میں ہو کچھ۔ میں امراؤ کو بلانے نہیں گیا تھا وہ ان خود میرے ملک میں پناہ گزین ہو رہے اور پناہ لینے والے کو میں کبھی دور نہیں کر سکتا۔“

ساتھ ہی احمد خاں نے امراؤ کو اسے کہا کہ۔

”اگر تلو شجاع الدولہ پیدا ہوں تو تم کو میرے ملک سے نہیں بھال سکتے ویسے تم خود جانا چاہو تو کسی نے تمہارے پیر میں زنجیر نہیں ڈالی ہے“

شجاع الدولہ نواب احمد خاں کی طرف سے مذکورہ بالا جواب پا کر بہت رنجیدہ ہوئے اور ایک ماہ بعد ایک کثیر لشکر کے ساتھ فرخ آباد پر چڑھائی کر دی۔ ان کے ہمراہ شاہ عالم بادشاہ بھی تھے جو نوابان بنگال اور انگریزوں کے ہاتھ سے کئی بار شکست کھانے کے بعد آج کل اودھ میں مقیم تھے۔ شجاع الدولہ نے نجیب الدولہ کو بھی جو جنگ پانی پت کے بعد ان کے پکڑی بدل بھائی ہو گئے تھے اس جنگ میں دعوتِ شرکت دی اور وہ دہلی سے روانہ ہو کر فرخ آباد سے دہلی کو اس کے فاصلہ پر خدا گنج تک آ گئے۔

نواب احمد خاں جب ان واقعات سے مطلع ہوئے تو انھوں نے ایک خط حافظ الملک کے پاس اس مضمون کا بھیجا کہ۔

”شجاع الدولہ شاہ عالم بادشاہ کو ہمراہ لے کر فرخ آباد کو تاخت و تاراج کرنے کے قصد سے اس طرف کا زعم ہے اور نجیب الدولہ بھی اس امر میں اس سے موافقت کر کے پے درپے کوچ کرتا ہوا چلا آ رہا ہے اگر آپ اس جگہ کو میرے ساتھ ایک ہو جائیں گے تو یقین ہے کہ انجام بخیر ہوگا۔“

ان ایام میں حافظ الملک پر گنہ گہر آباد میں مقیم تھے کہ ناگاہ انھوں نے شجاع الدولہ اور

بنجیب الدولہ کے فرخ آباد پر حملہ کرنے کی خبر سنی۔ ساتھ ہی انھیں نواب احمد خاں کا مندرجہ بالا خط ملا۔ حافظ الملک جو ہمیشہ احمد خاں کی طرف داری کو مقدم رکھتے تھے۔ فوراً آہر آباد سے جلال آباد اور وہاں سے فتح گڑھ کو روانہ ہو گئے۔ حافظ الملک نے شیخ کبیر کو بھی حکم بھیجا کہ اٹا وہ سے اپنی کل فوج لے کر فی الفور کالی ندی کی طرف روانہ ہوں اور خدا گنج کے پنجے مقام کریں۔ فتح گڑھ سے فرخ آباد کا تین کوس کا فاصلہ تھا۔ یہاں پہنچ کر حافظ الملک نے بہ مشورہ نواب احمد خاں ایک ایک خط بنجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کو لکھا کہ۔

”احمد خاں کی تباہی و بربادی کا قصد آپ کے ثایان شان نہیں ہے مناسب یہی ہے کہ آپ لوگ اس خیال سے درگزر کریں ورنہ بھکو بھی اُس کا شریک تصور کریں۔“

حافظ الملک کے فرخ آباد پہنچنے اور احمد خاں کے شریک ہونے کی خبر بنجیب الدولہ اور شجاع الدولہ نے سنی تو اول الذکر خدا گنج میں اور آخر الذکر سرائے خواجہ ہلہول میں ٹھہر گئے اور دونوں امراء نے حافظ الملک کو لکھا کہ۔

”احمد خاں کے ملک میں سے ایک ٹلٹ ہم سے لینا قبول کیجئے اور اس کی شرکت سے دست بردار ہو کر اپنے ملک کو واپس چلے جائیے“

حافظ الملک نے صاف جواب لکھ دیا کہ۔

”مجھ سے ایسا ہونا ناممکن ہے۔“

بنجیب الدولہ نے جب دیکھا کہ حافظ الملک کسی طرح احمد خاں کی مشارکت ترک نہیں کرتے تو جنگ شروع ہونے سے پہلے انھوں نے حافظ الملک سے ملاقات کرنی چاہی اور

فتح گڑھ روانہ ہونے کا قصد کیا۔ چنانچہ پہلے ایک پیغام شیخ کبیر کو جو ایک میل کے فاصلہ پر
 خیمہ زن ہو کر سہرا تھے بھیجا کہ۔

”میں تم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں“

شیخ کبیر نے جواب دیا کہ۔

”میری تمہاری ملاقات ٹھیکیر دوست ملاقات ہوگی شجاع الدولہ کی مدد کو آئے ہو
 اور ہم سے ملاقات کی تمنا رکھتے ہو“

چار پانچ روز کے بعد نجیب الدولہ اپنی سپاہ کو لے کر فرخ آباد کی طرف بڑھے یس کر شیخ کبیر
 نے انھیں پیغام بھیجا کہ۔

”خبردار آگے نہ بڑھنا میں تمہاری کچھ مدارات کرنے والا ہوں“

نواب نجیب الدولہ نے جواب دیا کہ۔

”میں لڑنے نہیں آیا ہوں صرف حافظ رحمت خاں سے ملاقات کرنے آیا

ہوں“

شیخ کبیر نے جواب دیا کہ۔

”اس صورت میں تم کو اجازت ہے مگر بے فوج جاؤ“

نجیب الدولہ اپنی فوج چھوڑ کر آگے بڑھے اور تنہا فتح گڑھ پہنچ کر حافظ الملک سے ملاقات کی
 دوران ملاقات میں نجیب الدولہ کو ان کے عمر و ندرے خاں نے سخت ملامت کی اور
 کہا کہ۔

”تم نے کیوں قوم افغان کے خلاف شجاع الدولہ کی رفاقت اختیار کی“

”جب مرہٹوں نے سکرناں میں مجھ پر حملہ کیا تھا اس وقت شجاع الدولہ نے
بڑے نازک حال میں میری مدد کی تھی۔“

غرض اسی قسم کی باتوں میں تمام رات مشورہ میں گزری اور صبح کے وقت نجیب الدولہ بہت
کچھ عذر خواہی کر کے صلح پر راضی ہو گئے۔ انھوں نے حافظ الملک کو یہ بھی مشورہ دیا کہ چونکہ
شاہ عالم بادشاہ شجاع الدولہ کے ہمراہ ہیں اس لئے آپ کو صلح کی درخواست انکی خدمت
میں خود حاضر ہو کر پیش کرنی چاہئے یہ کام کئے بغیر آپ اپنے ملک کو واپس نہ جائیں۔

حافظ الملک نے اس رائے کو پسند کیا اور نواب نجیب الدولہ کو پہلے سے روانہ
کر کے خود بھی ان کے پیچھے اپنی تمام ہمراہی فوج کے ساتھ سرانے خواجہ بھلول کی طرف
روانہ ہوئے اور بادشاہ کی شرفِ ملازمت سے سرفراز ہوئے۔ صلح کی گفتگو ہوئی اور
حافظ الملک کے پاس خاطر سے شجاع الدولہ نے فرخ آباد پر حملہ کرنے کا ارادہ فسخ کر دیا چند
روز کے بعد شجاع الدولہ اور شاہ عالم اودھ کو اور نجیب الدولہ دہلی کو واپس ہو گئے۔ واپسی کے
وقت بادشاہ نے حافظ الملک سے مصالح امور ملکی و مالی میں بہت کچھ مشورہ کیا اور خلعت و
شمشیر وغیرہ سے ان کو سرفراز فرمایا۔ حافظ الملک نے عنایت خاں کو بھی شجاع الدولہ کے ہمراہ
رضعت کیا تاکہ نواب احمد خاں کے علاقہ میں سے جن جن مقامات سے ان کا قبضہ جاتا رہا
تھا ان پر نواب موصوف کے تھانے قائم کر دیں۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد
حافظ الملک اپنے دوست نواب احمد خاں سے رضعت ہو کر اٹاواہ کی طرف روانہ ہو گئے۔
اس زمانہ میں جہاناکے اس پار کائنات کے زمینداروں نے بہت فساد برپا کر رکھا تھا۔ اس لئے
حافظ الملک نے اٹاواہ پہنچ کر ان کی سرکوبی کے لئے کچھ فوج روانہ کی اور عنایت خاں کو

بھی جو شجاع الدولہ کے ہمراہ لکھنؤ پہنچ گئے تھے لکھا کہ وہاں سے لوٹ کر کامیت کو روانہ ہوں۔ عنایت خاں حسبِ احکام کامیت پہنچ گئے۔ اور اپنے لشکر کے پیادہ سپاہیوں کو قلعہ کامیت پر جو نہایت مضبوط اور محکم تھا حملہ کرنے کا حکم دیا۔ افغانوں نے یکبارگی حملہ کیا۔ قلعہ کے اوپر چڑھ گئے اور عنایت خاں کے حکم سے جو بہت سخت مزاج تھے مصوریں کا بڑی بے دردی سے قتل عام کیا ایک قنفس کو زندہ نہ چھوڑا اور قلعہ کو بھی خاک میں ملا دیا۔ اس لڑائی میں لاکھواد مصوریں کے علاوہ ایک سو چونتیس^{۱۳۴} افغان مارے گئے۔ دوسرے روز عنایت خاں یہاں سے اٹاؤہ کو حافظ الملک کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔

(۲۰)

۱۶۳ء کے چند متفرق واقعات - نواب سعد اللہ خاں کی وفات

حافظ الملک ابھی اٹاواہ ہی کے انتظام میں مصروف تھے کہ نواب سعد اللہ خاں نے مدقوق و مسلول ہو کر آنولہ میں انتقال کیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ستائیس سال کی تھی۔ نواب علی محمد خاں کے مقبوس دفن ہوئے۔ مرحوم نہایت حسین و جمیل - نجار - سخی اور اعلیٰ درجہ کے شہسوار تھے دوپہر میں چالیس پچاس کوس کی مسافت طے کر لیتے تھے اور مکان بالکل معلوم نہ ہوتی تھی۔ عمارتیں بنوانے کا شوق تھا۔ اتر چھینڈی کا قلعہ ان کی یادگار ہے جو کہ انھوں نے ناتمام چھوڑا۔ کمانے کے بہت دلدادہ تھے۔ فیروز خاں - ہمدی سین اور کریم سین وغیرہ اس زمانہ کے مشہور گویئے ملازم تھے خود بھی بہت خوش گلو تھے اور نہایت خوب گاتے تھے۔ حافظ الملک کا بہت ادب و لحاظ کرتے تھے اور حافظ الملک کو بھی ان سے قلبی محبت تھی چنانچہ جب ان کی جوان مرگی کی اطلاع پہنچی تو بڑا اصرار کیا اور فی الفور بغرض تعزیت اٹاواہ سے آنولہ تشریف لائے۔

بریلی میں آتش زدگی اور زلزلہ
نواب سعد اللہ خاں کی سال وفات یعنی ۱۶۳۷ء میں ۷۔ رمضان
جمرات کے روز سر زمین بریلی پر قہر آتی نازل ہوا ایک ایسی آگ
لگی کہ آدھا شہر خاک ہو گیا اور چودہ سو آدمی جکمر گئے۔ ہزاروں خانماں بربادوں کا ذکر ہی
کیا ہے۔ اس حادثہ کے دو سال بعد ایک ہولناک کالی آندھی اور زلزلہ آیا جس کے صدمہ
سے بہت سی عالی شان عمارتیں گر کر تباہ ہو گئیں۔ زلزلہ کے باعث جا بجا زمین شق ہو گئی
تھی۔ حوض اور تالابوں کا پانی اڑا اڑ کر سوکھی زمینوں پر جاگرا تھا اور تالاب بالکل خشک ہو گئے

تھے۔ اس زلزلہ کا صدمہ اودھ تک محسوس ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ ایسا شدید اور سخت زلزلہ دو تین سو برس پہلے تک سُسنے میں نہ آیا تھا۔ حافظ الملک نے اپنی رعایا کی اس تباہی و بربادی میں لاکھوں روپیہ سے امداد کی اور کوشش کر کے چند ہی سال میں جلے ہوئے مکانات و عمارات کو از سر نو تعمیر کرا دیا۔

عنایت خاں کی ایک نامناسب حرکت حافظ الملک کی خواہش سے فیض اللہ خاں بریلی میں رہتے تھے اور ان کے مکان پر نوبت بختی اور ریاست رامپور کی بنیاد

تھی۔ عنایت خاں کا بھی جو ایک بہادر و جوشیلے مگر کسی قدر کوتاہ نظر شخص تھے یہیں بریلی میں قیام تھا۔ ان کو جنگ پانی پت کے بعد احمد شاہ درانی نے خطاب نوابی اور نوبت و علم دیا تو ایک ہی شہر میں دو نوبتوں کا بھنا انہیں سخت ناگوار ہونے لگا اور یہ خیال کر کے کہ وہ درویش درگلیں تختہ پسند و دوا بدشاہ دراصلی نے گنجد، ایک روز اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ فیض اللہ خاں کی نوبت بند کر دیں اور تقاروں کو بھاڑ ڈالیں۔ عنایت خاں کے ملازموں نے حکم کی تعمیل کی لیکن ان کی اس حرکت سے فیض اللہ خاں نے سخت توہین محسوس کی اور ان کے رنج و قلق کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ چنانچہ زیادہ شکایت لے کر پہلی بھیت حافظ الملک کے پاس گئے۔ حافظ الملک نے فرمایا کہ۔

”ہاں وہ جو نامرگ ایسا ہی خود سہ ہو گیا ہے۔“

اور فیض اللہ خاں کی بہت کچھ دلہی کر کے انہیں آئندہ رامپور میں رہنے اور نوبت وغیرہ جوانے کی اجازت دے دی چنانچہ فیض اللہ خاں رخصت ہو کر رامپور آ گئے لیکن ان کے دل کی کدورت دور نہ ہوئی اور اس وقت سے اپنی ایک علیحدہ اور آزاد ریاست کی بنیاد ڈالنے کی دھن میں مناسب موقع اور وقت کی تلاش میں رہنے لگے۔

(۲۱) حافظ الملک کا دو حکومتِ نوابِ سعد اللہ خاں کے بعد

بعد وفات نواب سعد اللہ خاں سردار ان روپل کھٹڈ نے نواب علی محمد خاں کے کسی دوسرے لڑکے کو اپنا والی تسلیم نہیں کیا اور حسب وصیت نواب صاحب مرحوم جس کو ہم بالتفصیل لکھ چکے ہیں آئندہ کے لئے صرف حافظ الملک کی سرداری میں رہنا قبول کیا۔ حافظ الملک نے بھی سردار ان قوم کی اس متفقہ خواہش کو بہ تقاضائے مصالحِ ملکی اس وقت منظور کرنے میں کوئی عذر نہ کیا اور ایسا کرنے میں وہ ہمہ اعتباراً بجا نواب بھی تھے۔ کیونکہ ان کا وہ وعدہ اب ختم ہوتا تھا جو انھوں نے اپنے مرحوم دوست نواب علی محمد خاں سے کیا تھا اور جس کے الفاظ حسب ذیل تھے۔

”جب اس امر بزرگ کو آپ نے میرے حوالے کیا تو میں اس لڑکے (سعد اللہ خاں)

کو سرداری کے واسطے اختیار کرتا ہوں اور اس کو نواب بناتا ہوں۔“

سعد اللہ خاں کے علاوہ نواب علی محمد خاں کی کسی دوسری اولاد کو اپنا سردار بنانے کا حافظ الملک نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا اس لئے اب ان کا اپنی قوم کی متفقہ خواہش پر پسند حکومت پر بلا شرکتِ غیر سے متمکن ہونا ہر طرح جائز تھا۔ اس زمانہ میں روہیلے چونکہ حنفی المذہب انتہائی دیندار اور پکے مسلمان تھے اس لئے ان میں سردار کا انتخاب بھی بجز خاص حالات کے بالکل اسی قاعدہ کے ماتحت عمل میں آتا تھا جو ابتداء عروج اسلام سے خلافت کے انتخاب کے متعلق

راج چلا آتا تھا اور جس طرح بعد کو حضرت امیر معاویہ نے قیصر و کسریٰ کی تقلید میں خلافت کو دور انقی طرز حکومت میں تبدیل کر لیا۔ اسی طرح وقت کے گزرنے پر روہیلوں میں سردار کے تقرر کا پُرانا طریقہ متروک ہو گیا اور سرداری ایک خاص خاندان کا پیدا نشی حق سمجھی جانے لگی۔ دراصل یہی وہ آخر الذکر غلط نظریہ ہے جس کی بنا پر حافظ الملک کے مخالف مورخین نے ان کو غاصب ہونے کا الزام دیا در انحالیکہ اس نظریہ کو اگر نواب علی محمد خاں کے مسئلہ مسند نشینی میں بھی پیش نظر رکھا جائے تو وہ بھی غاصب ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ جس وقت نواب علی محمد خاں کا انتخاب عمل میں آیا تو اس وقت داؤد خاں کا ایک پسر صلیبی محمد خاں نامی موجود تھا اور جس کو بہ سبب صغیر سن و ناتجربہ کاری سرداران قوم نے نظر انداز کر دیا تھا مگر حق یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی غاصب نہ تھا اور دونوں کو صرف اہلیت و قابلیت کی بنا پر عروج حاصل ہوا تھا تاہم روہیل کھنڈ کی ان عظیم المرتبت شخصیتوں نے محض اپنے اپنے وقت بازو سے شہر پر شہر فتح کئے اور حکمرانی و سرداری کی داد دی۔ ان کی سرداری کی بنیاد ہرگز ہرگز نہ تو غاصبانہ اور نہ کسی کی حق تلفی پر مبنی بنائی جاسکتی ہے۔

ملک بہ میراث نہ گیر دے کہے • تانہ زند تیغ و دوستی بے

حافظ الملک کی حکومت کا یہ دور تاریخ روہیل کھنڈ کا اہم ترین زمانہ سمجھا جاتا ہے جس میں روہیلہ قوم عروج و ترقی کی اس معراج پر پہنچ گئی جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ عروج کا زمانہ ۱۶۷۷ء تک کا ہے کیونکہ جنگ پانی پت کے بعد اندرون ملک میں ہر طرح امن و امان کے ماحول میں روہیل کھنڈ مسلسل ساٹھ سال تک بیرونی حملوں سے محفوظ و مامون رہی۔ مرہٹوں کی طاقت کچل گئی تھی اور وہ اس وقت دکن میں آپس ہی میں لڑ بھڑک رہی تھیں۔ روہیل کھنڈ کی سرحدوں پر چودہ دوسرے حکمران مشمل

شجاع الدولہ - نواب احمد خاں بنگش اور نواب نجیب الدولہ کے موجود تھے چونکہ وہ سب کے سب حافظ الملک کی حسن تدبیر اور زور و زنجیر سے مرعوب تھے لہذا ان کے ساتھ ضوابط و مراسم اتحاد ہی قائم رکھنے میں اپنی بہتری اور نیریت سمجھتے تھے۔ اس وقت روہیلوں کی سلطنت کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں بریلی - پبلی بھیت - سنبھل - مراد آباد - امر وہہ - شاہجہاں پور - رامپور - شاہ آباد - بدایوں - آنولہ - نانک مسٹ - سسوان - اٹھیا نی - سرولی - بسولی - ٹھاکر وارہ - چو محلہ رٹھیر - اٹاواہ - شکوہ آباد - مین پوری - اہر دوسرے بکثرت متفرق دیہات و پرگنات وغیرہ نادامن کوہ شرقی خیر آباد تک شامل تھے جن کی آمدنی اس زمانہ میں ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ تھی۔

(۲۲) قاسم علی خاں نواب شہ آباد کی مصیبت میں شجاع الدولہ کی تحریکِ حافظ الملک کی حمایت

جس زمانہ میں روہیل کھنڈ میں حافظ الملک کی حکومت ایک طرف شکوہ آباد تک اور دوسری جانب خیر آباد تک وسعت پذیر ہو چکی تھی صوبہ بنگال میں ایک ایسا انقلاب برپا تھا جس کے تباہ کن عالمگیر اثرات عنقریب سارے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے تھے۔ سیاسیات ہند میں پورے پورے طور پر انگریزوں کی دخل اندازی شروع ہو گئی تھی اور انہوں نے تجارت کے پردہ سے نکل کر اب علی الاعلان ملک گیری کے کھاڑے میں کودنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ ۱۷۵۷ء میں نواب الہ وردی خاں صوبہ دار بنگال کے انتقال سے اس وقت تک چھ ساٹھ سال کی قلیل مدت میں ہندوستانی غداروں کی مدد سے انگریز تین نوابوں کو مسند حکومت سے ہٹا چکے تھے۔ اور نوابوں کے اس عزل و نصب کے ذریعہ نہ صرف بنگال کی تمام وکمال تجارت اور کروڑوں روپیہ نقد بطور نذرانہ اس کے قبضہ میں جا چکا تھا بلکہ بڑی بڑی جاگیریں بھی ان کے زیر تصرف آ گئی تھیں۔ انگریزوں کے ہاتھ سے معزول شدہ نوابوں میں ایک میر قاسم علی خاں عالی جاہ تھے جنہوں نے نہایت بہادری اور پادری سے اپنے ملک کو اغیار کی دستبرد سے بچانے کے لئے ایک آخری جان توڑ کوشش کی لیکن ملکی غداروں نے انکو بھی نہ چنپنے دیا اور تمام تدبیروں کو خاکیں ملا کر انکو ملک بدر ہونے پر مجبور کر دیا۔

ملک واقعات کی تفصیل کے لیے دیکھو ہندوستان کی صحیح تاریخ، رازِ آفت دی کہچن پادوان انڈیا، مولفہ جی۔ بی۔ باسو جلد اول۔

مظلوم و مغلوب قاسم علی خاں ۴۷ - دسمبر ۱۷۶۳ء کو اپنے ملک کی مغربی سرحد دریائے کرم ناسا کو عبور کر کے اودھ میں داخل ہوئے اور شجاع الدولہ کی خدمت میں آکر انگریزوں کے خلاف اپنی اور اپنے ملک کی تباہی و بربادی کی فریاد کی۔ ابتداً تو شجاع الدولہ نے فریاد میں لیت و لعل سے کام لیا۔ لیکن جب قاسم علی خاں کا اصرار حد سے سوا ہوا تو شاہ عالم بادشاہ کو ساتھ لے کر جوہنوز اودھ میں مقیم تھے انگریزوں کو سنا دینے اور قاسم علی خاں کو دوبارہ سند نشین کرانے کے ارادے سے بنگال پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اپنے اس ارادے میں شریک کرنے کے لئے شجاع الدولہ نے ایک خط حافظ الملک کو بھی لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ -

”صاحبانِ انگریز نے ان دنوں قاسم علی خاں صوبہ دار بنگال کو شکست دے دی ہے اور تمام ملک پر تصرف ہو گئے ہیں۔ قاسم علی خاں مدد کی امید پر میرے پاس چلے آئے ہیں۔ چونکہ ہمارا آپ کا معاملہ واحد ہے لہذا امید ہے کہ آپ مناسب فوج ہماری مدد کو روانہ کریں گے“

جنگِ پٹنہ میں عنایت خاں کی شرکت

آزمودہ کارسوار و سپاہِ فوج کے ساتھ روانہ کیا اس فوج کے سرداروں میں خان محمد خاں و میرزا خاں (جو حافظ صاحب کے ہمیشہ زادے تھے) محمد مستقیم خاں سپہنشاہ کبیر میرزا سیف الدین خاں پسرانِ پر مول خاں اور رحمت خاں وغیرہ رسالدار تھے۔ جب عنایت خاں الہ آباد کے قریب پہنچے تو شجاع الدولہ نے راجہ بینی بہادر کو استقبال کے واسطے روانہ کیا دو کوس آگے بڑھ کر عنایت خاں سے خود بھی ملاقات کی اور اپنے خیمہ میں لاکر بڑی گرم چوٹی سے مراسمِ ہمانداری

ادا کئے۔ بعد ازاں شجاع الدولہ - شاہ عالم بادشاہ - قاسم علی خاں اور عنایت خاں نے بہت بڑے لشکر کے ساتھ بنارس کی طرف کوچ کیا۔

ناگوں اور روہیلوں کا فساد اثنائے راہ میں اتفاقاً عنایت خاں کے لشکر کے افغانوں میں سے ایک شخص نے گائے ذبح کر دی اور چاہتا تھا کہ گائے کی ران گھوڑے پر رکھ کر اپنے لشکر میں لے جائے مگر شجاع الدولہ کی فوج کے ناگوں نے اس پٹھان پر حملہ کر دیا اور اس کا گھوڑا زخمی کر دیا قریب تھا کہ مارا جائے یہ خبر سن کر دوسرے پٹھان مدد کو پہنچ گئے اور اپنے ساتھی کو بچا لیا۔ عنایت خاں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اپنے پٹھانوں کو حکم دیدیا کہ ناگے جہاں ملیں ان کو قتل کیا جائے۔ دوسرے روز صبح کو افغانوں نے چار سو ناگوں کو ایک گاؤں کی لوٹ کھسوٹ میں مشغول دیکھا۔ ان کا محاصرہ کر لیا اور انکو قتل کرنا شروع کر دیا۔ ناگوں نے بھی حتی الوسع مقابلہ کیا لیکن آخر کار مغلوب ہو کر بھاگ گئے۔ اس لڑائی میں افغانوں کے ہاتھ سے ڈھائی سو ناگے قتل ہوئے۔ افغان بھی بارہ زخمی ہوئے اور بیس مارے گئے۔ اس واقعہ کی خبر شجاع الدولہ کے مدارالمہام راجہ بینی بہادر کو پہنچی تو فوراً عنایت خاں کے ڈیرے پر آیا اور بہت سی معذرت کی۔ دوسرے روز خود شجاع الدولہ ناگوں اور ران کے سرداروں کو ہمراہ لے کر عنایت خاں کے پاس آئے اور انتہا درجہ کی دلجوئی کر کے یہ طے کیا کہ ناگوں کا پڑاؤ افغانوں کے لشکر سے ایک منزل پیچھے رہا کرے گا۔

عنایت خاں کے توسل سے شجاع الدولہ کا لشکر جب بنارس میں داخل ہوا تو اس مقام کے راجہ بلونت سنگھ کی کمک راجہ بلونت سنگھ نامی نے اپنے سفیر نور الحسن بلگر امی کو عنایت خاں کے پاس بھیجا اور یہ خواہش کی کہ۔

”میں نے گوہنادر جنگ اور شجاع الدولہ کو زبردستی ہمیشہ دیا ہے لیکن کبھی ملاقات

نہیں کیلئے اس لئے آپ کہ ہندوستان میں احمد شاہ دُورانی کے وکیل مطلق کے نائب ہیں میری شجاع الدولہ سے ملاقات کر دیجئے۔

عنایت خاں نے اس پیام کا شجاع الدولہ سے ذکر کیا اور بخوبی اطمینان کر کے اُن سے راجہ کی ملاقات کراوی بعد ملاقات راجہ بھی دو تین ہزار فوج کے ساتھ شجاع الدولہ کے ساتھ شریک ہو گیا۔

جنگِ پٹنہ کی ابتدا شجاع الدولہ کی فوج اتنی ہزار تھی جب اس لشکر نے دریائے کرم ناسا کو عبور کیا تو بھکارنگ نے اپنی فوج کی کمی کے باعث دریائے ہٹ کر پٹنہ میں پناہ لی اور شہر میں نئے مورچے درست کر کے متعدد جنگ ہوا۔ شجاع الدولہ بھی پٹنہ سے چار کوس کے فاصلہ پر مقام پھل دریا میں خیمہ افگن ہوئے۔ انگریزی فوج کے افسر بھکارنگ کی قاسم علی خاں سے سخت دشمنی مشہور تھی اس لئے اُس نے جنگ شروع ہونے سے پہلے مسلم سرداروں میں پھوٹ ڈولانے کی کوشش کی تاکہ اس کی تلیل فوج مسلمانوں کی کثیر فوج پر ان کے آپس کے نفاق کے باعث غالب آجائے۔ سیرالٹا خیرین کا مولف سید غلام حسین جو اس معرکہ میں شجاع الدولہ کے ساتھ تھا انگریزوں کے اس مقصد کی تکمیل میں آلہ کار تھا چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ۔

”میں نے اپنے آپ کو انگریزوں سے وابستہ کرنے کا تہیہ کیا جس سے اس عرصہ میں جمعہ انیسیت ہو گئی تھی۔ میرا ان سے کچھ تعلق بھی پیدا ہو گیا تھا۔ بالخصوص کٹر فلرٹن اور میرے درمیان کچھ خط و کتابت بھی رہی تھی جس کے ذریعہ سے اس نے

۱۵ ملاقات کرنے کا سبب یہ تھا کہ جب سے پرتھوی پت زمیندار بہت اب گڑھ صفر جنگ کے حکم سے مارا گیا راجہ بلونت یہ کہتا تھا کہ خاں عالی خدا کے برابر ہیں جو کوئی خدا کے پاس جاتا ہو وہ اس نہیں آتا ہو۔ بلکہ رام گنگا کی بنیاد اسی راجہ بلونت مسئلہ نے رکھی تھی اور قلعہ بجے نگر میں جو نہایت دشوار گزار پہاڑ پر تھا اپنا خانہ رکھتا تھا جس کو لوگ کرڈوں روپیہ سے نہاؤں بتاتے تھے۔

مجھے اطلاع دی تھی کہ بادشاہِ رشاہ عالم، دل سے انگریز پارٹی کی طرف بھٹکے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس نے مجھے صلاح دی تھی کہ بھٹکنا اپنے اور بادشاہ کے بہت جلد انگریزی کیمپ میں پہنچنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ اس خبر سے میں نے اپنے والد کو مطلع کیا اور ایک ایسے معاملے میں جس سے ہمارے خاندان کا استحکام ہو اور وہ انگریز قوم کے شکر یہ کام سرور ہو سکے پیش قدمی کرنے پر اصرار کیا۔

مندرجہ بالا تحریر میں جس طرح انگریزوں سے بادشاہ کی ساز باز کا پتہ چلتا ہے اسی طرح بلاشبہ دوسرے سرداروں نے بھی سازش کی ہوگی۔ لہذا ان حالات میں جنگ کا نتیجہ ظاہر ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب شجاع الدولہ میر قاسم علی خاں اور عنایت خاں وغیرہ کا لشکر خاص پٹنہ کے قریب پہنچا تو انگریزوں نے گولہ اندازی شروع کی۔ شجاع الدولہ کی طرف سے بھی توپیں اور گراہیں سر ہوئیں لیکن شجاع الدولہ کی فوج جو میدان میں تھی پلے درپلے گولہ باری کے سبب سے قائم نہ رہ سکی۔ بعضوں نے درختوں پر چڑھ کر پناہ لی اور بعضے پرانے کھنڈرات میں چھپ گئے۔ عنایت خاں اپنی جمعیت کے ہمراہ انگریزوں کے مورچے کے قریب جو گولوں کی زد پر تھے ایک نشیبی جگہ میں گھوڑے سے اتر کر جنگ کرنے لگے اور سوارانِ مغلیہ کے حملہ کا انتظار کرنے لگے۔ زوال کے وقت بینی بہادر نے بہت جدوجہد کے ساتھ انگریزی مورچوں پر حملہ کیا اور خندق کے قریب پہنچ گیا مگر اس کی فوج مقتول و مجروح ہو کر بھاگ گئی۔ اس کے بعد ناگوں نے حملہ کر کے اپنے آپ کو خندق تک پہنچایا۔ لیکن وہ بھی طاقتور آتشیں منہ پر کھا کر پیٹھ پھیر گئے۔ مغلیہ فوج نے جو تعدادیں بہت زیادہ تھیں اور عنایت خاں سے قریب تر تھیں مطلق بہت و شجاعت نہ دکھائی۔ عنایت خاں

۱۵ سیرالٹاخرین جلد دوم۔

۱۶ رائے آف دی کرپشن پادراں انڈیا جلد دوم صفحہ ۳۹۲

برابر کھلا کر بچھتے رہے کہ ایک طرف سے سوارانِ مغلیہ حملہ کریں اور ایک طرف سے میں یورش کروں اور اتفاق بہدر کر کے ساتھ انگریزی فوج پر گر کر ان کو تلوار پر رکھ لیں۔ شجاع الدولہ نے بھی اس امر میں کوششِ تبلیغ کی لیکن فوجِ مغلیہ کے سرداروں سے سہرو پیش نہ گئی اور جنگ سے دست کش ہو کر جوں کے توں میدانِ جنگ سے واپس چلے گئے۔ شجاع الدولہ نے یہ حال دیکھ کر عنایتِ خاں کے پاس آکر کہا کہ اب پھلّ وریا کو واپس ہی چلنا مناسب ہے۔ مجبوراً عنایتِ خاں حسبِ ثواب دید شجاع الدولہ پہرون باقی رہے اپنی جگہ سے چھلکار چند توپوں کو جنھیں محلّ لوگ بسببِ گرائی میدان میں چھوڑ گئے تھے اپنے ہمراہ لے کر پھلّ وریا واپس آئے۔ اس وقت میر محمد خاں بابر توپ کا گولہ کھا کر مارا گیا اور مستقیم خاں زخمی ہوا۔ لیکن عنایتِ خاں دوسرے رسالداروں کے ساتھ بخیریت تمام قریب ایک پہرات گئے پھلّ وریا میں داخل ہوئے۔ دوسرے روز شجاع الدولہ نے دوبارہ لڑائی کی تیاری کرنی چاہی لیکن کامیابی کی امید نہ دیکھ کر واپسی کا حکم دے دیا۔ اور یکسر میں لشکر کی چھاؤنی قرار دی۔ پٹنہ کی لڑائی میں میر قاسم شجاع الدولہ اور بادشاہ کی فوج کی شکست ایک حد تک ہمارا جہ کلیان چند پسر اور اجہ شتاب رائے کی غداری کے باعث ہوئی۔ یہ شخص گو شجاع الدولہ کی ملازمت میں تھا لیکن برابر اپنے آقا کے لشکر کی تعداد و فوج اور ان کی نقل و حرکت وغیرہ کے متعلق ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسروں کو خبریں دیا کرتا تھا۔

اسی طرح شجاع الدولہ کے لشکر کے ایک اور غدار افسر زین العابدین نے ایک خطِ بھر منرو مقیم کلکتہ کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ۔

”اسد خاں بہادر کے ذریعہ آپ کا محبت آمیز خط موصول ہو کر باعثِ سرفرازی ہوا جس میں آپ نے مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ میں جس قدر تعداد میں ممکن ہو اتنے

۱۵۴ فٹ نوٹ صفحہ ۳۹۷ رائنز آف دی کرپشن پاور ان انڈیا۔

۱۵۵ فٹ نوٹ صفحہ ۳۹۷ رائنز آف دی کرپشن پاور ان انڈیا۔

عمدہ اور شہسوار غفلوں اور تورانیوں کے ساتھ آپ کا شریک ہو جاؤں“

اس قسم کی سازشوں اور غرضیہ دواہیوں سے تنگ آ کر کبیر سے غنایت خاں رخصت ہو کر روہیل کھنڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت میر قاسم علی خاں نے پانچ زنجیر فیل - چند عدد جواہر قیمتی اور پارچہ ہائے ریشمی و زردوزی اور دیگر نفائس بنگالہ تحفہ کے طور پر حافظا الملک کے واسطے غنایت خاں کے حوالے کر دیے۔

بحسب کی جنگ میں نواب قاسم علی خاں غنایت خاں کے روہیل کھنڈ واپس ہونے کے بعد شکست کھا کر حافظا الملک کی پناہ میں آئے۔ ۱۲۳۰-۱۲۳۱ء کو پرتگیزیوں کو شجاع الدولہ اور ان کے ساتھیوں کی انگریزوں سے بمقام کبیر جنگ ہوئی جس میں اسی قسم کے حالات کی بنا پر جو جنگ پٹنہ میں پیش آئے تھے شجاع الدولہ کو دوبارہ شکست فاش ہوئی۔ جس کا انجام یہ ہوا۔ کہ شاہ عالم بادشاہ نے توازن خود اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اور شجاع الدولہ کے انگریزوں سے اس شرط پر مجبوراً صلح کے نامہ و پیام ہونے لگے کہ میر قاسم علی خاں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ عنقریب تھا کہ قاسم علی خاں گرفتار کر لئے جائیں کہ وہ بروقت مطلع ہو کر ایک تیز رفتار ہاتھی پر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ پہلے اپنے اہل و عیال کے پاس الہ آباد آئے جہیں شجاع الدولہ کے آدمیوں نے لوٹ کر قید کر لیا تھا۔ اور انھیں اپنے ساتھ لے کر بعد ازاں روہیل کھنڈ کا رخ کیا۔ جب بریلی پہنچے تو حافظا الملک نے ان کی بہت کچھ دلہی و خاطر مدارات کی اور اپنی پناہ میں لے کر آٹھ سو تین کوس کے فاصلہ پر مقام اتر چھینڈی میں نواب سعد اللہ خاں مرحوم کی حویلی میں مقیم کیا۔ جہاں وہ پانچ سال تک بڑے آرام و اطمینان سے رہے۔

۱۲۳۱ء کلیمت - ۱۲۳۱ء

۱۲۳۱ء قاسم علی خاں کا شہداء میں ہونے کا حال جو اس کی بیوی بدر الدین صاحبہ لکھتے ہیں کہ شہداء میں نواب قاسم علی خاں نے اپنی امداد کے لئے احمد شاہ قادیانی کو ہندوستان بلایا۔ شاہ قادیانی قادیانی شہداء میں دریائے گنگا کو عبور کر کے لاہور سے ایک سو تین میل کے فاصلے پر آئے۔ لیکن یہ معلوم کر کے کہ اس مرتبہ ہندوستان کے تمام سلطان مکران ان کا ساتھ نہیں دیں گے اور شجاع الدولہ کی قیادت

(۲۳)

نواب نجیب الدولہ پرجاٹوں کا حملہ اور حافظ الملک کی امداد

۶۴ء اعرہ کی ہنگامہ خیز سال میں جاٹوں کے راجہ سورج مل نے جوڈو مرتبہ شاہِ درانی کی دستبرد سے بچ جانے کی وجہ سے بہت طاقت ور ہو گیا تھا۔ خاندان تیموریہ اور نواب نجیب الدولہ کے استیصال کا ارادہ کیا۔ نواب نجیب الدولہ نے دہلی سے باہر نکل کر اس کا مقابلہ کیا۔ لڑائی میں راجہ قتل ہوا اور اس کی فوج فرار ہو گئی۔ چھ مہینے کے بعد راجہ سورج مل کا لڑکا جواہر مل اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کی غرض سے ایک بڑے لشکر اور توپ خانہ کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جواہر مل نے ملہار راؤ ہلکیر کو بھی اپنی امداد کے لئے طلب کیا۔ ہلکیر پچیس ہزار فوج لے کر پہنچ گیا اور دہلی کا محاصرہ کر لیا۔ نواب نجیب الدولہ نے سپاہ کی کمی کے سبب سے شہر کی کوچہ بندی کرادی اور شہر سے باہر نکل کر غنیمت سے مدافعت جنگ شروع کی۔ لیکن چونکہ مرہٹوں نے گرد و پیش کے تمام دیہات کو تاخت و تاراج کر کے اور غلہ کی آمدورفت بالکل بند کر کے نجیب الدولہ کو بے حد تنگ کر دیا۔ اس لئے انہوں نے مجبور ہو کر اپنے حال کی ایک عرضداشت احمد شاہِ درانی کے حضور میں ارسال کی اور ایک خط کے ذریعہ حافظ الملک سے مدد کی درخواست کی۔ حافظ الملک جس طرح احمد خاں بنگلش کے پتے پتہ رستے۔ اسی طرح نواب نجیب الدولہ کی ترقی خواہی میں بھی

۴۴ کی شرکت نہیں چھڑیں گے مجبوراً ولایت کو واپس گئے دفٹ نوٹ رائز آف دی کرپشن

پاور ان الڈیا جلد اول

ہمیشہ مصروف رہتے تھے۔ اس لئے ان کی پریشان حالی سے مطلع ہوتے ہی اوّل شہ ۱۷۶۷ء میں عنایت خاں کو اپنے نائب کے طور پر بریلی چھوڑ کر اور نواب دوندے خاں۔ بخشی سردار خاں۔ فتح خاں خانساہاں وغیرہ سرداران کی مانتی میں فوج کو لے کر براہ بسوی دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔ مقام دارانگر میں پہنچ کر حافظ الملک نے دریائے گنگا کا پل تیار کرایا اور پانچ چھ ہزار سواروں کو دریا عبور کر کر حکم دیا کہ مرہٹوں کو جو نجیب الدولہ کی ریاست میں فساد برپا کر رہے ہیں اور غلہ کی رسد بند کئے ہوئے ہیں تنبیہ کر کے وہاں سے باہر نکال دیں۔ سواروں نے اپنے کارنٹھبی کو مستعدی سے انجام دیا۔ اور دو تین مرتبہ مرہٹوں کو شکست دیکر اس سرزمین سے نکال دیا۔ جواہر مل اور ملہار راؤ حافظ الملک کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر ابھی متروکہ ہی تھے کہ ناگاہ انہیں احمد شاہ درانی کی کابل سے ہندوستان کو روانگی کی اطلاع ملی۔ چونکہ افغانی فوجوں کی ہیبت مرہٹوں کے دلوں پر غالب ہو چکی تھی اس لئے ملہار راؤ نے خوف زدہ ہو کر جواہر مل کو نجیب الدولہ کے ساتھ صلح کرنے پر مجبور کر دیا اور جواہر مل اپنے دارالحکومت بھرت پور کو واپس ہو گیا۔ حافظ الملک دہلی پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ نجیب الدولہ کے پاس سے قرار داد صلح کی اطلاع آگئی اور وہ بجائے دہلی جانے کے کچھ عرصہ کے لئے مقام حسن پور میں قیام پذیر ہو گئے۔

(۲۴)

بریلی میں نواب شجاع الدولہ کا ورود اور حافظ الملک کا مشورہ

حافظ الملک کا ہنوز حسن پور میں قیام تھا کہ شجاع الدولہ انگریزوں کے ہاتھ سے چند اور شکستیں اٹھانے کے بعد اپنے متعلقین کے ساتھ بصدِ ناکامی و نامرادوی وارد بریلی ہوئے۔ یہ واقعہ جارج نامہ میں اس طرح درج ہے۔

سوئے فیض آباد و لکھنؤ تخت فرستاد مردانِ ادیں در سب
دیں ہر دو جاداشت و البستگاں فراواں ہش گنج بودہ نہاں
کز انجا بہ شہرِ بریلی بر بند برہ اندروں ہسچیکوں لغنوند
بہ سالار آں شہر از دیر گاہ چو دردوستی داشت بکشودہ راہ
شمرده مراور انگہبانِ غویش فرستاد گنج و شہستانِ غویش

جب شجاع الدولہ بریلی کے قریب پہنچے تو عنایت خاں استقبال کے واسطے آئے اور بہت کچھ لوازم ہماں داری بجالائے۔ چونکہ اس وقت شجاع الدولہ اپنی مصیبت میں حافظ الملک سے طالبِ امداد تھے اس لئے عنایت خاں شجاع الدولہ کو بریلی میں ٹھہرا کر حسن پور گئے اور وہاں پہنچ کر حافظ الملک کی خدمت میں مفصل حال عرض کیا۔ عنایت خاں کے روانہ ہونے کے بعد شجاع الدولہ بھی اپنے متعلقین کو بریلی چھوڑ کر از خود حسن پور روانہ ہو گئے۔ جب قریب پہنچے اور حافظ الملک نے ان کے آنے کی خبر سنی تو اپنے ڈیرے سے دو کوس جاکر بڑے اعزاز و اکرام سے اپنے لشکر میں لائے۔ دو تین روز کے بعد حافظ الملک شجاع الدولہ کو ساتھ لے کر فرخ آباد و شریعت لے گئے وہاں بعد مشورہ نواب احمد خاں بگیش یہ امر فرمایا کہ

اول اپنے وکلاء کی معرفت انگریزوں کو پیامِ مصالحت بھیجا جائے اگر انہوں نے منظور کر لیا تو فوراً اور نہ جیسا متقاضی وقت ہو عمل کیا جائے۔ شجاع الدولہ کو یہ مشورہ قطعی ناپسند ہوا اور انہوں نے ہمارا راؤ ہلکار اور چند دوسرے سرداران مرہٹہ کو اپنی مدد کے واسطے بلایا اور سب نے ملکر ۳۰ مئی ۱۸۱۷ء کو کوڑا جہان آباد کے قریب انگریزوں پر حملہ کیا۔ مرہٹے انگریزی توپوں کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور ہمارا راؤ تاب مقابلہ نہ لاکر فرار ہو گیا۔ شجاع الدولہ بعض مرہٹوں کے بھروسے پر انگریزوں سے لڑے تھے شکست کھا کر مجبوراً فرخ آباد کو واپس آئے اور اپنے کشود کار کے لئے دوبارہ حافظ الملک سے طالبِ امداد ہوئے۔

حافظ الملک کی ایک سیاسی غلطی

حافظ الملک نے انہیں پھر انگریزوں سے صلح کی سلسلہ جنبانی کا مشورہ دیا اس مرتبہ شجاع الدولہ نے اس مشورہ کو مان لیا اور انگریزوں کے لشکر کو روانہ ہو گئے۔ حافظ الملک نے منشی ٹیک چند کو بھی باجی سو سواروں کی جمیعت کے ساتھ شجاع الدولہ کے ہمراہ رکاب اپنے سفیر کے طور پر انگریزوں کے پاس روانہ کیا۔

شجاع الدولہ اور منشی ٹیک چند میجر کارنک انگریزی سپہ سالار کے لشکر میں پہنچے تو اس نے ان کا استقبال کیا۔ اور شجاع الدولہ نے بھی بالکی سے انکر اس سے معاوضہ کیا اور اس کے ہمراہ خیمہ میں گئے۔ ۲۰ اگست ۱۸۱۷ء کو جب ٹیک چند کلکتہ کو گورنر بنگال انگریزی کیمپ میں پہنچ گئے تو گفتگوئے مصالحت شروع ہوئی۔ اور بموجب شرائط صلح پانچ لاکھ روپیہ تاوان جنگ ادا کرنے کے بعد تمام صوبہ اودھ باستان کوڑا جہان آباد اور والد آباد شجاع الدولہ کو واپس دیدیا گیا۔ یہ عہد و پیمان بھی ہوا کہ انگریز اور شجاع الدولہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست کے دوست اور دشمن کے دشمن رہیں گے۔ اگر کسی ایک پر دشمن کا حملہ ہوگا تو دوسرا اس کی اعانت کرے گا اور جو فوج اعانت کے واسطے فوج طلب کرے وہ صاحبِ فوج کو مقرر

کے واسطے روپیہ دے گا۔ امورِ اعلیٰ میں صلاح و مشورہ کرنے کی غرض سے ایک انگریز سفیر کا بھی اودھ میں رہنا قرار پایا۔

مذکورہ شرائط کے ساتھ صلح ہونے کا یہ نتیجہ ہوا کہ آئندہ کے لئے شجاع الدولہ حافظ الملک اور دوسرے ہندوستانی حکمرانوں کی دسترس سے بالکل باہر ہو گئے۔ خود شجاع الدولہ کی آزادی اور خود مختاری کا بھی ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اور وہ چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے معاملہ میں انگریزوں کی مرضی کے پابند ہو گئے۔

حافظ الملک کا اس موقع پر شجاع الدولہ کو انگریزوں سے صلح کا مشورہ دینا ایک سیاسی غلطی تھی کیونکہ شجاع الدولہ کا انگریزوں کے زیر اثر آجانا ہی دراصل زوالِ حکومت و پھیل کھنڈ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اودھ پر انگریزی قبضہ کے بارگراں کا اس وقت سے جو سلسلہ شروع ہوا تو وہ کبھی ختم نہ ہو سکا اور آگے چلکر اسی قبضہ نے اگر ایک طرف شجاع الدولہ کو سرزمینِ برہیل کھنڈ پر مصائب و آلام کا طوفانِ عظیم برپا کرنے پر مجبور کیا تو دوسری طرف ان کے جانشین کو سیاست اودھ یعنی اپنی ماں اور وادی پر دشمنانہ مظالم توڑنے کی اجازت دینے پر تیار کیا۔

شجاع الدولہ نے انگریزوں سے صلح کے بعد ایک خط فشی ٹیک چند کے ذریعہ سے حافظ الملک کی خدمت میں روانہ کیا جس میں کوالف صلح کے علاوہ یہ استدعا بھی کی تھی کہ ان کے متعلقین کو کھنڈ روانہ کر دیا جائے۔ یہ خط موصول ہونے پر حافظ الملک نے برہیل میں اپنے کارپردازوں کو حکم جاری کر دیا کہ ضروریات سفر مہیا کر کے شجاع الدولہ کے متعلقین کو بحفاظت تمام اودھ کو روانہ کر دیں۔

۱۔ جس پر شری آف انڈیا جلد سوم۔

۲۔ تاریخِ افغانستان موسوم بہ نقشِ سیلانی میں ایک نقل ہے کہ شجاع الدولہ برہیل کھنڈ آکر حافظ الملک سے طالب امداد ہونے تو انھوں نے پانچ چھ ہزار فوج کے ساتھ غایت خاں کو ان کے ہمراہ کر دیا۔ جب بعد شکست انگریزوں

لہار راؤ کے حملہ کی مداخلت کے لئے حافظ الملک کی پھپھو ند کو روانگی
 یہ خبر ملی کہ لہار راؤ نے اٹا وہ پر حملہ کر دیا اور ملا حسن خاں ابن
 ملا حسن خاں پھپھو ند میں محصور ہو گئے۔ یہ خبر بھی پہنچی کہ شیخ کبیر مصورین کی مدد کے واسطے اٹا وہ سے
 پھپھو ند کو چلا رہے۔ ان خبروں کو سُن کر حافظ الملک بھی اپنی ہمراہ رکاب سواروں کی فوج کو

۴۴ سے صلح ہو گئی تو حکم گورنر صاحب بہادر شجاع الدولہ نے اپنا نیمہ وٹ کر تمام فروگاہ سے پانچ کوس پیچھے ہٹایا
 اور نواب گورنر بہادر نے اپنا نیمہ وٹ کر اس مقام پر کیا جہاں پر لشکر نواب شجاع الدولہ کا تھا۔ الا تو اب عنایت خاں
 بہادر نے اپنا نیمہ وٹ کر اسی مقام پر رکھا کہ جہاں تھا۔ نواب گورنر بہادر نے لشکر نواب عنایت خاں کو
 دیکھ کر یہ کہلا بھیجا کہ: آپ نواب وزیر کی کمک کو آئے تھے جبکہ نواب وزیر نے اپنا لشکر و نیمہ پیچھے ہٹایا
 آپ نے ان کے ساتھ کوچ کیوں نہیں کیا آیا ہمارے ساتھ آپ کو جنگ منظور ہے؟

نواب عنایت خاں بہادر نے بجواب اس کے نواب گورنر بہادر سے کہلا بھیجا کہ نواب وزیر سے اور آپ
 سے صلح ہو گئی اور میں بے شک انھیں کی کمک کو آیا تھا۔ آپ اس امر میں مجھ سے مزاحمت نہ کریں۔ مجھے
 سرکار انگریزی سے بیکار رہنا منظور نہیں آپ تفریف سے عافیت جب میری چاہے گائیں بھی کوچ کر جاؤں گا
 ورنہ میدان جنگ سے بفضلِ خدا میرا قدم کبھی پیچھے نہیں سرکے گا۔ آپ بایں اور نواب شجاع الدولہ جاؤں۔
 یہ جواب سُن کر نواب گورنر نے فرمایا کہ اچھا آپ کو اختیار ہے۔ ہلکو عرض نواب شجاع الدولہ بہادر سے تھی
 وہ اپنا لشکر پیچھے ہٹا لے گئے۔ آپ جب تک جاہیں یہیں خیمہ رہنے دیں۔ چنانچہ اس کے تین روز بعد
 نواب عنایت خاں بہادر نے بھی اپنے لشکر کو لے کر اس مقام سے کوچ کیا تین دن تک میدان جنگ
 نہ چھوڑا۔

اسی سال ایک طائف برقی نام نہایت مہینہ اور جیلہ ضلعِ عظیم آباد یا مرشد آباد سے بخیال ملازمت نواب
 وزیر لدوہ و داروہ ہوئی۔ ہنوز نواب صاحب تک نہ پہنچی تھی کہ نظر عنایت خاں بہادر کی اس پر پڑی۔ طائف
 سمجھ کر اس کو طلب کیا تو اس طائف نے حاضر ہونے سے انکار کیا اور یہ کہلا بھیجا کہ میں نواب وزیر اور ودھ کی
 ملازمت کے لئے آئی ہوں وہ پٹھان مجھے کیا نوکر رکھے گا لاکھ روپیہ سے کم پر ملازمت نہ کروں گی۔ یہ جواب
 سُن کر فوراً نواب عنایت خاں نے مبلغ ایک لاکھ روپیہ اس کو بھیجا کہ اپنے ملازموں سے کہا کہ ابھی اسکو اپنے
 ساتھ لے آؤ چنانچہ کارہ و اذن عنایت خاں نے ایسا ہی کیا کہ اسے فوراً لے آئے وہ عورت نواب عنایت خاں
 کی یہ سچو سچی دنوازش دیکھ کر نہایت راہنی اور خوش ہوئی۔

جبکہ نواب عنایت خاں بھی وجیہ و تشکیل جو ان تھے اس نے پھر ان کی مدد

ساتھ لے کر بہ سرعت تمام بھپوند کی طرف روانہ ہوئے اور دو پہر میں چونتیس کو س کی مسافت طے کر کے بھپوند پہنچ گئے وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملہار راؤ ان کی آمد کی اطلاع پا کر بھپوند کے محاصرہ سے دست بردار ہو گیا اور دریائے جہنا کو پار کر کے دکن کی طرف چلا گیا۔ حافظ الملک نے ملہار راؤ کا تعاقب کرنا خلاف مصلحت سمجھا اور بھپوند ہی میں ٹھہر کر چند روز کے بعد ٹاؤن شریف لے گئے کچھ عرصہ وہاں کی ہمت میں مشغول رہے اور اس نواح کے سرکشوں کی خاطر خواہ سرکوبی کر کے اور دوسرے انتظامات ملکی انجام دیکر وطن کو واپس آ گئے۔

۴۴ مذاقت گوارانہ کی۔ عقد کر کے گھر میں بیٹھ گئی۔ نواب عنایت خاں اور حافظ الملک کی وفات کے بعد نواب محبت خاں بہادر نے بجال دوراندیشی اپنا عہد اس نیک بخت سے کر لیا۔ نواب صاحب موصوف کے کوئی اولاد اس کے بطن سے نہیں ہوئی۔

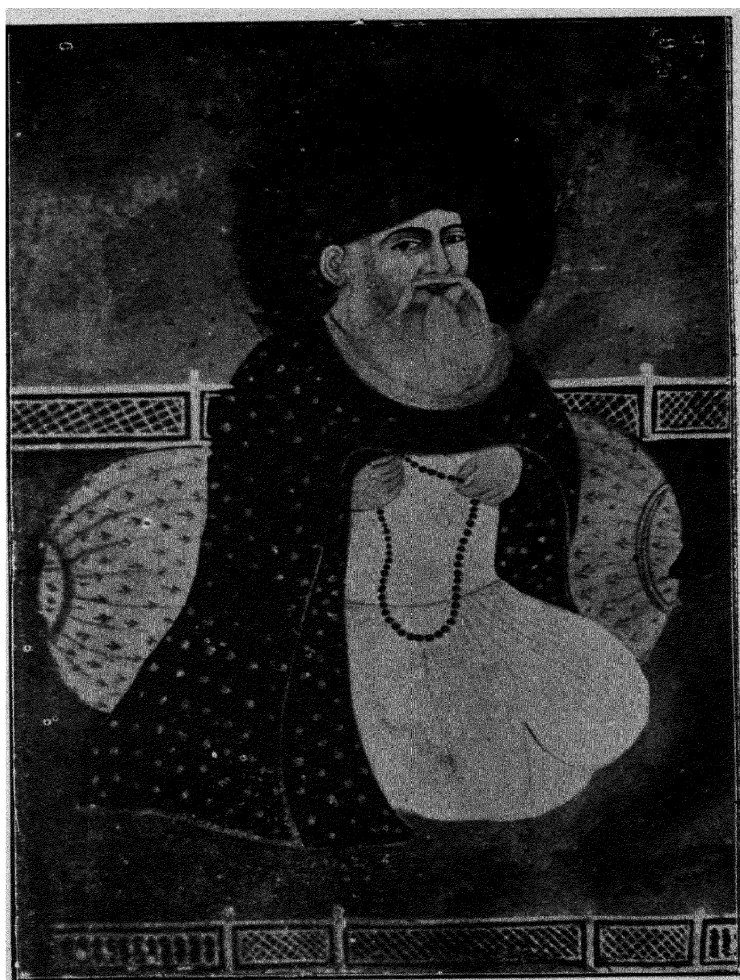
نکدہ بلاکچپ احداثات کی کسی دوسری تاریخ سے تائید نہیں ہوتی گو حافظ الملک کے اہل خاندان میں ان وقعات کا ایک تذکرہ ہوتا ہے۔

(۲۵)

حافظ الملک کی ملاقات شاہ عالم سے اور ان کے صاحبزادوں کی اعزاز

روہیل کھنڈ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد حافظ الملک فتح گڑھ کو تشریف لے گئے جو ان کے مقبوضات میں شامل تھا۔ فتح گڑھ میں جو فرخ آباد سے بہت قریب ترواق ہے حافظ الملک کے ورود کی خبر سن کر ان کے دوست نواب احمد خاں بنگش نہایت خوش ہوئے اور ایک روز انواع و اقسام کے کھانوں کے نہایت پرتکلف خوان بطور دعوت حافظ الملک کی خدمت میں ارسال کر کے اس کے دوسرے روز خود بھی ملاقات کرنے کے لئے فتح گڑھ آئے۔ حافظ الملک ان سے ملاقات کر کے بہت مسرور ہوئے اور ان کی بھائی کا سر انجام کیا۔ احمد خاں نے تمام دن حافظ الملک کے خیمہ میں گزارا اور شام کے وقت فرخ آباد کو واپس ہوئے روانگی کے وقت یہ بھی استدعا کی کہ آپ فرخ آباد ضرور تشریف لائیں۔ چنانچہ دوسرے روز علی الصبح حافظ الملک نے فرخ آباد کی طرف کوچ کیا۔ نواب احمد خاں نے سامان دعوت شاہانہ مرتب کیا اور قسم قسم کی کھانے پینے کی چیزیں مہیا کیں۔ حافظ الملک اسی روز پورا دن عیش و عشرت میں گزار کر بعد نماز عصر فتح گڑھ کو واپس ہوئے۔ احمد خاں بیرون شہر تک رخصت کرنے کی غرض سے ہمراہ رکاب آئے اسی طرح اکثر دعوتیں اور مہماں دریاں طرفین سے ہوتی رہیں۔ کبھی نواب احمد خاں حافظ الملک کے پاس فتح گڑھ آکر ان کے لطف و محبت سے کیف اندوز ہوتے اور کبھی حافظ الملک فرخ آباد تشریف لے جا کر ان کو مسرور و مشکور فرماتے۔

حافظ الملک ہنوز فتح گڑھ میں مقیم تھے کہ شاہ عالم بادشاہ کا جو اس وقت اپنی فوج



نواب حافظ محمد یار خان ابن حافظ الملک

کولے ہوئے کوڑا جہان آباد میں مقیم تھے ایک فرمان پہنچا کہ حاضر بادشاہ اقدس ہوں۔ اس فرمان کے پہنچنے پر حافظ الملک کوڑے کی جانب روانہ ہو گئے قریب پہنچے تو حکم بادشاہ منیر الدولہ مار السلطنت۔ ذوالفقار الدولہ نجف خاں اور کرنل بارکرٹ کر شاہی سے تین کوس کے فاصلہ پر استقبال کے واسطے آئے اور حافظ الملک کے خیمہ میں ایک پہرنک بات چیت میں مشغول ہو کر رخصت ہوئے اور یہ قرار پایا کہ دوسرے روز حافظ الملک بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونگے۔ بموجب قرار داد دوسرے روز حافظ الملک سوار ہو کر کر شاہی میں پہنچے اور ملازمت بادشاہی سے مسرور و مفتخر ہوئے۔ بادشاہ نے حافظ الملک پر بے انتہا نوازش و مہربانی مبذول فرمائی اور ان کے منصب قدیم و کالت مطلق کا خلعت فاخرہ عنایت کیا۔ حافظ الملک کے صاحبزادگان ارادت خاں، حافظ محمد یار خاں اور غلام مصطفیٰ خاں کو بھی جو اس سفر میں ہمراہ تھے بادشاہ نے اپنی ملازمت کا شرف بخشا اور ہر ایک کو گراں بہا خلعت پیش گاہ شاہی سے مرحمت ہوا۔ اسی طرح فتح خاں خاںساں مستقیم خاں پسر شیخ بکیر اور عبدالستار خاں رسالداران کو جو حافظ صاحب کی معیت میں تھے خلعت مرحمت ہوئے۔ چونکہ اسی زمانہ میں حافظ محمد یار خاں نے حفظ کلام اللہ سے فراغت حاصل کی تھی اس لئے اس خبر کو سن کر بادشاہ نے انکو شیخ خانے میں طلب فرمایا اور بیچ آیت شریف سننے کے بعد ان کی خوش گلوئی اور صحت لفظی سے مسرور ہو کر ایک پاٹھافیل عنایت کیا۔ نیز اضافہ منصب اور عطاء خطاب کا امیدوار بنایا۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد جب حافظ محمد یار خاں نے اپنے وکیل کی معرفت نذرانہ پیش کش کیا اور مذکورہ بالا عطیات کی خواستگاری کا اظہار کیا۔ تو حکم شاہی کے بموجب الکاران دربار نے یادداشت بابت منصب پنج ہزاری اور دو ہزار سوار مع عطیہ پاکلی بھاردار اور خطاب منظم الدولہ حشمت جنگ تھہر کر کے حوالہ کیا۔ حافظ الملک جب تک کوڑے میں مقیم رہے روزانہ حضور شاہ میں حاضر ہوتے اور معاملات ملکی میں شریک مشورہ ہوتے تھے۔

چند روز کے بعد شاہ عالم آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت بادشاہ

نے دوبارہ حافظ الملک کو خلعت و شمشیر اور اسپ و فیل عطا فرمایا۔ بادشاہ کی حصولِ ملازمت سے شرفِ اندوز ہو کر حافظ الملک جوں ہی بریلی پہنچے انہیں یہ افسوسناک خبر ملی کہ ملائسن خاں بعارضہِ سل انتقال کر گئے۔ ملائسن خاں امان زانی پٹھان تھے۔ آغازِ جوانی میں ولایت سے آ کر بمقامِ شاہجہان پور عرصہ تک تحصیلِ علم میں مشغول رہے۔ بعدِ الفراغ نواب علی محمد خاں کی فوج میں ملازم ہوئے۔ حافظ الملک کے عہدِ حکومت میں ابتدائے عہدہ جمعہ داری پر فائز ہوئے اور رفتہ رفتہ بڑے بڑے معرکوں میں اپنے جوہرِ شجاعت دکھانے کی بدولت ایک نامور رسالدار ہو گئے۔ حافظ الملک کو ان پر بہت اعتماد تھا اور ان سے قلبی محبت کرتے تھے چنانچہ ملا صاحب کے انتقال کے بعد حافظ الملک نے ان کا رسالہ ان کے بڑے لڑکے محمد حسن خاں کے سپرد کر دیا۔

(۲۶)

مرہٹوں کی شمالی ہند پر از سر نو پوشش اور حافظ الملک کی مشکلات

پانی پت کی مشہور لڑائی کو ختم ہوئے ابھی پورے دس سال نہ گزرے تھے کہ چند در چند خانہ جنگیوں کے بعد مرہٹوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنے کھوئے ہوئے وقار کو از سر نو حاصل کریں اور گئے ہوئے اثر و اقتدار کو از سر نو قائم کریں اس خیال کو عملی صورت میں لانے کے لئے مرہٹہ سردار ایک لاکھ فوج جہاز کے ساتھ شہر میں دریائے نرہ کو عبور کر کے شمالی ہند کی دوبارہ تخییر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس موقع پر مرہٹوں کو روہیلوں اور دوسرے ان مسلمان حکمرانوں کو جنہوں نے شہر میں ان کے استیصال میں شاہ درانی کا ساتھ دیا تھا خاص طور پر زیر کرنا مد نظر تھا۔ لیکن ان مسلم حکمرانوں کے علاوہ انہیں کسی دوسرے غیر مسلم راجہ یا سردار سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی اور انہوں نے اس مہم میں ان راجپوت سرداروں کو بھی خوب لوٹا کھسوا جن کی ریاستیں ان کے راستہ میں پڑتی تھیں راجپوتوں کے بعد جاٹوں کی باری تھی جن کے مقبوضات اس وقت مرہٹوں کی موجودہ جائے قیام اُجین اور روہیلوں کے درمیان حاصل تھے۔ اُجین تک مرہٹوں کے بڑھ آنے کی حافظ الملک کو خبر ہوئی تو انہوں نے اپنے اور جاٹوں کے ملک پر جو ان کے دوست تھے آئندہ پیش آنے والے حملہ خطرات کو محسوس کر کے ازراء دور اندیشی و بالغ نظری مرہٹوں کے مقابلہ میں جاٹوں سے اتحاد عمل کرنا چاہا تا کہ وہ اور جاٹ ملکر مرہٹوں کو آگے بڑھنے سے روکیں اور اس طرح علاج واقعہ پیش از وقوع باید کرد۔ کے صحیح طور پر مصداق بنیں۔

اجہ نول رائے سے اتحاد عمل کی
 خرباک۔ حافظ الملک کا ایک
 چم نط اور اُس کا جو اب
 اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر حافظ الملک نے ایک عاقلانہ
 اور دردمندانہ خط راجہ نول رائے والی بھرت پور کو لکھا۔
 مہاراجہ صاحب بیمار مرہان مخلصان سلامت۔

بعدترقیم مدارج اشتیاق ملاقات بہجت آیات جو اندازہ بیان سے زیادہ ہیں
 مکشوف ضمیر مینر کیا جاتا ہے کہ جب سے آپ کا خط غیریت نہیں موصول ہوا ہے
 جناب کی غیریت دریافت کرنے کی بے حد تمنا اور اشتیاق ہے۔ عالم محبت معنی
 میں اگرچہ کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہے لیکن خط و کتابت کا سلسلہ بند ہونے سے
 طبیعت میں فکر اور تردد پیدا ہو جاتا ہے۔ فوج دکنی کے حروج کا حال اور پٹنہ
 کو زیر و زبر کرنے کے واسطے تین سرداروں کی روانگی اور اُن کی دست درازی
 کے معاملات آپ نے خارجاً جاسُن لئے ہوں گے ہر چند کہ مجھ کو ایسا گمان نہیں ہو
 کہ کوئی بھی رئیس اور والی ملک اس کام کی تدبیر سے غافل ہو گا یا اپنی تدابیر خلاف عقل
 کرتا ہو گا یا خدا نے تعالیٰ جل شانہ کے فضل پر بھروسہ کر کے چارہ کار میں مشغول نہ ہو گا۔
 لیکن سخت افسوس یہی ہے کہ اس ملک کے سرداروں نے دور اندیشی سے غافل
 ہو کر نفاق کو آپس میں رائج کر دیا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر ایک
 کے گھر کو آگ لگ جاتی ہے تو دوسرے کے منہ سے آہ نہیں نکلتی بلکہ خوشی کے چراغ
 روشن کرتا ہے۔ گزشتہ زمانہ میں جب بھاؤ نے اس طرف لشکر کشی کی تو اُس
 کی مدافعت کے واسطے ہر ایک مسلح اور مستعد ہو گیا۔ حادثہ دہرائی بھی اس ہم
 دشوار گذار میں معاون ہو گئے اور ہندوستان کے تمام سرداروں کو اپنے حلقہ اطاعت
 میں لے کر اس کی مدافعت میں مصروف ہو گئے۔ آج جو ہم نظر عین سے دیکھتے ہیں تو
 ہر خاندان ایک آئینہ حادث میں مبتلا ہے اور کسی کو کسی کے مال کی فکر نہیں ہے۔
 چونکہ آپ ایک عمدہ رئیس ہیں اور آپ کے خاندان گرامی کی شوکت و مشکوہ تمام

ہندوستان میں مشہور ہے۔ لہذا اگر آپ رخنہ فساد کے انداد کی طرف شروع سے متوجہ ہو جائیں اور اس نواح (یعنی روہیل کھنڈ) کے سرداروں کو اپنا رفیق سمجھیں تو یہ ہر وقت کا کھٹکا دل سے دور ہو جائے اور اطمینان خاطر حاصل ہو جائے۔ لیکن مداخل کی کمی اور مخارج کی زیادتی کے سبب سے آپ کو ہماری مالی امداد ضرور کم کرنا ہوگی تاکہ ہم لوگ فوج اور سپاہ کی دلجمعی کا بند و بست اور سفر کا اسباب متیار کر کے حق دوستی ادا کریں جو فی زمانہ بغیر مالی امداد کے ناممکن ہے اور تائید غیبی سے اگر کامیابی ہوگئی تو آئندہ ہمیں آپ کی مالی امداد کی ضرورت نہ پڑے گی۔ چونکہ آپ کا ملک مقبوضہ اس سیلاب فساد کے راستہ میں واقع ہے اور اس کے نتیجہ میں جو انقلابات پیدا ہو سکتے ہیں وہ سرسبز انظوریں لہذا خدمت عالی میں عرض کیا گیا تاکہ کل کو مخلصوں کے مواہد میں جائے شکایت نہ رہے باقی امور فی حقیر جمع ذبانی عرض کر دے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں؟

حافظ الملک کا یہ خط جب بھرت پور پہنچا تو جاٹوں میں سخت خانہ جنگی ہو رہی تھی ۱۶۷۱ء میں راجہ جواہر مل کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کا لڑکا رتن سنگھ بھی ۱۶۷۹ء میں قتل ہو چکا تھا اور اس وقت رتن سنگھ کا نابالغ لڑکا کھیری سنگھ تخت نشین تھا جس کے دوستیلے چچا نول سنگھ (جس کو حافظ الملک نے خط لکھا تھا) اور رنجیت سنگھ عمدہ مدار المہامی کے لئے آپس میں لڑ رہے تھے چھوٹے بھائی رنجیت سنگھ نے اپنی مدد کے لئے سکھوں کو بلایا تھا اور نول سنگھ مرہٹوں سے طالب امداد تھا۔ اس لئے اندریں حالات نول سنگھ نے براہ کوتاہ اندیشی جو جواب حافظ الملک کو لکھا اُس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

”نواب صاحب مہربان مخلصان سلامت۔“

صحیفہ گرامی موصول ہو کر نہایت خوشی کا موجب ہوا۔ اہل دکن کی آمد آمد کی خبریں معلوم ہوئیں اور یہ معلوم کر کے کہ آپ بمقتضائے صفاء و اختصاص و محبت و اخلاص شرائط دوستی بجالانے کے واسطے مستعد و معروف ہیں اطمینان کلی حاصل ہوا نیز دیگر اہل تہذیب و دور اندیشی جو آپ کے خط میں تحریر تھے مفصل دریافت ہوئے۔ مہربان من حفظہ اہل تہذیب و فاق کا مقضیٰ یہی ہے کہ سختی کے وقت دوستی کے کھرے کھرٹے کو آزمائش کی کسوٹی پر جانچ لیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ میرے وکلاء جو پیشوا صاحب بہادر کے دربار میں رہتے ہیں ان کی تحریروں کے ذریعہ آپ کے لکھنے سے قبل یہ سب حال معلوم ہو گیا تھا کہ شریمنٹ بہادر نے صوبہ دار ملکوجی ہلکر اور پٹیل صاحب بہادر کو ہندوستان سے اپنا زور واجب وصول کرنے کی غرض سے جو سالہا سال سے ان کو نہیں پہنچا ہے نیز چونکہ انقلاب سابق کی وجہ سے ابھی ان کے دل کا آبلہ نہیں چھوٹا ہے روانہ کیا ہے اور رام چندر گنبیش کو مع رائے ٹیکا کے ان کے ہمراہ کر دیا ہے۔ چنانچہ سردار ان موصوف افواج بے شمار اور سامانِ شانہ کے ہمراہ نواحِ اُچین میں تشریف لے آئے ہیں اور بھگوکھا ہے کہ اُس سال انکو ہندوستان سے واپس نہ نظر فرما رہا ہے یہ بھی لکھا ہے کہ اُس کا انتظام ہمارے آپ کے باہمی صلاح و مشورہ کے ساتھ ہوگا۔ لہذا اپنے وکیل کو روانہ کیجئے اور جس راستے سے آپ لکھیں اُسی راستہ کو لے کر گاؤں گاہ قرار دیا جائے۔ بالفعل حیدر و زلشکر اطراف جے پور میں مقیم رہے گا۔ چنانچہ میں نے ایک مستند کو روانہ کر دیا ہے اور یہ امر منظور کر لیا ہے کہ ان سردارانِ عالی شان کے تشریف لانے پر میں خود ان سے ملاقات کروں گا۔ چونکہ اس دفعہ ان سردارانِ ذی شان کے ارادے بہت دور و دراز کے ہیں کسی ایک ہی شخص یا ملک کا نفع کرنا منظور نہیں ہے لہذا بمقتضائے وفاق محبت آپ کو تحریر ہوتا ہے کہ آپ کو اور دیگر صاحبانِ لشکر کو سردارانِ فوج کئی

سے اتفاق یا اختلاف جیسا کچھ منظور ہوئے بحکمِ تقدیر کر دیں تاکہ بوقت مناسب دوستی کو مد نظر رکھتے ہوئے انتظام و انقیام امور دوستانہ کو عمل میں لایا جائے۔ مگر صاحبانِ دکن اور سردارانِ ہند کے دلوں میں کدورت کا کوئی خباہت ہوگا تو اس کی صفائی کی تدبیر کی جاوے گی اور جنگ و پیکار کا طوفان برپا نہ ہونے دیا جائے گا اس سبب سے کہ خود میرا قدم میدان میں جما ہوا ہے۔ میں دوستوں کے امور کی رونق و سرسبزی کا دل سے خواہاں ہوں اگر آپ کو اپنے انتشارِ مافی الضمیر اور اظہارِ غلط فہمی کا دل سے شروع کا رکے وقت تدبیر صرف تیر ہوئی کے طور پر ہوگی ممکن ہے کہ ہدفِ مدعا پڑنا نہ لگے۔ باقی مراتبِ خصوصیت و مموالات منشی چتر بھوج داس کی زبانی آپ کو معلوم ہونگے۔ اپنی خیریت مزاج سے ہمیشہ مطلع اور مسرور کرتے رہئے زیادہ ایامِ مسرت بکام باد۔“

حافظ الملک نے راجہ نول سنگھ کے مشورہ پر کہاں تک عمل کیا اس کا کسی تاریخ سے پتہ نہیں چلتا زیادہ گمان یہی ہے کہ مرہٹوں کی قدیم دشمنی اور فطری ملے و فانی کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کو راجہ نول سنگھ کے اس جواب سے بہت مایوسی ہوئی ہوگی اور انہوں نے راجہ مذکور کے ذریعہ مرہٹوں سے صلح و آشتی کا کوئی نامہ و پیام نہ کیا ہوگا۔ خود راجہ نول سنگھ کو بھی مرہٹوں سے حسن ظن اور امید امداد رکھنے کا زبردست خمیازہ بھگتنا پڑا چنانچہ ہسٹری آف دی جاتس کے لائق مؤلف پروفیسر کالیکا رجن خانوں کو اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ۔

”مرہٹوں نے آپس میں لڑنے والے مختلف ہندوستانی حکمرانوں کے درمیان

۱۵ حافظ الملک اور راجہ نول سنگھ کے خطوط ہم نے تاریخ اودھ حصہ دوم سے فارسی سے اردو زبان میں ترجمہ کر کے نقل کئے ہیں مؤلف تاریخ اودھ کو ”یہ خطوط بھرت پور سے ملے ہیں“

ایک طاقتور صلح کار کا سطرِ عمل اختیار کرنے کے بجائے شرارت پسندوں اور بغاوت و خانہ جنگی کو ترجیح دینے والوں کا پارٹ ادا کیا۔ جس وقت سورج مل کے لڑکے اپنے اپنے حق مدارِ المہامی کا تلوار سے فیصلہ کر رہے تھے مرہٹے اس جنگ کا بہ نظر استعماں قماشہ دیکھنے رہے۔ جب نول سنگھ نے اپنے چھوٹے بھائی رنجیت سنگھ کو شکست دیکر اور سکھوں کو روپیہ کے ذریعہ مطمئن کر کے خانہ جنگی کا قریب قریب خاتمہ کر دیا تو مرہٹے جاٹوں کے ملک میں داخل ہوئے اور بھرت پور کے گرد و نواح کی لوٹ مار شروع کر دی۔ ساتھ ہی انھوں نے رنجیت سنگھ کو بھی اپنے بھائی سے جنگ کرنے کے لئے از سر نو بھڑکایا۔

نول سنگھ سے مرہٹوں کی لڑائی اپنی تمام پہلی قرار دادوں اور تمام مواعید کو فراموش کر کے حافظ الملک کے مشورہ پر عمل نہ کرنے کا خمیازہ

کر دیا۔ راجہ نول سنگھ نے چارہ اس صورت حال سے بالکل نئے خبر تھا اس لئے جب ڈیگ کے قریب جنگ ہوئی تو اس کی فرج کو شکست فاش اُٹھانا پڑی۔ پانچ ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ مقتول و مجروح ہوئے۔ مزید براں لڑائی کے بعد پینسٹھ لاکھ روپیہ پر تصفیہ ہوا تو کہیں بمقت نول سنگھ کی جان چھوٹی۔ اگر راجہ نول سنگھ حافظ الملک کی تحریک امداد کا خیر مقدم نہ کرنا تو مرہٹوں کی چال میں نہ آجاتا تو نہ صرف اسے یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا بلکہ مرہٹوں کا سیلاب فساد آگے بڑھنے سے بھی رک جاتا۔

مرہٹوں کا سرخ فرخ آباد کی طرف اور حافظ الملک نواب انگش کی سمت میں۔ نواب نجیب الدولہ کی خود غرضی کی طرف رجوع ہونا چاہا۔ اس صورت حال سے روہیلہ سواروں کو بڑی تشویش پیدا ہوئی

اور ان میں سے ہر ایک اپنی حفاظت کی تدبیر کرنے لگا۔ اس عام قومی خطرے کے وقت نواب نجیب الدولہ نے نہایت خود غرضی سے کام لیا یعنی دوسرے پٹھان سرداروں سے مشورہ کئے بغیر صرف ذاتی مفاد کو پیش نظر رکھ کر دیباچی کشن اور اپنے قدیم دوست ٹکوجی بکھر کی وساطت سے اپنی فوج لیکر دوآب میں گئے اور بالابھی بالامر ہٹوں سے صلح کر لی۔ اور ان کی توجہ اپنے مقبرضات کی طرف سے ہٹانے کے لئے یہ مشورہ دیا کہ نواب احمد خاں بنگش والی فرخ آباد کا ملک نفع کرنا چاہئے۔ مرہٹے تو خدا سے ہی چاہتے تھے فوراً نجیب الدولہ کے مشورہ کو قبول کر لیا اور ۲۷۔ اپریل ۱۸۵۷ء کو دونوں فوجیں فرخ آباد پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئیں۔ نواب احمد خاں بنگش کو جو اب ضعیف العمر اور نابینا ہو گئے تھے فرخ آباد پر اس چڑھائی کی خبر ملی تو انہوں نے ایک خط حافظ الملک کو لکھا جس کا یہ مضمون تھا کہ۔

”نجیب الدولہ نے پرائی وداوت کی بنا پر ہمارا جی سیندھیا اور ٹکوجی بکھر۔ راچندر گینش اور دیباچی کشن وغیرہ سردارانِ مرہٹہ کو ساتھ لے کر بھد پرورش کر دی ہے آپ مدد کو آئیے“

حافظ الملک ابتدا سے مرہٹوں سے اپنی جنگ کو ناگزیر سمجھے ہوئے تھے صرف اس بات کے منتظر تھے کہ چند طاقتور حکمران آپس میں مل جائیں تو مرہٹوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر لیں اسی بنا پر انہوں نے جاٹوں کے راجہ نول سنگھ کو امداد دینا چاہی تھی۔ جاٹوں سے مایوسی کے بعد حافظ الملک کو اپنے ہتم قوم حکمرانوں سے بہت کچھ توقعات تھیں لیکن نجیب الدولہ کے طرز عمل سے ان کی کمر ٹوٹ گئی کیونکہ ایک بڑے معرکے کے لئے اب وہ مدد لیں تو کس سے لیں اور اتحاد عمل کریں تو کس سے کریں۔ حافظ الملک شجاع الدولہ کو بھی اپنا قوت بازو

۱۷ ہٹری آف دی مرہٹا، گرانٹ ڈف۔ ۱۷ تاریخ فرخ آباد مٹو لہہ آرون صاحب۔

۱۷ گل رحمت۔

بھٹے نے لیکن ۲۰ اگست ۱۹۴۷ء کے انگریزوں سے صلح نامہ کے بعد شجاع الدولہ کی آزادی رائے اور آزادی عمل کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اور وہ اب تمام وکمال انگریزوں کی مرضی کے پابند ہو گئے تھے۔ وارن ہیڈنگر ہندوستان میں آج کل انگریزی مقبوضات کا گورنر تھا۔ وہ اس وقت مرہٹوں سے اپنا دامن اُلجھانا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ غالباً وارن ہیڈنگر کے مشورہ کے مطابق اس زمانہ میں شجاع الدولہ برابر مرہٹوں سے دوستانہ خط و کتابت کر رہے تھے۔ غرض ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی کا سامنا تھا۔

تاہم ان تمام ناموافق حالات کے باوصف حافظ الملک نے اپنے دوست احمد خاں کا خط موصول ہونے پر محض خدا کے فضل پر بھروسہ کر کے اپنی افواج کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب فوج جمع ہو گئی اور یہ بھی خبر مل گئی کہ نجیب الدولہ اور مرہٹے دریائے جمنا کو عبور کر گئے تو فرخ آباد کی جانب کوچ کر دیا۔ اور اولہ۔ بدایوں اور اوسہت کے راستے سے قادیان گئے ہیں داخل ہوئے وہاں پہنچ کر خبر ملی کہ نجیب الدولہ سخت بیمار ہو جانے کے باعث مرہٹوں کی ہمراہی سے علیحدہ ہو کر نجیب آباد کو واپس جا رہے تھے کہ راستہ میں بمقام باپوڑ انتقال کر گئے اور ان کا بڑا بیٹا ضابطہ خاں اپنی تمام فوج کے ساتھ سردارانِ مرہٹہ کے ساتھ ہے۔ اس وحشت ناک خبر کو سن کر حافظ الملک حیرت زدہ ہو گئے۔ اور نواب نجیب الدولہ کے انتقال پر کمال درجہ اظہار

۱۵ ہسٹری آف دی مرہٹا زگر انڈیا ڈف۔

۱۶ نواب نجیب الدولہ نے ۲۴۔ ستمبر ۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۔ تاریخِ نجیب آباد مولفہ مولانا اکبر شاہ خاں) ایک معمولی جعدار سے دہلی کی امیرالامرائی تک ترقی کی۔ دو چار کمزوریوں کو چھڑ کر نواب نجیب الدولہ تاریخِ ہندوستان میں ایک عظیم الشان اور بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔ بہادری و دراندیشی اور انوالوگری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ”تاظم ملک بقاء“ ان کی تاریخِ وفات ہی دوسری تاریخ یہ ہے۔ دباخی

زمینِ راشیوہ شیون بپاشد + فلک را گریہ دنداں خماشد
بدالِ قد و سیماں دادنداں رزمز + نجیب الدولہ واصل بخدا شد

افسوس کیا۔ ساتھ ہی ان جدید واقعات کا انتظار کرنے کے لئے جو نواب نجیب الدولہ کے حادثہ وفات کی وجہ سے آئندہ رونما ہونے والے تھے قادر چوک ہی میں ٹھہر گئے۔ صرف چند معتبر رسالہ ارشل عبدالستار خاں اور سید احمد شاہ وغیرہ کو پندرہ بیس ہزار سواریوں کے ساتھ فرخ آباد کی طرف روانہ کر دیا۔

نجیب الدولہ کے انتقال کے بعد	حافظ الملک جن مصالح کی بنا پر قادر چوک میں مقیم ہو گئے تھے
حافظ الملک کے نام مضابطہ خاں کا ایک خط	ان کا فوراً ظہور ہوا یعنی بالکل خلاف توقع ان کے پاس مضابطہ خاں کا ایک خفیہ خط پہنچا۔ جس میں لکھا تھا کہ۔

”اپنے والد نجیب الدولہ کی تجویز کردہ حرکت سے میں نہایت شرمندہ ہوں اور اس وقت مجبوراً سردارانِ مرہٹہ کے ساتھ ہوں ہر چند چاہتا ہوں کہ اپنے باپ کی سوگواہی کے بہانہ سے اپنے ملک کو چلا جاؤں لیکن یہ لوگ نہیں چھوڑتے اگر آپ بہت جلد فرخ آباد میں داخل ہو جائیں گے تو احمد خاں کے ساتھ اپنی عدم محاربت کی گفتگو کا سلسلہ چھیڑ کر سردارانِ مرہٹہ کے ساتھ معاملہ اوصالحہ شروع کراؤں گا اور اس تقریب سے یقین ہے کہ مجھے مرہٹوں کے ہاتھ سے مفصلی نصیب ہو جائے گی“

حافظ الملک جو عفو و کرم اور صفائے قلب میں اپنی فطرت آپ تھے مضابطہ خاں کی مجبوری و پریشانی سے فوراً متاثر ہو گئے اور نجیب الدولہ مرحوم کی بے دفاعی کا کچھ لحاظ کئے بغیر ان کے لڑکے کی ہر ممکن امداد کرنے کے لئے مگر بستہ ہو گئے اور اپنے لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

مرہٹوں اور افغانوں کی	اس عرصہ میں مرہٹوں کا لشکر بھی فرخ آباد سے چوڑھ کو سس کے
زور آزمائی	

فاصلہ پر آگیا تھا لہذا حافظ الملک نے یہ سفر بہت تیزی کے ساتھ کیا اور پہلا پڑاؤ دریائے گنگا کے کنارے فوج گڑھ میں کر کے دریا پر پل باندھنے کا حکم دیا۔ حافظ الملک کے فوج گڑھ تک جاتے کی خبر سن کر نواب احمد خاں بنگش نے جو بہ سبب فقدان بصر خود ملاقات کو نہ آ سکے اپنے مستعین کو لوازمِ مہمانداری لائقہ کے ہمراہ استقبال کو بھیجا۔ دوسرے روز حافظ الملک تھلاکشی پر دریائے گنگا کو عبور کر کے نواب احمد خاں سے ملاقات کرنے لئے فرخ آباد تشریف لے گئے اور اسم عیادت و دلداری کو پیش از پیش ادا کر کے پھر اپنے مقام کو واپس آ گئے۔ پُل تیار ہو گیا تو حافظ الملک نے اپنے لشکر میں سے بیس ہزار سوار اور پیادوں کو دریا کو عبور کرنے اور فوج مرہٹہ کے ساتھ جنگ فراوانی کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فوج مذکور نے شہر فرخ آباد کو اپنی پیٹھ کے پیچھے کر کے اپنے مورچے قائم کر لئے۔

اسی روز سے روہیلوں اور مرہٹوں کی ہر اول فوج کے درمیان چھوٹی چھوٹی جھڑپیں شروع ہو گئیں اس حال میں چند دن گزرنے کے بعد حافظ الملک نے بمشورہ نواب احمد خاں اور حسب الطلب ضابطہ خاں اپنے بھانجے خان محمد خاں کو بطور سفیر لشکر مرہٹہ میں منگوجی ہلکر کے ڈیرے پر روانہ کیا تاکہ وہ ہلکر کی وساطت سے جو نواب نجیب الدولہ مرحوم کا دوست تھا مرہٹہ سرداروں سے ضابطہ خاں کی رہائی اور نواب احمد خاں سے صلح کی بابت گفتگو کرے۔ حسب الحکم خان محمد خاں لشکر مرہٹہ میں گیا۔ پہلے ضابطہ خاں سے ملاقات کی اور اس کو حافظ الملک کی جانب سے بہت کچھ تسلی و تشفی دی بعد ازاں منگوجی ہلکر کے توسل سے سرداران مرہٹہ سے گفتگو سے مصالحت شروع کی۔ مرہٹہ سرداروں نے بالافتاق یہ کہا کہ اگر حافظ الملک اپنے مقبوضات اٹا وہ و شکوہ آباد سے دست بردار ہو جائیں تو ہم ان کی خاطر سے نواب احمد خاں سے صلح کرنے اور ضابطہ خاں کو رہائی دینے کو تیار ہیں یہ شرط منظور نہیں ہوگی تو صلح نہیں ہو سکتی۔

خان محمد خاں مرہٹوں کی شرطِ مصالحت معلوم کر کے ضابطہ خاں کے معتمدِ چیت رام کے ہمراہ اپنے لشکر کو واپس آیا اور سردارِ ان مرہٹہ کی کل گفتگو مفصل طور پر حافظ الملک سے بیان کی چیت رام نے بھی ضابطہ خاں کا یہ پیام گزرا کرش کیا کہ اگر سردارِ ان مرہٹہ کو آنا وہ وغیرہ دینے کی امیدواری میں لیت و لعل میں رکھ کر آپ بھگوروانگی کی اجازت دلا دیں تو نہایت احسان ہو گا۔

حافظ الملک ابتداً مرہٹوں کا پیام سن کر بہت غضبناک ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ ان کے اور مرہٹوں کے درمیان تلوار ہی سے فیصلہ ہو لیکن بعدہ ضابطہ خاں کو مرہٹوں کے ہاتھ سے نقصان پہنچ جانے کے امکانات کا خیال کر کے اپنے مقبوضات آناؤہ اور شکوہ آباد کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے اور خان محمد خاں کو دوبارہ مرہٹوں کے پاس روانہ کر کے املا بھیجا کہ آپ لوگ ضابطہ خاں کو رخصت کر دیں ہم اپنے رسالہ رنواب دوندے خاں اور اپنے بڑے لڑکے نواب عنایت خاں سے جو سفر میں ہمارے ہمراہ نہیں ہیں مشورہ کر کے آناؤہ اور شکوہ آباد سے دست بردار ہو جائیں گے۔ کیونکہ آپ کو علم ہے کہ یہ مقامات جنگ پانی زیت کے بعد شاہِ دُرانی نے ان ہی لوگوں کو بطور جاگیر عطا کئے تھے اس لئے اس بارے میں ان کی رضامندی حاصل کرنا ہمارے لئے لازمی ہے۔ گو ہم کو یہ ضرور یقین ہے کہ وہ ہماری فتنائے خلاف نہیں جاسکتے۔

خان محمد خاں نے حافظ الملک کا پیام سردارِ ان مرہٹہ سے بیان کیا تو بہت کچھ گفت و شنید کے بعد وہ لوگ محض حافظ الملک کے ذاتی اعتبار و اعتماد پر ضابطہ خاں کو رخصت کرنے پر کسی قدر آمادہ ہو گئے۔ ابھی انہوں نے اجازت صریح نہیں دی تھی کہ اس عرصہ میں نواب نجیب الدولہ کی تمام فوج نجیب آباد اور غوث گڑھ وغیرہ سے ضابطہ خاں کے

حسب الطلب اس نواح میں آپہنچی اور مرہٹوں کے لشکر سے دس کو س کے فاصلہ پر خیمہ انداز ہوئی۔ ضابطہ خاں اپنی سپاہ کی آمد کا حال سنکر مرہٹہ سرداروں کو اطلاع کئے بغیر کچھ رات رہے خفیہ طور پر خیمہ سے نکل کر اور خان محمد خاں کو جو ایک مفسد اہل نادان شخص تھا اپنے ہمراہ لے کر اپنے لشکر کو روانہ ہو گیا۔ راستے سے خان محمد خاں کو تو رخصت کر دیا اور حافظ الملک کو مرہٹوں کے غیظ و غضب کا شکا رہنا کر یہ خود غرض اور محن کش خود اپنی سپاہ کے ہمراہ کوچ متواتر کرتا ہوا خیب آباد کو چلا گیا۔ صبح کے وقت جب خان محمد خاں کے ذریعہ حافظ الملک کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ سناتے میں رہ گئے اور ضابطہ خاں کی خود غرضی بہ بزدلی اور شقی القلبی سے ان کے حیرت و استعجاب کی کوئی حد نہ رہی۔

یا وفا خود نہ بود در عالم • یا مگر کس دیریں زمانہ نکرد

کس نیا مہخت علم نیر از من • کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

اس عالم کرب و اضطراب کے بعد حافظ الملک تن بہ تقدیر ہر مصیبت کے اٹھانے کے لئے تیار ہو گئے اور پردہ غیب سے جو کچھ ظہور میں آنے والا تھا صابر و شاکر ہو کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ اور ہر پہلے ضابطہ خاں کی فراری سے مطلع ہوئے تو انھیں یقین ہو گیا کہ اس سازش میں حافظ الملک کا ہاتھ ضرور تھا۔ سانپ کی طرح بل کھانے لگے اور انھوں نے رسالداران روہیل کھنڈ سے جو مرہٹوں کے مقابلہ میں مورچہ ڈالے ہوئے تھے فوراً جنگ شروع کر دی۔ چونکہ اس جہم میں سوء اتفاق سے کار آزمودہ اور جنگ دیدہ سرداران قدیم مثل دوندے خاں، بخشی سردار خاں، فتح خاں، خانساں، شیخ کبیر اور عنایت خاں وغیرہ لشکر کے ہمراہ نہ تھے۔ اور نئے رسالدار جو حافظ الملک کے ہمراہ رکاب تھے ان میں سے بعض بعض عیاشی کے سبب سے اور بعض نا تجربہ کاری کے باعث جنگ میں تندرہی اور سر فروشی عمل میں نہ لاسکتے تھے۔ اہل

لئے ہر حملہ میں مرہٹے فتح مند اور روہیلے سپاہ ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیش و عشرت اور دولت کی فراوانی انسان کو بے ہمت۔ نئے حوصلہ۔ کام چور۔ منفعت خور اور آرام طلب بنانے میں کیما کی تاثیر رکھتی ہے چنانچہ جن روہیلوں نے اب سے دس سال قبل جنگ پانی پت میں مرہٹوں کے چھٹکے پھڑا دئے تھے آج انھیں روہیلوں کا یہ حال تھا کہ کم ہمتی ان پر تسلط ہو گئی تھی اور وہ مرہٹوں سے قدم جما کر مقابلہ کرنے میں نئے توہمی اور جی چرانے کا مظاہرہ کرتے تھے۔ لیکن چونکہ حافظ الملک اور ان کی فوج کے پھلے کار نالے ابھی مرہٹوں کے دل سے فراموش نہیں ہوئے تھے اس لئے اپنی فتح کے باوجود وہ شکست خور وہ روہیلوں کا تعاقب کرنے کی جرات نہ کرتے تھے۔ حافظ الملک نے اس جنگ میں بہت کچھ دانش جاعت دی لیکن جب انھیں اپنی فوج کی کمزوری و بزدلی کا پورا پورا ایقین ہو گیا تو وہ کسی بڑی شکست سے قبل فوج ہراہی کے ساتھ میدان جنگ سے ہٹ گئے اور دریائے گنگا کو عبور کر کے فتح گر ٹھ میں خیمہ انداز ہو گئے۔ دوسری طرف مرہٹوں نے بھی ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے زیادہ کاوش نہیں کی۔ غالب و مغلوب میں کوئی تمیز کرائے بغیر میدان جنگ سے لوٹ گئے۔ اور فرخ آباد سے دست بردار ہو کر اٹاواہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

فرخ آباد کے بعد فرخ آباد سے فی الحال دست بردار ہونے اور اٹاواہ کی طرف رخ
 اٹاواہ اور شکوہ آباد کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ضابطہ خاں کے معاملہ میں عہد شکنی کے سبب سے پہلے اٹاواہ اور شکوہ آباد پر بزورِ شمشیر قبضہ کر کے اپنی ضد اور اپنے مطالبہ کو پورا کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت حافظ الملک نے اپنی سپاہ کی بزدلی کے باعث مرہٹوں کا تعاقب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ فتح گر ٹھ ہی میں قیام کر کے اٹاواہ کے معاملہ میں مشورہ کرنے کے لئے عنایت خاں کو بریلی سے طلب کیا۔ اسی عرصہ میں نواب دو ندرے خاں کا جواک عارضہ شدید کے باعث بسولی میں صاحب فراش تھے ایک خط پہنچا جس میں لکھا تھا کہ۔

”بالفعل مرہٹوں کے فحاشی میں اٹا وہ کی طرف جانا صلاح دولت نہیں معلوم ہوتا اور فوج کا بھیجنا بھی جو جنگ میں سرفروشی نہیں کر رہی ہے مصلحت نہیں۔ مثلاً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اٹا وہ اور شکوہ آباد بعدِ مسافت کے سبب ہمارے جیلہ ضبط سے باہر ہیں اس لئے میں شکوہ آباد سے دست بردار ہوتا ہوں اور عنایت خاں اٹا وہ سے دست کش ہو جائیں تاکہ ہمارے اور مرہٹوں کے فی مابین شرائط صلح از سر نو قائم ہو جائیں“

تمام رسالہ اران ہمارا ہی جو اس جنگ میں سستی ظاہر کر رہے تھے نواب دومندے خاں کے خط کو اپنی دستاویز بنا کر اس کی تائید میں کوشش کرنے لگے لیکن عنایت خاں کسی طرح مرہٹوں سے صلح کی تجویز سے اتفاق نہیں کرتے تھے اور انھوں نے حافظ الملک سے عرض کیا کہ۔

”اگر اجازت ہو تو میں اس ہم کا ذمہ دار ہو کر جنگ شروع کروں“
حافظ الملک نے فرمایا کہ۔

”مجھ کو اس فوج پر بالکل اعتبار نہیں ہے اور یقین کرتا ہوں کہ میدان جنگ میں تمکو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائے گی“

عنایت خاں نے جب حافظ الملک کو صلح ہی پر مائل دیکھا تو مجبوراً رنجیدہ ہو کر بریلی کو واپس ہو گئے۔

حافظ الملک نے مرہٹہ سرداروں کو اطلاع دی کہ ہم اٹا وہ اور شکوہ آباد سے دست برداری مرہٹوں سے صلح	حافظ الملک نے مرہٹہ سرداروں کو اطلاع دی کہ ہم اٹا وہ اور شکوہ آباد سے دست بردار ہو کر صلح کے لئے تیار ہیں آپ لوگ صلح نامہ پر اپنی اپنی ٹھہر کر کے ہمارے حوالے کر دیں۔ ابھی یہ نوشتہ
--	---

ہات مرہٹہ سرداروں کے پاس پہنچنے نہ پائے تھے کہ مرہٹوں نے قلعہ اٹاواہ کے قریب پہنچ کر اسے فتح کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ شیخ کبیر نے بھی جو عرصہ سے اٹاواہ کے گورنر تھے بیرون قلعہ کے تمام مورچے درست کر کے مدافعتِ جنگ شروع کی۔ چار روز تک شیخ کبیر کی فوج اور مرہٹوں کے لشکر کے درمیان روزانہ سخت لڑائی ہوتی رہی اور ہر روز مرہٹے مغلوب ہو کر ہسپا ہونے رہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ بزورِ شمشیر قلعہ کو فتح کرنا ممکن نہیں تو اپنے وکیلوں کو شیخ کبیر کے پاس بھیج کر پیام دیا کہ آپ کے آقا نے اٹاواہ اور شکوہ آباد ہم کو واکڈاشت کر کے صلح کر لی ہے غالباً آپ کو بھی لکھا ہو گا لہذا آپ کیوں جنگ کرتے ہیں۔ شیخ کبیر نے جواب دیا کہ۔

”جے شک حافظ الملک کا اس بارے میں میرے پاس حکم آ گیا ہے لیکن چونکہ آپ زور اور غلبہ کے ساتھ قلعہ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے اس واسطے میں نے مدافعت کی۔ اب کہ آپ مصالحتانہ طریقہ پر قلعہ کو لینا چاہتے ہیں۔ کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ صلح نامہ جس پر آپ سب سرداروں کی تہذیبیں ثبت ہوں میرے پاس ارسال کیجئے اور جو قلعہ قلعہ میں موجود ہے اس کی قیمت ادا کیجئے تو اسی وقت قلعہ کو حوالے کر دوں گا۔“

مرہٹہ سرداروں نے بہت کچھ قیل وقال کے بعد بالآخر ایک لاکھ روپیہ غلہ کی قیمت مع صلح نامہ شیخ کبیر کی خدمت میں ارسال کر دی شیخ موصوف نے روپیہ وصول کر کے اپریل ۱۸۵۷ء کو قلعہ خالی کر دیا اور وہاں سے تین کوس کے فاصلہ پر اپنے ڈیرے ڈال دیے۔ دوسرے دن مہاراجی سیندھیا کے داماد اور اس کے وکیل جن بیگ کو ہمراہ لیکر شیخ کبیر حافظ الملک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح نامہ جس پر مہاراجی سیندھیا، ملگوجی ہلکر اور

راجندر گیش کی ٹہریں تھیں حضور میں پیش کیا اور شرائطِ صلح کی مرہٹہ و کیلوں کے سامنے تجرید کرائی۔ حافظ الملک نے مرہٹہ و کیلوں کو خلعت و اسب عطا کئے اور انھیں چند روز ہمان رکھ کر رخصت کر دیا۔

اپنے عزیز ترین دوست نواب احمد خاں کی عزت و ناموس کی خاطر لاکھوں روپیہ کے فوجی مصارف برداشت کرنے اور اپنے دو بیش قیمت مقبوضات کو قربان کر دینے کے بعد حافظ الملک فرخ آباد سے روہیل کھنڈ کو روانہ ہوئے۔ رخصت کے وقت نواب احمد خاں حافظ الملک سے نہایت گرجوشی کے ساتھ بغلیگر ہوئے۔ لفظی شکریہ کی ضرورت نہ تھی۔ دو بہترین دوستوں کی یہ آخری ملاقات تھی۔

حافظ الملک کی روہیل کھنڈ کو واپسی اور نواب دوندے خاں کا انتقال میں قیام کیا۔ بعد ازاں نواب دوندے خاں کی عیادت کے واسطے جن کی بیماری دوا و علاج کی حد سے گزر گئی تھی بسولی تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں ان کی وفات کی خبر مسومع ہوئی جس سے غایت درجہ مغموم و متالم ہوئے۔ بسولی پہنچ کر ان کے چلم تک وہاں قیام کیا اور فاتحہ و غیرات اور ان کے پس ماندوں کی تقسیم میراث و دلداری میں مصروف رہے۔ حافظ الملک نے مرحوم کے مقبوضہ پر گناات کو تین ساوی حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ مرحوم کے بڑے بیٹے محب اللہ خاں کو ایک حصہ۔ فتح اللہ خاں کو جو ان کی شرف دامادی سے بھی اختصاص رکھتے تھے اور ایک حصہ عظیم اللہ خاں اور بھوجی دوندے خاں کی بیوہ کو مرحمت فرمایا۔ نواب دوندے خاں کا انتقال حافظ الملک کے لئے کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ دوندے خاں کیا مرے گویا ان کا دست راست شکست ہو گیا۔ کیونکہ عزت الدولہ دلاور الملک دوندے خاں بہادر بہرام جنگ نہایت باوقار۔ صاحبِ مکنات و جلال۔ مستقل مزاج اور عہد کے بڑے پابند شخص تھے۔ شجاعت و بہادری میں اپنا جواب

نہ رکھتے تھے۔ اور ان کے وجود سے روہیلوں کی دور دورہ ہاک ٹیھی ہوئی تھی۔ جس محرکہ میں شریک ہوتے ایسی بے جگری اور سرفروشی علی میں لاتے کہ ان کی موجودگی فتح و نصرت کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ دوندے خاں روہ میں پیدا ہوئے تھے اور داؤد خاں کے ابتدائے عروج میں وارد روہیل کھنڈ ہوئے تھے۔ حسن خاں ابن محمود خاں ابن شیخ شہاب الدین المعروف بہ شاہ کوٹا بابا کے بیٹے تھے اور اس طرح حافظ الملک کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔ حافظ الملک سے مرتے دم تک ان کے انتہائی یگانگت و خلوص کے تعلقات رہے۔ انتقال کے وقت سترھ سال کی عمر تھی۔ بسولی میں دفن ہوئے اور ان کی قبر آج تک وہاں موجود ہے۔ قبر کے علاوہ بسولی میں دوندے خاں کا شگستہ قلعہ اور ان کی بیوہ ابھی ہوئی چند مسجدیں۔ حمام اور دو تین اور بچہ عمارتیں بھی ان سے یادگار باقی ہیں۔

حافظ الملک نجیب آباد میں [] بسولی سے حافظ الملک نواب نجیب الدولہ کی رسم قریت ادا کرنے کی غرض سے نجیب آباد کو روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے تو منا بط خاں استقبال کے لئے آیا اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ قلعہ نجیب آباد میں لے گیا اور نذر گزارانی۔ دوسرے روز حافظ الملک نے رسم بزرگانہ کے مطابق منا بط خاں کو اپنے ہاتھ سے خلعت قریت پہنایا اور اس کو اس کے باپ کی سند پر بٹھا کر تمام عزیز و اقارب سے اسکی فرمانبرداری کے متعلق تاکید فرمائی۔ چونکہ منا بط خاں نے اپنے چھوٹے بھائیوں کلو خاں اور تلو خاں کو جو دوندے خاں کی لڑکی کے بطن سے تھے قید کر دیا تھا۔ اس لئے حافظ الملک نے ان کی مخلصی کا بھی تذکرہ کیا۔ منا بط خاں نے اپنی بے قصوری اور ان کی سرتابی کا انہار کر کے دونوں کو قید سے رہا کر دیا اور حافظ الملک کی خواہش کے مطابق کلو خاں اور تلو خاں کے مصارف کے واسطے جائیداد مقرر کر دی اس کے بعد حافظ الملک نجیب آباد

سے بریلی واپس تشریف لے آئے۔ پچھلی نئے وراثی کے باوجود حافظ الملک کا ضابطہ خاں کی طرف دستِ محبت و خلوص بڑھانا ان کی روایتی عالی ظرفی کی ایک بہترین مثال تھی۔ ساتھ ہی اُزخوردانِ خطا و ازبزرگانِ عطا کے اصول پر عمل کر کے انہوں نے ایک اعلیٰ درجہ کے سیاسی تدبیر کا بھی ثبوت دیا جس سے ہر دو طاقت ور روہیلہ سرداروں کے کشیدہ تعلقات از سر نو استوار ہو گئے جس کی اس دورِ انحطاط میں سخت ضرورت تھی۔ روہیلہ قوم تباہی کے کنارے آگئی تھی اور اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے لئے اغیار کا ہجوم ہو رہا تھا۔

(۲۷)

تختِ دہلی پر شاہِ عالم کی واپسی ضابطہ خاں اور مرہٹوں کی جنگ میں حافظ الملک کی

جدوجہد

اٹاواہ۔ شکوہ آباد اور میان دو آبہ کے دوسرے اضلاع پر تصرف ہو جانے کے بعد مرہٹوں نے اب دار السلطنت دہلی پر قبضہ کرنا چاہا جس پر اس وقت نجیب الدولہ کا جانشین ضابطہ خاں نجیب آباد سے بیٹھے بیٹھے حکومت کر رہا تھا۔ ضابطہ خاں چونکہ اپنے باپ کی طرح ایک طاقتور حکمران تھا اور اس کے پاس تقریباً ایک لاکھ پیادہ و سوار فوج ملازم تھی۔ نیز حافظ الملک بھی اس کے شریک تھے اس لئے مرہٹے تنہا اس سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتے تھے دوسرے انھیں یہ بھی خیال تھا کہ دہلی پر ایک غیر مسلم حکومت قائم کرنے سے شمالی ہند کے تمام مسلم حکمرانوں میں ایک عام ہجرت پیدا ہو جائیگا اور وہ مسلمانوں کی طرح پھر متحد و متفق ہو کر یورش کر دیں گے۔ لہذا گزشتہ تلخ تجربوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے یہ تدبیر کی کہ شاہِ شہنشاہ یعنی شاہِ عالم بادشاہ کو جو شجاع الدولہ کی حفاظت میں انگریزوں کے ایک پنشن خوار کی حیثیت سے الہ آباد میں ایامِ گزاری کر رہے تھے۔ اور دہلی آ کر اپنے باپ دادا کے تخت پر بیٹھنے کے لئے عرصہ سے بے چین و بیتاب تھے تختِ دہلی پر بیٹھنے کی دعوت دی لیکن اس وقت تک محض نواب نجیب الدولہ کا خوف اور انگریزوں اور شجاع الدولہ کی اس امر میں مخالفت مانع تھی۔ اب جو مرہٹوں کی جانب سے پیامِ امداد آیا تو بادشاہ ہر قسم کے مصلح سے چشم پوشی کر کے اپنے آپ کو مرہٹوں کے حوالے کر دینے اور

ان کے ساتھ دہلی جانے کو تیار ہو گئے۔ مرہٹوں کے علاوہ اس بارے میں ’نواب احمد خاں بنگش کی بھی مکرر رسد کر رہی تھی۔ بادشاہ کے حضور میں آئیں کہ حضور فرخ آباد تشریف لائیں۔“

نواب احمد خاں کی ان استدعاؤں کا سبب یہ تھا کہ ان کے دل میں نجیب الدولہ کی طرف سے دیرینہ عداوت تھی صرف حافظ الملک کے خیال سے مقابلہ و جنگ کی تیاری نہیں کرتے تھے حال ہی میں جو نجیب الدولہ نے حافظ الملک کی مشارکت کا بھی لحاظ نہیں کیا اور مرہٹوں کو ان کے سر پر چڑھالائے تو احمد خاں بھی اس امر کو دستاویز جنگ بنا کر قبضہ انعام سے مغلوب ہو گئے۔ اور رضا بطہ خاں کی تخریب کے لئے مرہٹے جو تداریک کر رہے تھے ان میں شرکت کا ہتھیہ کر لیا۔ چنانچہ بادشاہ کو قبضہ میں لانے کی مرہٹوں کی پہلی تدبیر میں احمد خاں نے بھی مدد دی اور بادشاہ کو اپنی طرف سے فرخ آباد مدعو کیا تاکہ وہاں پہنچ کر بادشاہ شجاع الدولہ اور انگریزوں کی دسترس سے کچھ دور اور مرہٹوں کی دسترس سے کسی قدر قریب ہو جائیں اور پھر انہیں دہلی لیجانے میں آسانی ہو سکے چنانچہ مولف گل رحمت لکھتے ہیں کہ۔

”بادشاہ نے اس بات کو غنیمت غنیمت تصور کیا اور میری شہداء میں الہ آباد سے فرخ آباد کی طرف روانہ ہو گئے“

انگریزوں اور شجاع الدولہ نے بادشاہ کو اس ارادے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن جب کامیابی نہ ہوئی تو زبردستی روکنا بھی خلاف مصلحت سمجھا اور شجاع الدولہ اور انگریزی کمانڈر انچیف ان کو صوبہ کوڑا کی سرحد تک پہنچانے آئے۔ یہاں پہنچ کر ان لوگوں نے بادشاہ سے دہلی نہ جانے کی از سر نو درخواستیں کیں جن کا کوئی اثر نہ ہوا۔

بادشاہ ابھی فرخ آباد پہنچنے نہ پائے تھے کہ نواب احمد خاں بجلس وفات پا گئے۔ اس خبر کو سن کر بادشاہ متروک ہوئے۔ اور ماوا جی سیندرھیا کو اطلاع دی کہ میں دہلی کی روانگی کے ارادہ سے روانہ ہوا ہوں اپنی فوج لے کر میرے پاس آجاؤ، بادشاہ نے ایک حکم حافظ الملک کو بھی ارسال کیا جس میں تحریر تھا کہ۔

”مابدولت کا دائرہ اقبال احمد خاں غالب جنگ کی درخواست کے مطابق شاہجہان آباد کو جانے کے ارادے سے اس طرف متوجہ ہوا ہے۔ اب خاں مذکور وفات پا چکا۔ چاہئے کہ آپ حاضر حضور ہو کر شرف ہمراہی حاصل کریں اور اگر ایسا ناہ سبب عوارض ضروری حاضری ممکن نہ ہو تو اپنی طرف سے ضابطہ خاں کو لکھئے کہ بلا توقف شاہجہان آباد سے دست بردار ہو جائے اور اگر وہ بغاوت کرے اور ایسا منظور نہ کرے تو اس کو ملک اور امداد نہ دیجئے اس سبب سے کہ آپ کی طرف سے کبھی احکام شاہی کی نافرمانی ظہور میں نہیں آئی ہے“

اس فرمان شاہی کے پہنچنے پر حافظ الملک نے خود بادشاہ کے حضور میں حاضر ہونا مناسب نہ جانا کیونکہ وہ ضابطہ خاں کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھتے تھے اور اس کے مقابلہ میں میدان جنگ میں جانا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ اپنی مہم حاضری کے متعلق چند در چند عذر است حضور شاہی میں لکھ کر حکم شاہی کے موافق ضابطہ خاں کو بتا کید تمام تحریر کیا کہ فوراً دہلی سے دست بردار ہو جائے اور احکام شاہی کی اطاعت کرے۔ ساتھ ہی فیض اللہ خاں خلف نواب علی محمد خاں مرحوم کو جن کی ہمیشہ ضابطہ خاں کو بیادھی تھیں۔ ضابطہ خاں کے پاس اس کی رہنمائی اور فہمائش کی غرض سے نجیب آباد کو روانہ کیا فیض اللہ خاں نے وہاں پہنچ کر اس کو طرح طرح سے بادشاہ کے احکام کی اطاعت کرنے اور افواج مرہٹہ سے

مقابلہ نہ کرنے کی نصیحت کی لیکن اُس پر کچھ اثر نہ ہوا۔

اسی عرصہ میں بادشاہ کے حسب الطلب ہما و اجی سیندھیا حاضر ہو کر بیس ہزار فوج کے ساتھ بادشاہ کو بڑی شان و بجل کے ساتھ دہلی لے گیا۔ ضابطہ خاں کے آدمیوں نے بغیر مقابلہ شہر خالی کر دیا اور بادشاہ ۲۵۔ دسمبر ۱۷۸۷ء کو قلعہ دہلی میں داخل ہو کر تخت سلطنت پر رونق افروز ہو گئے۔ شاہ عالم کا تخلص آفتاب تھا ایک شاعر نے ان کے ورود دہلی کی کیا اچھی تاریخ کہی ہے۔

زینتِ دہ تاج و تخت شاہِ عالم ۶ بادولت و بخت و کامیابے آمد
تاریخِ ورود اوز با لطفِ جستم ۶ گفتا کہ ز شرق آفتانے آمد
بادشاہ کو قبضہ میں کرنے کے بعد اب مرہٹے ضابطہ خاں کے استیصال پر متوجہ ہوئے اور اس کے علاقہ پر چڑھائی کرنے کی تیاری میں مشغول ہوئے۔ ادھر ضابطہ خاں کو مرہٹوں اور بادشاہ کے دہلی میں داخل ہونے کی اطلاع ملی تو اپنی تمام فوج اور لوازم جنگ کو جمع کر کے دہلی پر دوبارہ قبضہ کرنے کی غرض سے نجیب آباد سے نکلا اس خبر کو سُن کر حافظ الملک نے شیخ کبیر کو بطریق یلغار ضابطہ خاں کے پاس روانہ کیا تاکہ انتہائی کوشش کر کے اسے دہلی کی طرف جانے سے باز رکھیں اور خود تھوڑی سی سپاہ ہمراہ لے کر احمد خاں بگیش کی رسم تعزیت ادا کرنے نیز اس غرض سے کہ فرخ آبادی فوج کو ضابطہ خاں پر حملہ کرنے سے روکیں فرخ آباد کی طرف کوچ کیا جب فتح گر گڑھ کے قریب پہنچے تو بخشی خوالہ ولہ نے ضیافتِ لائقہ کے ساتھ ملازمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مظفر جنگ خلف احمد خاں مرحوم کی یہ خواہش ہے کہ آپ اپنے دوست مبارک سے اس کو اس کے باپ کی مسند پر بٹھادیں۔

دوسرے روز حافظ الملک نے مظفر جنگ کی مجلسِ ابر پہنچ کر برادرانہ اور بزرگانہ طریقہ سے رسمِ تعزیت ادا کی اور خلعتِ ماتمِ نرسی پہنا کر اس کو سندِ حکومت پر بٹھایا اور اسی موقع پر مرہٹوں سے عدمِ مشارکت کی اسے نصیحت فرمائی جو مظفر جنگ نے قبول کی چنانچہ ضابطہ خاں اور مرہٹوں کی آئندہ جنگ میں مظفر جنگ نے مرہٹوں کی شرکت نہیں کی۔

چند روز کے بعد حافظ الملک فرخ آباد سے واپس ہو رہے تھے کہ تلہر کے قریب انہیں ضابطہ خاں کی شکست۔ اہلِ دعیال کے گرفتار ہونے۔ سکر تال اور نجیب آباد کے لوٹے جانے اور فیض اللہ خاں کے ہمراہ اس کے راجپور میں آکر پناہ لینے کی وحشت ناک خبریں مسموع ہوئیں۔ ساتھ ہی جب یہ معلوم ہوا کہ ضابطہ خاں کے قنائب میں مرہٹے مغربِ روہیل کھنڈ میں بھی داخل ہونے والے ہیں۔ تو بوجلتِ تمام بریلی میں داخل ہوئے۔ یہاں آکر کیا دیکھتے ہیں کہ بخشی سردار خاں۔ فتح خاں خاناماں۔ عبدالستار خاں۔ دوندے خاں کے لڑکے اور دوسرے تمام رسالدار اور سردارانِ روہیلہ مرہٹوں کی دست درازوں سے اندیشہ ناک ہو کر سخت پریشانی و اضطراب کے عالم میں مجتمع ہیں اور دامنِ کوہ کی روانگی کا قصد کر رہے ہیں۔ حافظ الملک نے سب لوگوں کی بہت استی و تشفی کی اور فرمایا کہ دامنِ کوہ میں جانے کی ضرورت نہیں ہے میں شاہِ عالم بادشاہ اور مرہٹوں سے مصالحت کی تدبیر کروں گا۔ اس پر تمام سرداروں نے عرض کیا کہ بریلی یا پہلی بھیبت میں کوئی محفوظ مقام نہیں ہے اس لئے کم از کم اپنے عیال و اموال کو کسی جائے محفوظ میں رکھنا ضروری ہے اس کے بعد مرہٹوں سے معاملہ ہو یا جنگ ہم ہر طرح تیار ہیں۔

حافظ الملک نے اس صلاح کو پسند کیا اور عنایتِ خاں کو اپنے نائب کے طور پر پہلی بھیبت چھوڑ کر نانک متہ کی طرف جو دامنِ کوہ میں واقع ہے روانہ ہوئے اور وہاں سے پانچ کوس کے فاصلہ پر ایک پہاڑی اور گھنے جنگل سے گھرے ہوئے مقام گنگا پور میں تمام سرداروں۔ رسالداروں اور سپاہیوں کے متعلقین کو بھجکر محفوظ

کر دیا۔ اس کام سے فراغ خاطر حاصل کر کے حافظ الملک نے چند روز ناناک متہ میں قیام فرمایا۔ یہاں منابطہ خاں اور فیض اللہ خاں بھی آپہنچے اور حافظ صاحب سے اصرار کیا کہ شاہ عالم بادشاہ اور مرہٹوں سے معاملہ کرنے کے بجائے شجاع الدولہ سے طالب امداد ہونا چاہئے۔

(۲۸)

روہیل کھنڈ پر مرہٹوں کی پوزیشن

حافظ الملک ہنوز کوئی مستقل رائے قائم نہ کرنے پائے تھے کہ مرہٹوں کی روہیل کھنڈ پر پوزیشن شروع ہوگئی اور ان کی ٹڈی دل فوج نے آنا فائیس سنبھل - مراد آباد اور امر پور پر قبضہ کر لیا اور رفتہ رفتہ تمام اضلاع روہیل کھنڈ پر پھیل کر تمام ملک تاخت و تاراج کر دیا۔ اس موقع پر مرہٹوں کا یہ بھی ارادہ تھا کہ روہیل کھنڈ کی تیسرے سے فارغ ہو کر اودھ پر حملہ کریں اور وہاں سے انگریزی مقبوضات بہار و بنگال کی طرف رجوع ہوں۔ مرہٹوں کا یہ ارادہ معلوم کر کے شجاع الدولہ بھی نے حد خائف ہوئے اور انھوں نے جنوری ۱۷۷۷ء میں کلکتہ گورنمنٹ کو صورت حال سے مطلع کر کے درخواست کی کہ کمانڈر انچیف سر ابرٹ بارکر کوان سے ملنے کے لئے فیض آباد روانہ کر دیا جائے۔ ۲۰ - جنوری ۱۷۷۷ء کو سر ابرٹ بارکر نے شجاع الدولہ سے ملاقات کی۔ اس وقت انگریزی کمانڈر انچیف نے شجاع الدولہ کی جو حالت دیکھی وہ یہ تھی کہ کبھی تو وہ مرہٹوں سے رشتہ اتحاد مستحکم کر کے اور فتح روہیل کھنڈ میں ان کے شریک ہو کر مفتوحہ علاقہ میں حصہ بانٹ کرنے کے خواہشمند نظر آتے تھے اور کبھی ان کی یہ خواہش معلوم ہوتی تھی کہ روہیلوں سے ملکر مرہٹوں کے خلاف مدافعت جنگ کریں۔ سر ابرٹ بارکر نے آخر الذکر خواہش کی تائید کی کیونکہ اس زمانہ میں انگریز مرہٹوں سے حد درجہ خوف کرتے تھے اور ان کو یہ بات کسی طرح گوارا نہ تھی کہ مرہٹوں کا اثر ان کی سرحد سے اس قدر قریب اودھ تک پہنچ جائے۔ چنانچہ اوائل فروری ۱۷۷۷ء میں شجاع الدولہ کے خراج پر انگریزی فوج اودھ آگئی جسے ساتھ لے کر سر ابرٹ بارکر اور شجاع الدولہ سرحد

روہیل کھنڈ پر شاہ آباد ضلع ہر دہائی آگئے اور یہاں ٹھہر کر آئندہ آنے والے حالات کا مطالعہ کرنے لگے۔ شجاع الدولہ کے شاہ آباد میں خیمہ افکن ہونے کی خبر ضابطہ خاں کو معلوم ہوئی تو وہ غایت اضطراب میں حافظ الملک سے بھجلی تمام رخصت ہو کر شجاع الدولہ کے پاس گیا اور اپنے اہل و عیال کی خلاصی کے متعلق گفت و شنید کی۔ شجاع الدولہ اور سربراہ بار کر کی عین خواہش تھی کہ روہیلے طالب امداد ہوں اور وہ ان سے اتحاد عمل کا ایک من مانتا عہد نامہ کر لیں اس لئے فوراً ضابطہ خاں کے ساتھ ہمدردی کرنے کو تیار ہو گئے لیکن شرط یہ کی کہ حافظ الملک سے اس بارے میں بالمشافہ گفتگو ضرور کی جائے گی اس پر ضابطہ خاں نے حافظ الملک کو شاہ آباد تشریف لانے اور شجاع الدولہ سے ملاقات کرنے کو کہا۔

حافظ الملک نے اس دعوت پر کچھ زیادہ توجہ نہ کی کیونکہ ان کا یہ خیال تھا کہ برسات سر پہ آگئی ہے۔ دریائے گنگا کے ناقابل عبور ہو جانے کے خوف سے مرہٹے خود بخود کچھ عرصہ کے لئے روہیل کھنڈ سے دست بردار ہو جائیں گے اور جب برسات بعد وہ از سر نو حملہ کریں گے تو ان سے پوری تیاری کر کے مقابلہ کر لیا جائیگا۔ مگر ضابطہ خاں کو اپنے اہل و عیال کی فکر نے بدحواس کر رکھا تھا اس واسطے اس نے متواتر خط بھیجے۔ حافظ الملک پھر بھی نہ گئے تو سربراہ بار کر نے اپنی طرف سے کیپٹن ہارپر کو دومرتبہ ان کی خدمت میں روانہ کیا۔ آخر کار مجبوراً تین چار ہزار فوج کو ہمراہ لے کر حافظ الملک شجاع الدولہ سے جن کی دیانتداری پر انھیں شبہ تھا بہت کچھ پس و پیش کے بعد ملاقات کرنے کو راضی ہو گئے اور ۲۵ مئی ۱۷۵۷ء کو شاہ آباد میں داخل ہوئے۔ شجاع الدولہ اور سربراہ بار کر نے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ اور جب سب لوگ باہم ملا بیٹھے تو ضابطہ خاں کے اہل و عیال کی رہائی اور مرہٹوں کے ساتھ ان کے معاملہ کی درستگی پر تبادلہ خیال ہوا

بہت سی قیل و قال کے بعد شجاع الدولہ سربراہ برٹ بار کر اور حافظ الملک نے اپنے اپنے وکلاء مرہٹوں کے پاس روانہ کئے۔ ان وکلاء کی کوشش سے بالخصوص چالیس لاکھ روپیہ سردارانِ مرہٹوں کے لئے اراضی ہو گئے۔ لیکن چونکہ ضابطہ خاں کے پاس روپیہ دینے کو نہ تھا اس لئے انھوں نے اپنے اطمینان کے لئے شجاع الدولہ سے زرِ معاملہ کا ایک ٹھہری تمسک طلب کیا شجاع الدولہ نے کہا کہ میں صرف حافظ الملک کے پاس خاطر سے درمیان میں پڑا ہوں اگر حافظ الملک ایک اپنا ٹھہری تمسک ادائے زر کی بابت لکھ کر مجھے دے دیں گے تو صرف اس صورت میں میں اپنا ٹھہری تمسک مرہٹوں کو دے سکتا ہوں۔ اس صورت حال کے واقع ہونے پر حافظ الملک نے ضابطہ خاں کے شدید اصرار اور تمام سردارانِ روہیل کھنڈ مثل فیض اللہ خاں، بخشی مرہٹا خاں فتح خاں خانساہاں، محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں پسرانِ دوندے خاں وغیرہ کی عام خواہش کی بنا پر جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ گنگا پور اور نانک متہ میں محصور تھے اور ان مقامات کی آب و ہوا سے عاجز آ گئے تھے ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ اگر لڑکر یا صلح کر کے مرہٹوں کو روہیلوں کے ملک سے نکال دیا گیا تو اس کے عوض میں حافظ الملک تین سال کے عرصہ میں چالیس لاکھ روپیہ شجاع الدولہ کو ادا کریں گے اس اقرار نامہ کی جو چالیس لاکھ روپیہ کے تمسک کے نام سے مشہور ہے اصل عبارت حسبِ ذیل تھی۔

چالیس لاکھ روپیہ کا تمسک ”وزیرِ سلطنت شجاع الدولہ تمام سردارانِ روہیل کھنڈ کو ان کے

ملک پر قابض کر دیں گے ان کو اختیار ہے کہ خواہ صلح خواہ جنگ کے ذریعہ اس امر کو انجام دیں اور اگر مرہٹے جنگ یا صلح کئے بغیر دریا عبور کریں گے اور موسمِ برسات ختم ہونے پر دوبارہ روہیلوں کے ملک میں داخل ہوں گے تو ان کا دفع کرنا وزیر کا کام ہوگا۔ روہیلہ سردار نہ کوڑہ بالا امور کے بعد اقرار کرتے ہیں کہ وہ چالیس لاکھ روپیہ بشرطِ ذیل وزیرِ سلطنت کو دیں گے چونکہ مرہٹے روہیلہ سرداروں کے ملک میں ہیں اس لئے وزیر شاہ آباد سے روانہ ہو کر ان مقامات تک جائیں گے جہاں تک جانے

سے روہیلوں کے اہل خانہ ان جنگل سے آکر اپنے اپنے جائے قیام کو واپس آسکیں
جب یہ امر صورت پذیر ہو جائے گا تو مذکورہ بالا رقم میں سے دس لاکھ روپے نقد ادا
کیا جائے گا اور باقی تیس لاکھ روپے تین سال میں شروع شدہ سے ادا کئے
جائیں گے، یہ عہد نامہ سربراہٹ بارکر کے رو برو تہر ثبت ہو کر مکمل ہوا،

تمسک کی تکمیل ہو جانے کے بعد ہی کہ حافظ الملک ہنور شاہ آباد میں تھے مرہٹے خود بخود ہرات
شروع ہو جانے کی وجہ سے گنگا عبور کر کے دہلی کی طرف کوچ کر گئے اور بقول مولف اخبار الصنادید
شجاع الدولہ کو مرہٹوں کے نکالنے میں انگلی بھی نہ ہلانی پڑی اتنا ضرور ہوا کہ شجاع الدولہ کی کوشش
سے مرہٹوں نے ضابطہ خاں کے اہل و عیال کو رہا کر کے بریلی روانہ کر دیا۔ روہیل کھنڈ سے مرہٹوں
کے رخصت ہو جانے کے بعد شجاع الدولہ سربراہٹ بارکر اور انگریزوں کی فوج فیض آباد کو واپس
ہو گئی۔ حافظ الملک پہلی بھیت چلے آئے اور دوسرے سرداران فوج بھی مع اہل و عیال
اپنے اپنے مقاموں کو چلے گئے۔ روہیلے چار جینے تک داسن کوہ میں پناہ گزین رہے اس مرتبہ ترائی
کی ناموافق آب و ہوا کے سبب سے تین ہزار مردوزن صغیر و کبیر مر گئے جس کی بنا پر اس سال
کا تاریخی نام ”قتلے مردم“ رکھا گیا۔ یہی وہ سال تھا کہ جس میں بخشی سردار خاں بھی نذر اجل ہو گئے

۱۷۔ ہیننگز اینڈ دی روہیلہ وار۔

۱۷۔ بخشی سردار خاں نے گنگا پور کی خراب آب و ہوا کے باعث اس سال کے مرض میں مبتلا ہو کر آٹولہ میں انتقال کیا۔ مرحوم
خواب ملی محمد خاں کے زمانہ سے عہدہ بخشی مری پر مامور تھے۔ بڑے منفی۔ مابہ۔ زاہد۔ سخی۔ اور شجاع تھے۔ حافظ الملک
کے سچے جاں نثار اور حکومت روہیل کھنڈ کے بہت بڑے رکن تھے۔ اُن کی قبر آٹولہ میں ہے۔
اُن کے آٹھ فرزند تھے جو اپنے باپ کے مرتے ہی آپس میں لڑنے لگے۔ حافظ الملک نے بدقت اس
قائد جنگی کا سد باب کیا اور بڑے لڑکے احمد خاں کو خلعت و منصب عطا کیا۔

(۲۹)

حافظ الملک سے عنایت خاں کی بنیاد

مرہٹوں کے ہاتھوں ہولناک بربادی جان و مال کے اثرات ہنوز روپیل کھنڈ میں کارفرما تھے ہی اس پر طرہ یہ ہو کہ یہاں کی حکمران قوم جو کبھی اتحاد و اتفاق میں ضرب المثل تھی زبردست نفاق و شقاق کا شکار بن گئی یعنی بخشی سردار خاں کے انتقال کے بعد اُن کے لڑکوں میں سخت خانہ جنگی ہوئی اور اُس کے فرو ہوتے ہی بعض اشرا کی فتنہ انگیزی کی بدولت حافظ الملک کے خاص گھر میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اُٹھی جس کی تباہ کاری نے نہ صرف اس سرزمین کی امن و عافیت کو بہت کچھ نقصان پہنچایا بلکہ اس واقعہ کے بعد سے خود حافظ الملک کے مصائب و آلام کا بھی ایک لانتنا ہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شاہ آباد سے حافظ الملک کی واپسی کے وقت اُٹار راہ میں عنایت خاں نے عرض کیا تھا کہ اس سال دامن کوہ کی ناموافق آب و ہوا کے سبب سے بکثرت اہل لشکر فوت ہو گئے ہیں۔ اگر ان خالی آسامیوں پر نئے سپاہی بھرتی کرنے کی مجھے اجازت مرحمت کر دی جائے تو میں چند ہزار پیادے اور کچھ زرمودہ سوار نوکر رکھ لوں گا کہ اگر بعد برسات مرہٹے دوبارہ حملہ کریں تو ہم کسی غیر کی امداد و اعانت سے بے نیاز ہو کر خود ہی اپنی مدافعت میں ان سے کام لے سکیں۔

حافظ الملک نے عنایت خاں کی اس تجویز سے اتفاق کر لیا تھا لیکن یہ فرمایا تھا کہ میں متوفیان اہل لشکر کی جگہ ان کے وارثوں کو دینا چاہتا ہوں اگر تم چاہتے ہو تو دو تین ہزار پیادہ و سوار اُن افغانان نو وارد میں سے جو ضابطہ خاں کے معاملات کی برہمی کے باعث اپنے ملک کو واپس نہیں جاسکتے ہیں اور تنگ دستی کے سبب سے حیران و پریشان ہیں نوکر رکھ لو۔ کچھ عرصے بعد ان کے اخراجات کی کفالت کے لئے حسب ضرورت جائیداد

مقرر کر دی جائے گی۔

عنایت خاں کو اس امر میں بہت بخلت تھی اس لئے بریلی میں داخل ہوتے ہی سپاہ بھرتی کرنے میں مشغول ہو گئے اس موقع پر حافظ الملک کے بعض مصاحبان و مشیران خاص نے جو عنایت خاں کی سطوت و صولت سے پُر خطر اور ان کی سختی مزاج سے مکدر رہا کرتے تھے عنایت خاں کی عاجلانہ کارروائی کو ایک دوسرا رنگ دے کر حافظ الملک کی خدمت میں پیش کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ فوج بڑھانے سے عنایت خاں کا منشا ردی حضور کو معزول کرنا ہے۔ حافظ الملک نے ان کی باتوں کو سچ سمجھ کر فوج بھرتی کرنے کے خلاف عنایت خاں کے نام حکم اتناعی جاری کر دیا۔ اس کے جواب میں عنایت خاں نے عرض کیا کہ حکم ثانی پہنچنے سے قبل میں نے دو تین ہزار پیادے اور سوار ملازم رکھ لئے ہیں۔ امیدوار ہوں کہ کم از کم ان کے واسطے جائداد ضرور مقرر کر دی جائے۔ آئندہ کسی شخص کو نوکر نہ رکھوں گا۔ اس عرصہ میں حافظ الملک پہلی بھیت سے بریلی تشریف لے آئے اور انھیں فتنہ پردازوں کو جو ان کے درپے تخریب تھے عنایت خاں کے پاس بھیجا اور ان کو ہدایت کر دی کہ نصاب اور دلجوئی کے ساتھ عنایت خاں کو رضا مند کر لیں کہ بالفعل اپنی جمعیت کو علیحدہ کر دیں کچھ عرصہ کے بعد اُس سے زیادہ سپاہ اُن کے ساتھ مقرر کر دی جائے گی۔ یہ فتنہ پرداز عنایت خاں کے پاس گئے تو نصاب اور دلجوئی کی بجائے انھوں نے براہِ مفسدہ پردازی کچھ ایسے کلمات حافظ الملک کی جانب سے ادا کئے جن کی بنا پر عنایت خاں براہِ روضۂ ہو گئے اور کہا کہ۔

”میں جانتا ہوں کہ آنحضرت نے اس طرح نہ فرمایا ہو گا جس طرح تم کہہ رہے ہو۔ میں نے آنحضرت ہی کے حکم صریح سے افغانوں کے اس گروہ کو بھیج کیا ہے۔ تمہارے بیان کردہ خیالات فاسدانہ اور اللہ میرے دل پر کچھ اثر نہ کر سینگے مگر ایسے تک حملوں کو جنہوں نے اپنی حد سے زیادہ پاؤں باہر نکالے ہیں ان کے کردار کی سزا دینے کے لئے ضرور میں نے اس جمعیت کو فراہم کیا ہے اور قطعی ناکم ہے کہ اس کو نئے وجہ

اپنے سے جد اکروں^{۹۵}۔

عنایت خاں کا جواب سن کر یہ لوگ حافظ الملک کی خدمت میں واپس آئے اور ایک ایک بات کی ہزار ہزار باتیں اپنی طرف سے لگا کر ان کی طبیعت کو پہلے سے زیادہ کٹر کر دیا۔ یہ خبر معلوم کر کے عنایت خاں نے اپنے آپ کو مجبور اور سلام سے معذور کر لیا اور بخیالِ حفاظت خود اختیاری جس کو بغاوت سے تعبیر کیا گیا۔ مزید سپاہ بھرتی کرنا ترک نہ کیا۔ چنانچہ تھوڑے سے عرصہ میں قلعہ بریلی میں ان کے گرد ایک بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ اس پر دغا بازوں نے حافظ الملک کو باور کرایا کہ عنایت خاں غمگین آپ کو گرفتار کر کے خود مسند حکومت پر بیٹھ جائے گا۔ حافظ الملک کو بھی یقین آ گیا۔ اور بریلی سے پہلی بھیت روانہ ہو کر اپنی کل سپاہ کو حاضری کا حکم دے دیا جسب انگم تمام سردار۔ رسالدار اور جمعدار بجلت تمام اپنی اپنی جاگیروں اور مکانوں سے کوچ کر کے حاضر خدمت ہو گئے۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حافظ الملک نے بریلی کی طرف رخ کیا اور کوچ متوازی کر کے شہر سے متصل جانب شرق نکلیا ندی پر اپنا کیمپ قائم کیا۔ ادھر عنایت خاں نے بریلی کے آس پاس مورچے قائم کئے اور مدافعتی جنگ کی تیاری شروع کی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے شیخ کبیر نے مصابحت کی بہت کوشش کی اور لڑائی کو بڑی جدوجہد سے صلح کی مدت تک پہنچا دیا۔ لیکن بد قسمتی سے انھیں ایام میں ان کا انتقال ہو گیا۔^{۹۶}

۹۵ گلستانِ رحمت۔

۹۵ شیخ کبیر حافظ الملک کے عظیم امرا اور معتد ترین رفقاء میں سے تھے۔ نواب دوندے خاں اور عنایت خاں کے بعد تمام روہیلہ سرداروں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ نہایت عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے۔ اتفاقاً وہ پرہیزگاری ہی کے باعث شیخ کہلاتے تھے ورنہ اکوڑائی پٹھان تھے۔ نواب علی محمد خاں کے عہد میں حافظ الملک کے ہمراہ افغانستان سے ہندوستان آئے تھے اور روز بروز ترقی کر کے عہدہ ہائے جلیل مثل گورنری آٹا وہ وغیرہ پر متنازع رہے۔ حافظ الملک کو ان کے انتقال کا بے حد رنج و افسوس ہوا۔ ان کے جنازے کی نماز خود بڑھائی اور دفن کے واسطے جنازہ کو شہر میں بچھا دیا۔ شیخ کبیر کے تین نامور صاحبزادے محمد ستیم خاں۔ عبدالحمید خاں اور وقیم خاں نامی تھے۔ حافظ الملک نے بڑے صاحبزادے محمد ستیم خاں کو جو بہت بڑا دلدار شخص تھا اس کے ہم

حافظ الملک نے شیخِ کبیر کے انتقال سے تین چار روز بعد تک عنایت خاں کے شہر سے باہر نکلنے کا انتظار کیا۔ بالآخر اپنے گیمپ سے سوار ہوئے اور اپنے توپ خانہ کو آگے کر کے قلعہ کے نزدیک پہنچے اور جانبِ غربِ قیام کر کے قلعہ پر توپوں کے سر کرنے کا حکم دے دیا۔ اور عنایت خاں نے یہ کیا کہ اپنے سپاہیوں کو ان تمام فتنہ پردازوں کے دروازوں پر مقرر کر دیا جو جنگ کے بانیِ مبانی تھے اور جن کے عیال و اطفال شہر کے اندر تھے تاکہ گولہ باری شروع ہوتے ہی ان لوگوں کے زلّ فرزند کو قلعہ میں لاکر توپوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا جائے۔ عنایت خاں کی اس کارروائی کی بریلی میں خبر عام ہوئی تو تمام اہالیانِ شہر میں ہل چل مچ گئی اور سب لوگوں نے افضل خاں اور سلطان خاں برادرانِ نجیب الدولہ کو جو مرہٹوں کی یورش کے وقت سے ابھی تک یہیں مقیم تھے حافظ الملک کے پاس بھیج کر عرض کر لیا کہ اگر توپ کا ایک گولہ بھی سرمو اتو ہم نے حرمت اور برباد ہو جائیں گے۔ حافظ الملک نے اس امر کی اطلاع پا کر گولہ باری کا حکم منسوخ کر دیا۔

جنگ کے ذریعہ عنایت خاں کو قلعہ سے برآمد کرنے کی تدبیر کا رگر نہ ہوئی تو حافظ الملک نے دوسرے روز اپنے مصاحبوں اور مشیروں سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ یہ لوگ باہم مشورہ کر کے سند جائد پر گنہ سلیم پور۔ جھوکسہ اور فرید پور کی کھلکھل حضور میں لائے اور عرض کیا کہ اس تحریر پر اپنی مہر ثبت فرما کر عنایت خاں کو ارسال کر دیجئے تاکہ وہ اپنے پرگنات کی جانب روانہ ہو جائے۔ آمندہ حضور کو اختیار ہے کہ اس سند کو بحال رکھیں یا منسوخ کر دیں۔ حافظ الملک نے فرمایا کہ میں اس طریقہ پر کوئی جائد اداس کو نہ دوں گا اور اپنے تحریری معاہدے کے خلاف عمل کرنے سے بھی معذور ہوں کوئی اور تدبیر سوچ کر بتلائیے،

۴۴ باپ کے منصب پر سرفراز کیا۔

شیخِ کبیر کی قبر بریلی شہر کمنہ میں متصل مزارِ شاہانہ ولی بیچ فیکٹری کے بالمقابل ایک لودھے کے مکان میں بتائی جاتی ہے۔
۱۷۴ علی رحمت۔

سب لوگوں نے عرض کیا کہ اس تحریر کو روانہ کئے بغیر عنایت خاں کا شہر سے نکلنا ناممکن ہے اور اس کے شہر میں رہنے کی صورت میں ہمارے اہل و عیال کی بے حتمی امر یقینی ہے امیدوار ہیں کہ ہمارے اور عائہ خلائق کے حال پر نظرِ رحم فرما کر چند روز کے لئے اس کے واسطے کوئی جائیداد مقرر فرمادیجئے۔

حافظ الملک نے چار دن اچار اس نوشتہ پر اپنی مہر ثبت فرمادی لیکن دربار عام میں یہ بھی اعلان کر دیا کہ ”اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے“

اس اعلان کے باوجود کارپردازانِ سرکار نے افضل خاں اور سلطان خاں کے ہمراہ نوشتہ مذکور عنایت خاں کے پاس روانہ کر دیا۔ عنایت خاں نے ان لوگوں کے پہنچنے سے قبل ہی اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سے اس نوشتہ کی بے اعتباری کا حال معلوم کر لیا تھا تاہم اسے فضل خاں اور سلطان خاں کے ہاتھ سے لے لیا اور کہا کہ۔

”اگرچہ یہ تحریر کسی اعتبار کے لائق نہیں کیونکہ جناب قبیلہ و کعبہ نے خود اپنی زبان مبارک سے ایسا فرمادیا ہے لیکن میں اس نوشتہ کو اپنے متعلق دستاویز جنگ قرار دیکر شہر سے باہر جاتا ہوں تاکہ معاندین میری بزدلی پر محمول نہ کریں“

دو تین روز کے بعد عنایت خاں اپنے دو بھائیوں محمدیدار خاں اور الہ یار خاں کے ہمراہ جو اس قضیہ میں ان کے رفیق رہے تھے۔ چار ہانچ ہزار پیادہ و سوار کی جمعیت کے ساتھ قلعہ سے باہر نکل آئے اور بیرون شہر اپنے ڈیرے ڈال دیے۔ دوسرے روز رام گنگا عبور کر کے موضع گروئی کے قریب جو بریلی سے دس کوس پر واقع ہے قیام کیا اور وہاں سے الہ یار خاں کو پرگنہ سلیم پور کی تحصیل وصول کے لئے روانہ کیا۔

عنایت خاں کے شہر سے باہر نکلنے کے بعد حافظ الملک نے ان کا تعاقب کیا اور سردارِ نگر کے

پہلے سے گزر کر کیمپ سے تین کوس کے فاصلے پر ڈیرہ کیا۔ دوسرے روز حافظ الملک کے بغیر حکم عبداللہ خاں رئیس شاہجہاں پور۔ احمد خاں۔ سردار خاں۔ عبدالستار خاں اور خان محمد خاں وغیرہ جو عنایت خاں کی بربادی کے درپے تھے خود بخود ہراول لشکر بنکر پندرہ ہزار فوج کے ساتھ عنایت خاں کے لشکر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ عنایت خاں نے اس یورش کی خبر سنی تو اپنی چار ہانچ ہزار فوج کی صفیں آراستہ کر لیں اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ جب دونوں فریق مقابل ہوئے ہر دو جانب کے ہراول لشکر میں توپیں چلنا شروع ہوئیں اور آٹا فائنا میں طرفین کے سیکڑوں آدمی مقتول و مجروح ہونے لگے۔ اس وقت عنایت خاں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ عبداللہ خاں کی فوج پر آگرے اور برہنہ تلوار ہاتھ میں لے کر ایسی سخت شمشیر زنی کی کہ ٹھوڑی ہی دیر میں عبداللہ خاں کے ہمراہیوں کے پاؤں کھڑکے اور میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اس ہنگامہ میں عبداللہ خاں کالڑ کا سعد اللہ خاں زخمی ہوا اور خود عبداللہ خاں بھی بدشواری اس مسئلہ سے اپنی جان بچا کر آقاں و خیراں شاہجہاں پور کی طرف راہ گریز اختیار کر سکا۔

عبداللہ خاں کے بعد عنایت خاں نے احمد خاں پر بخشی سردار خاں پر حملہ کیا۔ احمد خاں کے ہمراہی میدان جنگ میں ثابت قدم رہے لیکن محمد دیدار خاں کے سواروں کے حملہ سے پسپا ہو گئے۔ اس حملہ میں احمد خاں کے بازو پر تلوار کا ایک کاری زخم لگا۔ احمد خاں اور عبداللہ خاں کا حال دیکھ کر دوسرے افسران کمال زانی عبدالستار خاں اور خان محمد خاں وغیرہ بھی میدان کارزار میں ٹھہرنے کی تاب نہ لاسکے اور راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔

عنایت خاں نے تعاقب کر کے حافظ الملک کے لشکر تک ان کا پہچا کیا۔ لیکن خاص حافظ الملک کے لشکر میں پیش قدمی کرنے کی جرأت نہ کی اور اہل فراہی کے کیمپ کے

قریب ٹھہرے رہے۔ اس عرصہ میں شکست خوردہ فوج کے سردار حافظ الملک کے حضور میں حاضر آئے اور واقعات جنگ بیان کئے۔ حافظ الملک نماز ظہر ادا کرنے کے بعد ہاتھی پر سوار ہوئے اور عنایت خاں کی اُس پیادہ فوج کی طرف جو مغوریں کے تعاقب میں لشکرِ خاص کے قریب پہنچ گئی تھی روانہ ہوئے۔ پیادہ فوج نے حافظ الملک کو اپنی جانب متوجہ ہوتے دیکھ کر ایک ویران گاؤں میں پناہ لی اور ہندوؤں کے فکرِ ناشرِوع کر دیئے۔ حافظ الملک اس خیال سے کہ عنایت خاں بھی اسی گروہ میں ہوں گے تھوڑی سی پیادہ فوج اور اپنے فرزندوں ارادت خاں، محبت خاں، حافظ محمد یار خاں، عظمت خاں اور حرمت خاں کو ساتھ لے کر گاؤں کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ عنایت خاں کی پیادہ فوج کی ہندوؤں کی گولیاں اچھی طرح کام کرنے لگیں۔ چنانچہ ایک گولی اُس کمان پر جو حافظ الملک کے ہاتھ میں تھی لگی دوسری گولی حوضہٴ خاص پر اور ایک گولی فیلبان کی ٹانگ میں لگی اسی طرح اکثر ہراہیان رکاب کے گولیاں لگیں جن سے بعض حجر و روح اور بعض شہید ہو گئے۔ ایسے پُر آشوب وقت میں اکثر مصاحب اور کارپرداز پیش قدمی کرنے کے مانع ہوئے۔ لیکن حافظ الملک سخت غصہ اور قہر و غضب کے عالم میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ توپ خانہ بھی آہنچا اور فتح خاں اور دیگر چھوٹے بڑے رسالداروں نے جوق جوق حاضر رکاب ہو کر منیں آراستہ کر لیں اور مصغورین کی طرف توپوں کی بار بار ناشرِوع کر دی۔ مخالفین توپوں کی زد کی تاب نہ لا سکے اور الامان کی فریاد بلند کر کے جاں بخشی کے خواستگار ہوئے۔ اسی اثنا میں محب اللہ خاں پسر نواب دوندے خاں اپنے ہمراہیوں سمیت عنایت خاں کے قریب پہنچا جو مغرور ہراول فوج کی قیام گاہ کے پاس ٹھہرے ہوئے نیمہٴ بُن گاہ کی لوٹ کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ محب اللہ خاں نے عنایت خاں سے دریافت کیا۔

”آپ کس ارادے سے کھڑے ہوئے ہیں؟“

عنایت خاں نے جواب دیا۔

”میں نے اپنی مقابلِ فوج کو اپنے آگے سے بھگا دیا ہے اب میرا ارادہ جنگ کرنے

کا نہیں ہے بلکہ آپ کے ذریعہ سے جنابِ قبلہ و کعبہ کے حضور میں چلتا ہوں۔“

محب اللہ خاں نے اسی وقت اپنی سواری کا ہاتھی پیش کیا اور عنایت خاں کو حوضہ میں بٹھا کر چاہا کہ اپنے ڈیرے کو لے جائے کہ عنایت خاں نے کہا اول کسی کو اپنی طرف سے حضور عالی میں بھیج کر میرے پیادوں کی جاں بخشی کی بابت عرض کرائیے۔ محب اللہ خاں نے ایک شخص کو حضور میں بھیج کر پیادوں کی جاں بخشی اور عنایت خاں کو اپنے حضور میں لانے کی بابت درخواست کی حافظ الملک نے یہ امر دریافت کرنے کے بعد حکم دیا کہ کوئی شخص ان محصور پیادوں سے معترض نہ ہو یہ لوگ جہاں چاہیں چلے جائیں اور خود میدانِ جنگ سے واپس ہو کر محب اللہ خاں اور عنایت خاں کے آنے کا انتظار کرنے لگے تھوڑی دیر میں محب اللہ خاں تنہا حضور میں حاضر آیا اور عرض کیا کہ۔

”اول اول عنایت خاں کا ارادہ تھا کہ میری ہمراہی میں حضور میں حاضر ہو لیکن جیسے

ہی پیادہ ہائے محصورین کو رہائی ملی اور وہ لوگ اس کے پاس پہنچے عنایت خاں نے

مجھ سے کہا کہ میں آج اپنے لشکر میں جاتا ہوں کل حضور میں حاضر ہو مجھا جب میں

نے اصرار کیا تو اس نے کہا کہ اگر میں اسی وقت جاؤں گا تو سب لوگ کہیں

گئے کہ محب اللہ خاں فلاں شخص کو گرفتار کر کے لے آیا ہے اور میرا اس طرح جانا مناسب

نہیں ہے، مجبور ہو کر میں نے اس کو جانے دیا۔“

حافظ الملک یہ بات سن کر بہت ناراض ہوئے اور محب اللہ خاں کو ملامت کر کے

عنایت خاں کو کھلا بھیجا کہ۔

”تو آج نامردوں سے جنگ کر کے اُن پر غالب آگیا کل میرے اور تیرے درمیان
لڑائی ہوئی ہے“

عنایت خاں نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ۔

”آج دشمن حضور کے بغیر حکم میرے قتل کے درپے ہو گئے تھے۔ مجبوراً میں نے
ان کو دفع کیا کل ضرور حضور عالی میں حاضر ہو کر معافی نصیبرات کا بخٹی ہو گا ہرگز ہرگز
حضور میں اپنی حد سے تجاوز نہ ہو گا“

حافظ الملک نے اس جواب پر کچھ التفات نہ فرمایا۔ دوسرے دن صبح کو
اپنی سپاہ کو مرتب کرنے کا حکم دیا اور غازی شہر اُتار کے بعد باقی پیہو اور ہو کر عنایت خاں
کے لشکر کی طرف روانہ ہو گئے۔ عنایت خاں نے جب یہ خبر سنی محمد ویدار خاں
کو اپنے لشکر میں چھوڑ کر اور الہ یار خاں کو اپنے ساتھ لے کر معدودے چند سواروں
کے ہمراہ حافظ الملک کے حضور میں حاضر ہونے کے قصد سے روانہ ہوئے۔ اول مستقیم خاں سے
ملاقات ہوئی۔ اس کو اپنی حاضری کی اطلاع دینے کی غرض سے حضور میں بھیجا اور اس کے
نیچے خوذ الہ یار خاں کے ساتھ قریب پہنچ کر گھوڑے سے اتر پڑے اور اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر
گنہگاروں کے طور پر حافظ الملک کے ہاتھ کی قریب آئے اور کورنش بجا لاکر کھڑے ہو گئے۔
حافظ الملک نے اول اول ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی پھر کچھ دیر تامل کے بعد ارشاد فرمایا کہ۔
”تو کس غرض سے آیا ہے اگر تجھ کو ہوس جنگ باقی ہے تو اپنے لشکر کو باور نہ طوق

و نہ بخیار اختیار کر“

عنایت خاں نے عرض کیا کہ۔

”میں تصور کی معافی کی امید پر حاضر ہوا ہوں آئندہ جو رائے عالی ہو اس پر راضی ہوں۔“

اس جواب پر حافظ الملک اپنے ڈیرے کو تشریف لے گئے اور حکم دیا کہ عنایت خاں اول فیض اللہ خاں کے پاس ہائے اور انکی معرفت ملال خاطر کو دور کر لے اس کے بعد ان کی ہمراہی میں حضور میں حاضر ہو کر اپنی تفصیلات کی معافی چاہے۔ حسبِ الحکم عنایت خاں اور الہ یار خاں نواب فیض اللہ خاں کے ڈیرے کی طرف روانہ ہوئے۔ نواب موصوف ان کے پہنچنے سے پہلے ہی حافظ الملک کے ڈیرے پر چلے گئے تھے اور عنایت خاں سے گفت و شنید کے بارے میں مشورہ کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد چند رسالہ داروں اور اہلکاروں کو ہمراہ لے کر فیض اللہ خاں اپنے ڈیرے پر واپس آئے اور عنایت خاں سے ملاقات کے وقت خود خاموش رہے۔ حافظ الملک کے اہلکاروں سے گفتگو شروع کرائی اور عفو تفصیلات کی بابت عنایت خاں کو یہ حکم سنوایا کہ۔

”اپنی فوج کو برطرف کر دیجئے اور لوٹ کے اسباب کو واپس دیجئے تب قصور معاف ہوگا۔“

عنایت خاں نے جواب دیا

”ان ڈوباتوں میں سے ایک بات اختیار کیجئے۔ یا تو مجھ سے لوٹ کا اسباب طلب نہ کیجئے کہ میں یہاں سے بیٹھے بیٹھے اپنی فوج کو برطرفی کا حکم بھیج سکوں یا مال لے لیجئے فوج کو برطرف نہ کرایئے تاکہ میں ان کی نخواستہ کے فوری مطالبہ سے بچ سکوں۔“

اس معقول جواب کو درمیانِ لوگوں نے نہ معلوم کس قسم کی رنگ آمیزی کے ساتھ حافظ الملک کی خدمت میں پیش کیا کہ ان کی برہمی مزاج دور نہ ہوئی اور انھوں نے عنایت خاں کو ہتھکڑیوں سے باہر نکل جانے کا حکم صادر فرما دیا۔

اس حکم کو سن کر عنایت خاں اپنی تفصیلات کی معافی سے یابوس ہو گئے اور دوسرے روز پیکرِ حزن و ملال بنے ہوئے فیض اللہ خاں کے ڈیرے سے نکل کر اپنے لشکر کی طرف چلے گئے

اور وہاں سے بکثرت ٹوٹ کا سامان حافظ الملک کی خدمت میں واپس کر کے دونوں بھائیوں اور تمام نولانم سپاہ کے ہمراہ پورب کی طرف کوچ کر گئے عنایت خاں کے ملک بدر کر کے جانے سے اُن تمام شور بختوں کی آرزو پوری ہو گئی جو حافظ الملک اور ان کی اولاد کے زوال نعمت و جاہ کے درپے تھے۔ عنایت خاں حافظ الملک کی تمام اولاد میں عقل و خرد میں نے مثل۔ رعبے و دبیر میں لاجواب اور تنور و مردانگی میں یگانہ روزگار تھے۔ جنگ پانی پت اور ایسے ہی دوسرے معرکوں میں انہوں نے وہ نام پیدا کیا تھا اور جرأت و دلیری کا ایسا سکہ بٹھایا تھا کہ اُس کے تصور سے خالین لرزہ بر اندام ہوتے تھے۔ اُس دُربے بہا اور جوہر قابل کی ایسی افسوسناک بربادی ایک ایسا درد انگیز و حسرت خیز واقعہ ہے کہ قلم کو اُس کے لکھنے کا یارا نہیں۔ روہیل کھنڈ کے تمام وہ خود غرض امرا و سردار جو حافظ الملک کے بعد ملک کے صحنے بخرے کرنے کے منصوبے کر رہے تھے۔ اپنے حصول مقصد میں صرف عنایت خاں کو سنگ راہ سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ جب تک عنایت خاں کا وجود باقی ہے انہیں سر اٹھانے کا موقع نہ ملے گا۔ اس لئے انہوں نے سب سے پہلے اسی کا نئے کونکا لے کر تیر کی۔ اور باپ بیٹوں کو آپس میں لڑا کر اور ایک دوسرے کی جیتے جی جدائی کر کے دونوں کو زندہ در گور کر دیا۔ اب حاسد و فتنہ پردازوں۔ جاہ پرستوں اور خود غرضوں کے لئے میدان صاف ہو گیا ہے۔ حافظ الملک کی چند روزہ زندگی باقی ہے دیکھئے کہ اُس کے بعد وہ کیونکر اور کس طرح گذرتی ہے۔

دُطن سے عنایت خاں کے مصیبت زدہ عنایت خاں معقوب بارگاہ پوری ہو کر پورب رخصت ہونے کا حسرت انگیز منظر

معمول نہ نوبت و علم تھا اور نہ خدم و حشم۔ معمولی ڈیرے نیمہ کی بھی کمی تھی۔ جو چند ہزار سپاہی ہمراہ رکاب تھے سودہ بھی گرو آ لو۔ پژمردہ اور شکستہ دل تھے۔ روہیل کھنڈ کی سرحد ختم ہوئی تو عنایت خاں نے اپنی حرمات نصیبی کا جائزہ لینے کی غرض سے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر سر زمین و دُطن پر بعد حسرت و یاس ایک طائرانہ نگاہ ڈالی بیک نظر

اپنے تیس سالہ دورِ حیات کی تمام ہنگامہ خیزیاں سامنے آ گئیں۔ ساتھ ہی تمام وہ دلفریب و خوشگوار مناظر و واقعات بھی یاد آ گئے جو ہر انسان اپنے وطن و اہل خاندان سے متعلق اپنے دل کے بعض نرم و نازک گوشوں میں محفوظ رکھتا ہے اور جن کا نہ کبھی انہار کرتا ہے اور نہ انکو کسی سے بیان کرتا ہے۔ اس حال میں چند لمحے گزار کر عنایت خاں نے ایک آہ سرد کے ساتھ پچھم پر آب ”خدا حافظ“ کے الفاظ اپنی زبان سے ادا کئے اور گھوڑے کی باگ موڑ کر دیارِ غیر کی راہ لی۔

ہر قسم کی نئے سر و سامانی کے باوجود جس مقام سے گذر ہوتا اور یہ آواز پہنچتی کہ عنایت خاں جا رہا ہے۔ زمین دہل جاتی تھی۔ اور لوگ اس مردِ میدانِ دلاوری اور رستمِ دوران کی پہچان کی دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔ چند روز متواتر بغیر کسی مقصد و منزل مقصود کو قرار دے ہوئے عنایت خاں کوچ پر کوچ کرتے ہوئے موضع نور اہی میں داخل ہوئے۔ یہ مقام فیض آباد سے سات کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اتفاق سے شجاع الدولہ آج کل یہاں مقیم تھے۔ انہوں نے عنایت خاں کے ہرود کی خبر سنی تو اپنے بیٹے سعادت علی خاں۔ مرتضیٰ خاں بھڑیچ اور بہت بہادر کو پیشوائی کے لئے بھیجا۔ عنایت خاں نے شجاع الدولہ کی دعوت قبول کر لی اور بلا تھک ان کے لشکر میں چلے گئے۔ رات کو مرزا علی کے ڈیرے میں آرام کیا۔ دوسرے دن شجاع الدولہ سے ملاقات ہوئی۔ شجاع الدولہ نے خلعتِ فاخرہ مع شمشیر و جعبہ عنایت خاں اور ان کے دونوں بھائیوں کو عنایت کیا اور ان کی دلجوئی و ہماں داری میں انتہا درجہ کا اہتمام کیا۔ ہر روز طرح طرح کی مہربانیاں کی جاتی تھیں اور ان کے آنے پر انہار و لشکر و انتہان کیا جاتا تھا۔ ایک روز دورانِ گفتگو میں حافظ الملک اور عنایت خاں کی آپس کی نا اتفاقی کے حالات سے بخوبی واقف ہو کر شجاع الدولہ نے اپنی آمدنی کی قلت اور اخراجات

کی کثرت کا عنایت خاں کے سامنے ذکر کیا اور کہا کہ۔

”اس تھوڑے سے ملک اور دھڑے سے ایک لاکھ سوار و پیادے اور اس قدر خدم و حشم کے اخراجات پورے نہیں ہو سکتے میں اس فکر میں ہوں کہ ایک اور ملک فتح کروں“

عنایت خاں نے شجاع الدولہ کے خلاف تو قح کچھ جواب نہ دیا اور ان کا منشا ر خاطر معلوم کر کے وہاں سے اٹھ کر اپنے ڈیرے کو چلے گئے اور اپنے بھائیوں سے کہا کہ۔

”اب ہمارا شجاع الدولہ کے پاس رہنا مناسب نہیں ہے یقین ہے کہ وہ غفریب

روہیل کھنڈ کو لینے کا ارادہ کرے گا ہرے کہ اس واقعہ کے وقوع سے قبل جناب قبلہ

کہہ کو اس کے قصد سے مطلع کریں اور اس کے تدارک کی کوشش کریں۔“

نور اہی میں دو چار دن کے قیام کے بعد شجاع الدولہ عنایت خاں کو ساتھ لیکر پہلے فیض آباد اور پھر لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ لکھنؤ پہنچ کر مبلغ آٹھ ہزار روپیہ بطور مدد خرچ عنایت خاں کے پاس بھیجا اور وعدہ کیا کہ غفریب ایک محقول جائیداد مصارف کے واسطے مقرر کر دی جائے گی لیکن ان عطیات سے عنایت خاں نے اپنے دل پر کوئی اثر قبول نہ کیا اور شجاع الدولہ سے اجازت حاصل کئے بغیر روہیل کھنڈ کی طرف روانہ ہو گئے۔

عنایت خاں کی وطن کو واپسی شجاع الدولہ کے پاس سے اس قدر عجلت کے ساتھ روانہ ہو جانے اور حافظ الملک کی جانب سے کا سبب یہی تھا کہ وہ حافظ الملک کو شجاع الدولہ کے ارادہ سے معافی تقصیر

سفر طے کر کے وہ شاہجہاں پور کے قریب پہنچے اور حافظ الملک کو ان کی آمد کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے کھلا بھیجا کہ تنہا آؤ ورنہ تمہاری گوشمالی کے لئے فوج روانہ کی جائے گی۔

چونکہ اُن کے دل میں اپنے وطن اور اپنے والد بزرگوار کی محبت کی لگن لگی ہوئی تھی۔ اس لئے انھوں نے بکمال فہم و شناسی اپنی ذاتی ذلت اور اپنی ذاتی خفت و خجالت کے جذبات کو بالائے طاق رکھ کر زبردست اخلاقی ہجرت کے ساتھ اپنی فوج کو برطرف کر دیا اور تنہا مع دو نوجوان بھائیوں کے صرف چند مصاحبین کو ہمراہ لے کر جن کی مجموعی تعداد پچیس سے زیادہ نہ تھی بریلی میں داخل ہو گئے اور اپنی چھوٹی کے مکان پر جن کا حافظ الملک بہت پاس خاطر کرتے تھے قیام کیا۔ خاتون موصوفہ نے بہت کچھ تسلی و تسفی کی اور حافظ الملک کے پاس جا کر ان کی عفو و تفصیرات کی سفارش کی۔ ساتھ ہی عنایت خاں کی زبانی شجاع الدولہ کے ارادہ بد سے جو اطلاع ملی تھی اس سے بھی حافظ الملک کو باخبر کیا اس پر ارشاد ہوا کہ۔

”تمہارا مکان دراصل میرا ہی مکان ہے عنایت خاں کو فی الحال وہیں رہنے دو“

دو چار روز میں حضور میں طلب کر کے شرفِ حضور پر بختا جا بیٹھا

اسی اثنا میں انور خاں برادر عبدالستار خاں نے جو عنایت خاں کی جنگاں میں زخمی ہو گیا تھا انتقال کیا۔ چنانچہ موافق حکم حافظ الملک عنایت خاں آؤ لہ کو گئے اور عبدالستار خاں سے مراسمِ تعزیت ادا کئے۔ آؤ لہ ہی کے قیام میں عنایت خاں کو دردِ منانہ کی شکایت پیدا ہوئی دو تین روز کے بعد تکلیف بڑھنے لگی تو بریلی واپس آئے لیکن بیماری کا غلبہ کسی طرح کم نہ ہوا۔

شدتِ تکلیف سے بنجار کا بھی اضافہ ہو گیا اور یہی مرض ایک قلیل عرصہ کے بعد عنایت خاں کے انتقال کا باعث ہوا۔

(۳۰)

شجاع الدولہ کی خاطر مرہٹوں سے حافظ الملک کی آخری تباہ کن جنگ

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مئی ۱۷۶۷ء میں شاہ عالم بادشاہ انگریزوں کی رفاقت ترک کر کے الہ آباد سے دہلی میں مرہٹوں کی پناہ میں چلے آئے تھے مگر ان کو امید تھی کہ کوڑا اور الہ آباد پر ان کا قبضہ بدستور قائم رہے گا۔ اور یہ کہ انگریز جنگال و بہار کا موعودہ چبیس لاکھ روپیہ سالانہ خراج بھی ادا کرتے رہیں گے لیکن یہ توقعات پوری نہ ہوئیں۔ گورنر جنگال مسٹر ہیننگز نے اپنے عہدہ پر فائز ہوتے ہی بادشاہ کو نہ صرف خراج دینا بند کر دیا بلکہ اضلاع کوڑا والہ آباد بھی ایک بڑی رقم وصول کر کے شجاع الدولہ کو دینے کا ارادہ کر لیا۔ چونکہ ہیننگز کا یہ اقدام اُس معاہدہ کے صریحاً خلاف تھا جو لارڈ کلاؤ نے ۱۷۶۵ء میں شاہ عالم سے کیا تھا اس لئے بادشاہ نے ان ارادوں سے مطلع ہو کر بحیثیت شہنشاہ ہند کوڑا اور الہ آباد کا علاقہ اپنی طرف سے مرہٹوں کو عطا کر دیا۔ اب یہ مرہٹوں کا کام تھا کہ وہ ان مقامات کو جنگ کر کے اپنے لئے حاصل کر لیں۔ چنانچہ مرہٹوں نے تیغ کوڑا اور الہ آباد کے لئے اودھ پر حملہ کی تیاری شروع کی۔

شجاع الدولہ کے خلاف حافظ الملک چونکہ دہلی سے اودھ پہنچنے کے لئے سیدھا اور آسان سے مرہٹوں کی درخواست امداد راستہ ضابطہ خاں کے علاقہ اور روہیل کھنڈ میں سے ہو کر تھا اس لئے مرہٹوں نے پہلے روہیلہ سرداروں کی طرف توجہ کی اور بغیر کسی خاص دقت کے سب سے اول ضابطہ خاں سے اپنا رشتہ اتحاد مستحکم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ضابطہ خاں کی جانب سے اطمینان ہو جانے کے بعد مہاراجا سیندھیا اور ملکھوہ سرداران مرہٹہ نے اپنے وکلاء یا بعض روایات کے مطابق صرف ضابطہ خاں کو حافظ الملک کے پاس روانہ کیا اور ان سے

درخواست کی کہ شجاع الدولہ کا ملک فتح کرتے کے ارادے سے ہم لوگ آتے ہیں۔ اگر آپ ہماری مدد کر کے ہمارے شریک ہوں گے تو جتنا ملک فتح ہوگا اُس کا نصف آپ کے حصہ میں دیا جائیگا اور اگر آپ یہ شرکت منظور نہ کریں تو کم از کم ہکوا اپنے ملک سے گزر جائے دیجئے اور دریائے گنگا کو عبور کرنے میں مزاحمت نہ کیجئے اس صورت میں آپ کے ملک کی پامالی کا معاوضہ آپ کو دیا جائیگا۔ نیز شجاع الدولہ کا وہ تمسک جس میں سے ابھی کچھ وصول نہیں ہوا ہے وہ بھی آپ کے حوالے کر دیں گے اور ہم اس دعوے سے باز رہیں گے۔

شجاع الدولہ کی طرف سے	اس پیام کے موصول ہونے پر حافظ الملک نے کچھ مہلت طلب کی اور ایام مہلت میں مرہٹوں کے پیش کردہ شرائط سے شجاع الدولہ کو مدد دینے سے انکار کو مطلع کرتے ہوئے لکھا کہ۔
-----------------------	--

”و اگر آپ ہمارا چالیس لاکھ روپیہ کا نہی تمسک ہم کو واپس کر دیں اور جلد اپنے آپ کو مرہٹوں کے مقابلہ میں لے آویں تو ہم مرہٹوں کو دریائے گنگا عبور کرنے سے روکنا شروع کر دیں اور آپ کے شریک ہو کر مرہٹوں سے جنگ کر کے ان کو اس ملک سے نکال باہر کر دیں۔“

شجاع الدولہ کو اس اطلاع سے انتہا درجہ کی وحشت ہوئی اور انھوں نے فوراً حافظ الملک کو جواب دیا۔

”مجھ کو مرہٹوں کے ساتھ آپ کی عدم مشارکت کا حال معلوم ہو کر پورا اطمینان ہو گیا۔ اور میں آپ کی رائے کے موافق میدان جنگ میں پہنچتا ہوں۔ آپ مرہٹوں کے مقابلہ میں پہنچنے میں توقف نہ کریں۔ نوشتہ مہری کے متعلق سید شاہ مدن سے زبانی عرض کر دیا ہے جو کچھ سید موصوف بیان کریں اس پر یقین فرمائیے میں اس سے

سرمواخراٹ نہ کروں گا پلے

سید شاہ مدن شجاع الدولہ کا مذکورہ بالا خط لے کر بہ تعجل تمام بریلی تشریف لائے اور حافظ الملک کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا ۔

”آپ کے تسک کی داپسی کے متعلق شجاع الدولہ نے وعدہ کیا ہے کہ مرہٹوں سے تھنہ فیصل ہونے کے بعد اور ملاقات باہمی کے بعد جو عنقریب ہونے والی ہے وہ تحریری تسک واپس کر دیا جائے گا آپ کسی قسم کا اندیشہ خاطر مبارک میں نہ لیتے کیونکہ دونوں فریق کے مابین کوئی مغائرت نہیں ہے“

سید شاہ مدن چونکہ شجاع الدولہ کے ایک مستند وکیل اور شاہ آباد کے مستند سیدوں میں سے تھے اس لئے حافظ الملک نے جو سادات کا بے حد احترام کرتے تھے ان کے بیان پر پورا پورا اعتبار کیا اور مرہٹوں کے ساتھ عدم مشارکت اور شجاع الدولہ کے ساتھ موافقت کا عہد و اٹن کر کے ان کو رخصت کر دیا ۔

شجاع الدولہ کو انگریزوں کی امداد سٹیڈہ مدن کو حافظ الملک کے پاس روانہ کرنے کے بعد شجاع الدولہ نے اپنے حلیف انگریزوں سے بھی امداد طلب کی اور مسٹر ہیننگز گورنر جنرل کو لکھا کہ ۔

”میرا دماغ منفرک اور بے چین ہے کیونکہ اگر میرے کامیاب ہو گئے اور انھوں نے بادشاہ سے کوئی اور شرط کر لی تو عزیز کرنا چاہئے کہ میں اور میرے دوست یعنی آپ کس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں گے ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک کو تکلیف دہ رہائی کا موقع ہے ۔ میرے دوست مجھے امید ہے کہ اب تم اس جانب سے بے خبر نہ رہو گے اور مناسب تدبیر عمل میں لاؤ گے ۔ حالات اب بالکل مختلف

بیکل اختیار کئے ہوئے ہیں اور تمہیں اس امر کا بہت دور اندیشی اور غور کے ساتھ خیال کرنا چاہئے کہ دشمنوں نے بادشاہ پر پورا قبضہ حاصل کر لیا ہے اس لئے ان کا اس جانب متوجہ ہونا امر یقینی ہے۔ میرا ملک دراصل بنگال کا دروازہ ہے اور میں ایک سید راہ کا سا کام کرتا ہوں لہذا تمہارے لئے اشد ضروری ہے کہ تم ہوشیار اور خبردار رہو۔ جنرل بارکر کا یہاں روانہ کرنا انتہا درجہ مناسب اور ضروری ہے۔“

مسٹر ہیٹنگز نے شجاع الدولہ کی تخریب سے حرف اتفاق کیا۔ اپنے مقبوضات پر پیش آنے والے خطرات کا بھی اعتراف کیا لیکن پھر بھی اپنی ہمدردی کی قیمت وصول کئے بغیر اندرون سے صاف انکار کر دیا اور پہلے ایک لاکھ پنڈرہ ہزار روپیہ ماہوار مصارف فوج کی شرط جب منظور کرالی تو اس کے بعد سربراہ برٹ بارکر کی سرکردگی میں انگریزی فوج شجاع الدولہ کے ساتھ شریک جنگ ہونے کے لئے روانہ کی۔ مارچ ۱۸۵۷ء میں شجاع الدولہ اور انگریزوں کی فوج پہلی مرتبہ روہیل کھنڈ میں داخل ہو کر رام گھاٹ کی طرف روانہ ہوئی۔

شجاع الدولہ کی حمایت میں
حافظ الملک کی روانگی
میدان جنگ کو

اودھ حافظ الملک نے احمد خاں خلیفہ بخشی سردار خاں کو حکم دیا کہ ایک دن میں آٹولہ سے چلکر رام گھاٹ کے پل کی حفاظت شروع کرے اور چند روز کے بعد خود بھی مرہٹوں کے قریب

آجائے کی خبر سن کر بریلی سے کوچ کر کے بسولی میں داخل ہوئے بسولی میں دو ایک دن قیام کر کے اسد پور کی طرف روانہ ہوئے جہاں احمد خاں کا کیمپ تھا۔ ابھی تین کوس کا فاصلہ باقی تھا کہ اس عرصہ میں مرہٹوں نے دریائے گنگا کو عبور کر کے حافظ الملک کے لشکر پر حملہ کر دیا لیکن رات کی تاریکی میں راستہ بھول گئے اور اتفاقاً احمد خاں کے لشکر پر جا گئے۔

احمد خاں کے ہمراہی جو نہایت ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ پڑے ہوئے تھے اسد پور کی عمارتوں اور باغوں میں پناہ لے کر مدافعت جنگ کرنے لگے۔ نماز صبح سے ظہر تک معرکہ کارزار گرم رہا اور ہتھ فوج اپنی کثرت کے باوجود افغانوں کی قلیل جماعت کو شکست نہ دے سکی۔

ممکن تھا کہ پٹھانوں کی اس جانبازی کا کوئی مفید نتیجہ مترتب ہو جاتا لیکن سوئے اتفاق سے احمد خاں سردار فوج کی گرفتاری سے معاملہ دگرگوں ہو گیا اور فتح شکست سے تبدیل ہو گئی۔ حافظ الملک کو مرہٹوں کے دریا عبور کرنے اور احمد خاں کے گرفتار ہونے کی خبر ملی تو فی الفور اپنی سپاہ کو آراستہ ہونے کا حکم دیا لیکن عین کوچ کے وقت صندل خاں ٹخنہ بریلی کا بھیجا ہوا ایک سوار لشکر میں وارد ہو کر انتہائی گھبراہٹ اور بدحواسی کے ساتھ اپنے گھوڑے کو سرسٹ دوڑانا ہوا خاص حافظ الملک کے ڈیرے پر پہنچا اور اجازت حاصل کر کے اندر داخل ہوا۔

اس وقت تمام اہل لشکر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ سوار کیا خبر لایا ہے سکتہ کے عالم میں چشم براه اور گوش برآوانتھے کہ چند ہی لمحہ بعد بجلی کی سی سرعت کے ساتھ یہ خبر کلفت اثر زباں زد خاص و عام ہو گئی کہ ”عنایت خاں کا انتقال ہو گیا“ عنایت خاں جیسے نامور سردار قوم اور حافظ الملک کے سب سے زیادہ ہونہار فرزند کی حسرت ناک جوان مرگی کوئی معمولی واقعہ نہ تھا ہر طرف ایک شور قیامت برپا ہو گیا اور اس سانحہ کی بنا پر اس روز مرہٹوں کے مقابلہ میں فوج کی روانگی ملتوی ہو گئی اور سب لوگ اپنے اپنے ہتھیار کھول کر عنایت خاں کی غائبانہ نماز جنازہ اور حافظ الملک کی خدمت میں حاضر ہو کر رسم تعزیت ادا کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ اس حادثہ طالت افزا اور واقعہ کدورت انتہا سے حافظ الملک کی خاطر اقدس بھی ترین ہزاراں ہزار اندوہ و غم مگھ گئی۔ نئے اختیار قطرات اشک چشم ہابوں سے جاری ہو گئے اور باوجود ثبات مبر و تحمل اور شکوہ و وقار۔ قلق و اضطراب اور سوگواری کی علامت جو

اس سے قبل کسی سانحہ دلخراش کے موقع پر نہیں دیکھی گئی تھی ظاہر ہوئی۔

جب زیادہ ضبط نہ ہو سکا تو اپنی حالت دوسروں سے چھپانے کے لئے گھوڑے پر سوار ہو کر تنہا لشکر سے باہر اسد پور کی جانب چلے گئے وہاں ایک بلند ٹیلے پر جہاں سے مرہٹوں کی فوج دو کوس پر بھی قیام کیا اور نماز عصر و مغرب اسی جگہ ادا کی بعد مغرب اپنے لشکر کو واپس تشریف لائے۔

معرکہ جنگ اب صبح کو بہر حال دشمن کے مقابلہ میں کوچ کرنا تھا اس وقت حافظ الملک کے ہمراہ چار پانچ ہزار سپاہ و سوار کی جمعیت تھی رات کے وقت محب اللہ خاں یسینم خاں اور دوسرے رسالدار جو اس وقت تاک نواب عنایت خاں کی حالت غیر ہونے کے باعث بریلی سے جلد روانہ نہ ہو سکے تھے اپنے اپنے رسالوں کے ساتھ آگئے اور اس طرح دس بارہ ہزار سپاہ جمع ہو گئی۔ دوسرے روز جب حافظ الملک کو نجلع الدولہ اور انگریزی فوج کے قریب آ جانے کی بھی اطلاع ہکا روں کے ذریعہ مل گئی تو انھوں نے افواج مرہٹہ پر حملہ کر دیا دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا ہی تھا کہ سر رابرٹ باکر اور محبوب علی خواجہ سر ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آ پہنچے۔

مرہٹے صرف حافظ الملک کی فوج پر حملہ آور ہوئے اور لڑائی میں انتہا درجہ کی بہادری اور جرأت کا اظہار کیا لیکن آخر میں انگریزی فوج کی موجودگی کے باعث اور روہیلوں کی تلوار کی ضربات سے ان کے پاؤں میدان سے اکھڑ گئے اور مقابلہ میں ٹھہرنے کی تاب نہ لا کر انھوں نے راہ فرار اختیار کی۔ ٹکڑ ٹکڑ کر روہیلوں نے اتنی ہمت نہ دی کہ دریا کو عبور کر سکے اس وجہ سے وہ بنبھل کی طرف بھاگا۔ حافظ الملک نے ہلکر کے تعاقب میں کچھ مسافت طے کی لیکن چونکہ اس کی سپاہ تیز گھوڑوں پر سوار تھی اور حافظ الملک کی فوج کا زیادہ حصہ پیدل تھا اس لئے دوبارہ مقابلہ نہ ہو سکا اور ہلکر راتوں رات مسافت بعید طے کر کے بہت دور محل

۱۵ حافظ الملک نے نواب عسایت خاں کی خطائیں اُن کی زندگی ہی میں معاف کر دی تھیں۔

۱۶ اخبار الصنادید۔

گیانہنصل پہنچا اس کو تاخت و تاراج کیا اور اپنی فوج کو رامپور لوٹنے کے لئے بھی روانہ کیا۔
نواب فیض اللہ خاں یہ خبر سن کر اپنے عیال و اطفال کو لے کر دامن کوہ کی طرف چلے گئے۔

حافظ الملک نے جب رامپور پر حملے کا حال سنا تو مستقیم خاں اور ملا سید خاں کو فوج دے کر ان کے تعاقب کا حکم دیا۔ اور آپ ہنصل کی طرف ٹکڑے کے تعاقب میں گئے۔ مرہٹوں نے روہیلوں کی فوج کی روانگی کا حال سُن کر رامپور کی لوٹ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ صرف مراد آباد کو تباہ کر کے پھوند کے قریب گنگا کو عبور کر کے ہما و اجی سیندھیا سے مل گئے۔ حافظ الملک ہنصل کا ارادہ فسخ کر کے پھوند کی طرف ہٹ کر کے پیچھے گئے اور دریائے گنگا کے کنارے ٹھہر گئے اور وہاں سے چند مقاموں کے بعد شجاع الدولہ کے پاس آ گئے جو اب سیندھیا کے مقابلہ میں انگریزی لشکر کی مصیبت میں پڑے ہوئے تھے۔ یہاں آ کر حافظ الملک نے شجاع الدولہ کی معرفت احمد خاں کی رہائی کے متعلق سردار ان مرہٹہ سے گفت و شنید شروع کی۔ ہما و اجی سیندھیا بمشکل صلح کرنے اور دو لاکھ روپیہ کے معاوضہ میں احمد خاں کو رہا کرنے پر راضی ہو گیا۔ حافظ الملک نے یہ رقم اپنی جیب خاص سے ادا کی۔ جس کے بعد مرہٹے از خود بعض خانگی وجوہ سے دہلی کی طرف واپس ہو گئے۔

حافظ الملک پر مرہٹوں سے ساز باز کا الزام اور اس کی تردید

مستر ہلٹن اور سر جان اسٹرنجی نے اپنی کتابوں میں شجاع الدولہ اور سر رابرٹ بارکر کی بعض اس قسم کی تحریریں نقل کی ہیں جن میں حافظ الملک کی مرہٹوں سے ساز باز۔ جنگ میں تساہل اور ان کی مفروضہ مکاری و دغا بازی کو بیان کیا ہے۔ لیکن

سہ تاریخ اخبار سن۔ ۱۸۵۷ء حافظ الملک پر یہ الزامات عائد کرنے کی بظاہر یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اس جنگ میں ضابطہ خاں نے جو غلطی سے ان کے شریک کار سمجھے جاتے تھے مرہٹوں سے ساز باز کر لیا تھا۔ فیض اللہ خاں بھی اپنے ہنوی کی مروت سے شریک نہ ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے سرداران روہیل کھنڈ بھی غیبت خاں کے عالم نزاع کے باعث میدان جنگ میں بریلی سے جلد روانہ نہ ہو سکے تھے۔

(۳۱)

شجاع الدولہ کی احسان فراموشی اور روہیل کھنڈ فتح کرنے کے منصوبے

اپنی اور انگریزی فوج کی محض موجودگی کی دھونس دیکر اور روہیلوں اور مرہٹوں کو آپس میں لڑوا کر جب شجاع الدولہ کو او دھ پر مرہٹوں کے حملہ کا خطرہ جاتا رہا تو اب انھوں نے کہاں احسان فراموشی خود روہیلوں کی تخریب پر کمر باندھی اور روہیل کھنڈ پر قبضہ کرنے کے منصوبے کا ٹھنڈا شروع کئے۔ چنانچہ ۱۶ مارچ ۱۸۵۷ء کو سربراہ برٹ بار کرنے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی ایک پرائیویٹ خط میں مسٹر ہیسٹنگز کو لکھا تھا کہ۔

”روہیلوں کی دغا بازی سے ناراض ہو کر وزیر نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ان کو روہیل کھنڈ سے خارج کر دیا جائے اور اس ملک کو اپنے مقبوضات میں شامل کر لیں۔ وزیر نے میرے ذریعہ آپ کو یہ اطلاع بھی دینی چاہی ہے کہ اگر انگریز اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے میں اس کو مدد دیں گے تو وہ کہنی کو پچاس لاکھ روپیہ دیجئے“

اسی خط کی بنا پر ۳۰ اپریل کو ہیسٹنگز نے ولایت میں سر جان کول برک کو لکھا کہ۔

”وزیر نے روہیلوں کے ملک پر جو اس کے قریب واقع ہے اپنے دانت بجائے ہیں اور اُس کو یہ ملک فتح کر دینے کے صلے میں ہمیں زبردست نذرانے دئے جائیں گے“

ان ہی خیالات کو دل میں لے کر جنگ مرہٹہ سے فارغ ہو کر شجاع الدولہ اور سربراہ برٹ بار کر

بظاہر آرام و تفریح کی غرض سے کچھ عرصہ رام گھاٹ میں مقیم رہے۔ لیکن بہ باطن مقصد یہ تھا کہ روہیل کھنڈ میں کچھ عرصہ قیام کر کے حافظ الملک کی سپاہ کے سرداروں۔ رسالداروں اور سپاہیوں کو توڑنے اور اپنے سے ملانے کی کوشش کریں۔ گل رحمت میں مرقوم ہے کہ۔

”جو کوئی ان کی ملازمت اختیار کر لیتا اس پر طرح طرح کی عنایات بندوں کی جاتیں چنانچہ

احمد خاں غلف بخشی سردار خاں کو خطاب نوابی خلعت۔ پاکی اور اسپ و شمیر عطا

کی۔ اور محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں پسرانِ دونوں خاں مرحوم کے ساتھ انواع

واقام کی رعایات و نوازشات عمل میں لائی گئیں۔ اکثروں سے خوش آئند وعدے

کر کے انعامات کا شوق بنایا اور اس کے بعد اپنے ملک کو روانہ ہو گئے۔“

روانگی کے وقت انگریزی فوج کے ایک کرنل مسٹر چیپمن نے یہ ارادہ کیا کہ اپنی فوج کو روہیل کھنڈ کی سیر کرانا ہو اور وہ کو واپس لے جائے۔ حافظ الملک نے اس امر کی اجازت مرحمت کر دی اور ان حکام ضلع کے نام جن کی طرف سے انگریزی فوج گزرنا چاہتی تھی اس مضمون کے پرولنے لکھ دئے کہ مزاحمت نہ کریں اور رسد بہم پہنچائیں۔ چنانچہ انگریزی فوج آ نولہ۔ بریلی اور شاہجامپور کی راہ ہوتی ہوئی مشرق کو چلی گئی۔ واضح ہو کہ آئندہ براہ شاہجامپور ہی انگریزوں اور شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ پر حملہ کیا۔

شجاع الدولہ کی وعدہ خلافی جب شجاع الدولہ اور وہ پہنچ گئے اور حافظ الملک کو اس امر کی ہشک کی واپسی سے انکار اطلاع مل گئی تو انھوں نے خان محمد خاں اور عبید اللہ خاں کشمیری کو اپنا سفیر بنا کر شجاع الدولہ کے پاس روانہ کیا تاکہ مرہٹوں کو شکست ہو جانے کے بعد حسب وعدہ زبانی سید شاہ مدن ان سے چالیس لاکھ روپے کا تمسک طلب کریں جب یہ لوگ شجاع الدولہ کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض مطلب کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے تمسک کو

لے یہ وہی احمد خاں ہے جس کو حافظ الملک نے دو لاکھ روپیہ اپنے پاس سے دیکر مرہٹوں کی قید سے رہا کر دیا تھا۔

واپس کرنے کا ہرگز کوئی اقرار نہیں کیا تھا۔ اس پر سید شاہ من طلب کئے گئے اور شاہ صاحب حاضر دربار ہوئے تو شجاع الدولہ نے اشارہ چشم کے ساتھ ان سے پوچھا کہ تمسک کے معاملہ میں آپ کے اور حافظ الملک کے درمیان کیا قول و قرار ہوا تھا۔ شاہ صاحب نے جھوٹ بولنا اپنے مسلک کے خلاف سمجھا۔ تمام واقعہ بے کم و کاست بیان کر دیا اور فرمایا کہ میں نے حضور کے فرمانے کے بموجب حافظ الملک سے واپسی تمسک کا عہد واثق کر لیا ہے شجاع الدولہ اس جواب پر بہت برا فروختہ ہوئے اور کہا کہ یہ باتیں دروغ و بہتان ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں سازش کی گئی ہے میں نے اس قسم کی کوئی بات منہ سے نہیں نکالی ہے۔ سید شاہ من نے دو تین مرتبہ اپنی بات پر اصرار کیا۔ اس کے بعد مجبوراً خاموش ہو گئے۔ خان محمد خاں سفیر حافظ الملک نے بھی کچھ رنجش آمیز کلمے زبان سے نکالے جن کا شجاع الدولہ نے نہایت سختی کے ساتھ جواب دیا اور غضب ناک ہو کر جلسہ کو چلے گئے۔

۱۷۰۰ سید شاہ من شاہ آباد ضلع ہرودنی کے مشہور پیر زادے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے نہایت ہوشیار و خوش اخلاق تھے۔ ابتدا میں صفدر جنگ کی مصاحبت میں رہتے تھے اور ان کے ہر ایک مشورہ میں شریک ہوتے تھے۔ صفدر جنگ کی وفات کے بعد اللہ وروی خاں ناظم بنگلہ کے پاس چلے گئے۔ وہاں بھی عزت کے ساتھ رہے۔ جب بنگال میں انقلاب حکومت ہوا تو پھر او دھ میں چلے آئے۔ شاہ آباد ضلع ہرودنی میں جو شاہجہاں پور کے متصل ہے رہتے گئے اور شجاع الدولہ سے توسل پیدا کر لیا۔ شجاع الدولہ ان کی عزت کرتے تھے۔ پھر خالص پور میں جو کھنوسے پورج کوںس پر ہے سکونت اختیار کر لی کیونکہ کٹاہ آباد کی سکونت میں ان کی نسبت شجاع الدولہ کو پریشانی ہوتا تھا کہ یہ روہیلوں سے دوستی اور جہنہ داری رکھتے ہیں۔ سید شاہ من کے ہاں ہر سال حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا عرس ہوا کرتا تھا۔ ہندوستان کے شہروں سے ہزار ہا علما۔ طلباء۔ مشائخ۔ پیر زادے آئے اور شریک ہوتے ان سب کی آمد و رفت کے مصارف شاہ صاحب کے ہاں سے ادا کئے جاتے اور ان کو کھانا دیا جاتا۔ تین روز تک بڑا انبواہ رہتا اور صبح سے شام تک آدمیوں کو بخش نفیم ہوتی رہتی تھی۔ کئی بقال اس کام پر مقرر رہتے تھے۔ بہت سے نانگے اور برائی بھی اس میں شریک ہوتے تھے۔ جن کو سولے خوراک کے بھنگ۔ چوس اور بوزہ بھی ملتا تھا۔ تیس ہزار کے قریب آدمی جمع ہوتے تھے۔ روہیلے بھی ان کی پیرزادگی کی وجہ سے ہمیشہ تھے پیچھے رہتے تھے۔ (اخبار الصنادید)

۱۷۰۰ واپسی تمسک کے سلسلہ میں شجاع الدولہ کی مددہ علانی اور سید شاہ من کی حق گوئی و اخلاقی جرأت کا واقعہ کٹاہ میں۔ محل رحمت۔ تاریخ اخبار حسن۔ نفس سلطانی اور تاریخ روہیل کھنڈ وغیرہ بکثرت کتابوں میں درج ہوئی لیکن تعجب ہے ۴۴

الغرض سفراءِ حافظ الملک ناکام و نامراد واپس آئے اور حقیقتِ حال بیان کی حافظ الملک نے اس وقت تمسک کے لینے پر اصرار کرنا مصلحت نہ جانا اور اپنی رنجیدگی خاطر بھی ظاہر نہ ہونے دی۔ سہل الجھاری کو کام میں لاکر سکوت کیا۔ اور صبر و شکر کے ساتھ پردہ غیب سے آئندہ جلوہ میں آنے والے واقعات کا انتظار کرنے لگے۔

شجاع الدولہ نے واپسی تمسک میں جو وعدہ خلافی کی اس کی ایک وجہ تو انکی مخصوص محسن کش اور بے ایمان فطرت تھی۔ اور دوسری زیادہ زبردست وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے انرا جاتا کی کثرت اور آمدنی کی قلت کے باعث انگریزی فوج کے مصارف کا موعودہ مطالبہ پورا نہ کر سکے تھے اور اس طرح ان پر انگریزی قرضہ کا بار بڑھ گیا تھا جس کی ادائیگی کی بجز اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ وہ شاہِ مدن والے ذبانی معاہدہ کو نظر انداز کر کے شلہ ع کے معاہدہ کی رو سے روہیلوں سے چائینس لاکھ روپیہ جس طرح بھی ہو وصول کریں اور اپنے انگریز دوستوں کو ایفاءِ عہد کر کے خوش کریں جن سے انھیں آئندہ بھی کام لینا تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے جب اپنے روپیہ کا ان سے مطالبہ کیا تو انھوں نے گورنر جنرل ہیسٹنگز کو ایک خط میں لکھا کہ۔

”میں نے جنرل صاحب سے وعدہ کیا ہے کہ جب ہم مرہٹوں کو روہیلوں کے ملک سے بحال دیں گے اور حافظِ رحمت خاں اپنا چالیس لاکھ روپیہ کی ادائیگی کا وعدہ ایفا کریں گے تو میں اس میں سے نصف روپیہ انگریز سرداروں کو دوں گا بخلاف اس کے اگر روہیلہ سردار اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کے مرکب ہوں گے اور انگریز ان کو نیست و نابود کر کے اُن کے ملک پر مجھے قبضہ دلا دیں گے تو اس صورت میں میں پچاس لاکھ روپیہ تقدا دکر دوں گا۔“

۴۴ کہ پھر بھی مخالف مورخین کو یہ واقعہ یا تو نظر نہیں آتا یا وہ اس کو دانتہ نظر انداز کر دیتے ہیں۔

۱۵ رپورٹ پنجم مرتبہ کیٹی آف سیکریسی نمبر ۲۱۔ برٹش میوزیم۔

ہیٹنگز جیسے مشہور خود غرض اور طاعن شخص کیلئے بیس یا پچاس لاکھ روپیہ کا لالچ کوئی معمولی بات نہ تھی فوراً ایک طویل خط جواب میں لکھا جس میں شجاع الدولہ کی تجاویز کی پُر زور تائید کی اور بہت کچھ نثر و صفت اور اظہارِ محبت و یگانگت کے بعد نہایت نئے تابی کے ساتھ یہ خواہش کی کہ جملہ معاملات کو باقاعدہ طے کرنے کے لئے بنارس میں ایک ذاتی ملاقات کی اشد ضرورت ہے۔

(۳۲)

حافظ الملاک کے خلاف بردست ساروش اور حکومت برٹش کی کھنڈ کا زوال

عہد نامہ بنارس | او آخر جون ۱۸۵۷ء تک جملہ انتظامات مکمل ہو جانے پر اوائل جولائی ۱۸۵۷ء کو گورنر دارن ہیسٹنگز کلکتہ سے روانہ ہوا اور ۱۹- اگست کو شجاع الدولہ سے اس کی بنارس میں ملاقات ہوئی۔ اس سفر سے ہیسٹنگز کے دو مقصد تھے۔

اول کوٹرا اور الہ آباد کو شجاع الدولہ کے ہاتھ فروخت کرنا۔ دوم تیسرے روہیل کھنڈ کی با معاملہ کرنا۔ سب سے پہلے اول الذکر معاملے کے بارے میں گفتگو ہوئی اور مندرجہ ذیل شرائط پر کوٹرا اور الہ آباد شجاع الدولہ کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔

”قراریا پاکہ چونکہ بموجب عہد نامہ الہ آباد مورخہ ۱۴- اگست ۱۸۵۷ء اضلاع کوٹرا اور الہ آباد بادشاہ کو ان کے اخراجات کے لئے پیدائے گئے تھے اور ان اضلاع پر بادشاہ نے اپنا قبضہ چھوڑ کر انگریز کمپنی اور وزیر کے مفاد کے خلاف انکی سند مرہٹوں کو دیدی اور چونکہ یہ فعل مذکورہ عہد نامہ کی منشاء کے خلاف ہے اس لئے یہ مقامات کمپنی ہی کو جس سے بادشاہ نے انھیں حاصل کیا تھا واپس ہو گئے اور اب وزیر اور کمپنی کے درمیان یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ اضلاع مذکور کو ان شرائط کے ساتھ وزیر کے قبضہ میں دے دیا جائیگا.....

کہ وہ سکہ رائج الوقت اودھ کے پچاس لاکھ روپیہ کمپنی کو دیں گے جس کی ادائیگی کا یہ طریقہ ہوگا کہ میں لاکھ روپیہ فوراً نقد اور دو سال بعد پندرہ پندرہ لاکھ روپیہ سالانہ

دو قسطوں میں ادا ہوگا“

۱۸۵۷ء ہیسٹنگز ایئر ڈی روہیلہ دار۔

شاہی مقبوضات کو اس طرح بیچنے اور شجاع الدولہ سے پچاس لاکھ روپیہ کی کثیر رقم وصول کرنے کا ہیڈسٹنگز کو کوئی حق تھا یا نہیں اس بارے میں انگلستان کے سب سے بڑے سیاست داں اور مقرر مسٹر برک کی تقریر کا ایک حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

” پہلا بادشاہ جسے کمپنی نے روپیہ لے کر فروخت کیا آل تیمور کا مغل اعظم تھا یہ بلند شخصیت ایسی بلند جو انسانی عظمت کا مطلع نظر ہو سکتی ہے۔ عام روایات کے مطابق اپنے عہد طرز عمل - پاک باطنی اور ماہر علوم مشرقیہ ہونے کے باعث بہت ہر دلنیز و محترم تھی۔ اس کی یہ خوبیاں اور نیز یہ امر کہ اُسی کی مسندات کے طفیل میں ہم نے تمام ہندوستانی مقبوضات حاصل کئے۔ اس کو سر بازار فروخت کرنے سے ہمیں نہ روک سکے۔ اسی کے نام کا سکہ چلتا ہے۔ اسی کے نام سے مدد و انصاف کیا جاتا ہے۔ ملک کے طول و عرض میں اسی کے نام کا تمام عبادت گاہوں میں خطبہ پڑھا جاتا ہے لیکن پھر بھی اُسے بیچ ڈالا گیا۔ ایک سلطنت عطا کر دینے والے معطی اور بکثرت قوموں کے جائز حکمران کے واسطے اس کے شاندار عطیات میں سے صرف دو ضلع کوڑا اور الہ آباد بطور شاہی ملک محفوظ کر دئے گئے تھے۔ لیکن ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ کا زرخراج بند کر دینے کے بعد..... یہ اضلاع بھی اس کے وزیر شجاع الدولہ کے ہاتھ فروخت کر دئے گئے۔ اس معاملہ کا سب سے مذموم پہلو جو کچھ لوگوں کو نظر آئے گا وہ یہ ہے کہ ان دو ضلعوں کا سودا بھی یہ مشکل محض دو سال کے لئے کیا گیا۔ افسوس کہ اب یہ تیموری شاہزادہ اپنی معمولی ضروریات زندگی پوری کرنے سے بھی عاجز ہے اور اس کی موجودہ لاچاری میں ہم بخشش کے طور پر بھی اُسے کچھ نہیں دے سکتے“

برک کے یہ اعتراضات ناقابلِ تردید ضرور ہیں لیکن اس موقع پر ہیڈسٹنگز کی ہوسناکی بھی ایک حد تک بدرجہ مجبوری تھی کیونکہ اس زمانہ میں کمپنی سوا کرور روپیہ کی قرضدار تھی خزانہ ہلال

خالی تھا۔ کورٹ آف ڈائریکٹرز کے خط پر خط آرہے تھے کہ روپیہ بھیجو۔ حتیٰ کہ کلکتہ سے روانگی کے وقت سرکاری خزانہ میں پچاس ہزار روپیہ سے بھی کم روپیہ تھا اور فرض لینے کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہو چکی تھیں۔

کوٹہ اور الہ آباد کے معاوضہ میں پچاس لاکھ روپیہ کا عہد و پیمان ہو جانے کے بعد اب ہیمٹنگز اور شجاع الدولہ کے درمیان روہیل کھنڈ کی بابت مشورہ ہوا اور بہت کچھ گفت و شنید کے بعد آپس میں ایک عہد نامہ لکھ لیا گیا جس کا اہم اقتباس حسب ذیل ہے۔

”چونکہ روہیلا سرداروں نے ماہ جون ۱۸۵۷ء میں جنرل سر رابرٹ باکر کی موجودگی میں اور اس کی رضامندی سے وزیر کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے انھوں نے وزیر کمرہٹوں کے خلاف مدد کرنے کے معاوضہ میں چالیس لاکھ روپیہ دینے کا عہد کیا تھا۔ اور اب اس معاہدہ کو انھوں نے دغا بازی سے توڑ ڈالا ہے لہذا یہ قرار پاتا ہے کہ کمپنی کی فوج کا ایک بریگیڈ وزیر کے ساتھ شامل ہو کر روہیلاؤں کو سزا دینے میں اس کی امداد کرے گا وزیر اس بریگیڈ کے کل اخراجات ادا کرے گا..... اخراجات دو لاکھ دس ہزار روپیہ ماہوار طے ہوتے ہیں۔ کمپنی کی فوجیں ذریعے لنگا کے پار جائیں گی اور نہ داسن کوہ تک کوچ کریں گی۔ وزیر صرف اُس حصہ روہیل کھنڈ پر اپنا قبضہ کرے گا جو لنگا کے شمال و مشرق میں واقع ہے اس حصہ ملک میں سے خود کمپنی کچھ لینے سے دست بردار ہوتی ہے اس لئے اس حق کو چھوڑنے کے معاوضہ میں وزیر چالیس لاکھ روپیہ بھی دینے کا وعدہ کرتا ہے.....“

شجاع الدولہ نے کوٹہ۔ الہ آباد اور روہیل کھنڈ کے متعلق عہد نامے لکھنے کو تو کھنڈے لیکن آخر الذکر

لے ہیمٹنگز اینڈ دی روہیلا دار۔

۱۵ ضابطہ خاں کے مقبوضات کو کسی دوسرے مناسب موقع کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

۱۶ رپورٹ پنجم فیبرہ ۳۵۔ انتخابات فارسٹ جلد اول صفحہ ۱۵۔

معادہ کے مکمل کے بعد اب ان کی آنکھوں پر سے غفلت کے کچھ کچھ پردے بھی اٹھنا شروع ہوئے اور انھوں نے جب اپنے دل میں یہ حساب لگا یا کہ انھیں انگریزوں کو کس قدر روپیہ دینا ہے اور آیا وہ اس قدر روپیہ دے بھی سکتے ہیں یا نہیں تو ان پر اپنی مندوری کی حقیقت منکشف ہو گئی اور خیال کیا کہ انگریزی قرضہ کا ناقابل برداشت بار بڑھا کر روپیل کھنڈ فتح بھی ہوا تو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ شجاع الدولہ نے اپنے تخلیف دہ خیالات کا وارن ہسٹنگز سے بھی ذکر کیا چنانچہ اس گفتگو کو وارن ہسٹنگز نے بالتفصیل اپنی ڈائری میں قلمبند کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہو کہ:

”شجاع الدولہ نے روپیلوں پر اپنے چالیس لاکھ روپیہ کے مطالبہ کو معاف کر دینے کی بابت مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے صلاح دی کہ جس قدر ممکن ہو وصول کرنا چاہئے اور ایک روپیہ بھی چھوڑنا چاہئے دایمگی کے سلسلے میں ان سے جو کیڑوں کی لگی دی آئندہ ان کے خلاف کارروائیاں کرنے میں ایک معقول وجہ کا کام دے گی۔“

وارن ہسٹنگز کے جواب سے شجاع الدولہ لاجواب ہو گئے اب ان کے لئے روپیلوں سے جنگ کرنا فعل ناگزیر تھا صرف کچھ ٹھہرت حاصل کرنے میں ضرورت کامیاب ہوئے جو انھیں دے دی گئی اور وارن ہسٹنگز شروع اکتوبر ۱۷۸۱ء میں شجاع الدولہ سے بیس لاکھ روپیہ نقد اور پینسٹھ لاکھ کا وعدہ لے کر کلکتہ کو واپس ہو گیا۔

اباؤ پر شجاع الدولہ کا قبضہ جس زمانہ میں ہسٹنگز اور شجاع الدولہ روپیلوں کے خلاف بنارس میں سازش کر رہے تھے۔ حافظ الملک بھی اپنی حکومت کے استحکام و ترقی سے غافل نہ تھے اور انھوں نے روپیل کھنڈ کے اندرونی انتظامات کی درستی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارادہ کیا کہ اٹا وہ پرد و بارہ قبضہ کر لیں تاکہ ملک کی وسعت سے آمدنی میں اضافہ ہو اس ارادے کی تکمیل کے لئے اس وقت موقع بہت مناسب تھا کیونکہ نرائن راؤ پیشوا کے قتل کے باعث

مرہٹہ سردار جو بنی ہند میں آپس میں مصروف قتال و جدال تھے اور انہوں نے شمالی ہند سے اپنی تمام فوجیں وہاں بلالی تھیں۔ اٹا وہ میں بھی نہایت قلیل مرہٹہ فوج رہ گئی تھی اور اس طرح میدان خالی دیکھ کر حافظ الملک غفریب وہاں پہنچنے والے تھے کہ کسی طرح ان کے اس قصد کی شجاع الدولہ کو خبر مل گئی جس سے وہ حد درجہ چراغ پا ہوئے۔ بنارس کا نفرین ختم ہو چکی تھی۔ ہیڈ کوارٹر کلکتہ پہنچ گیا تھا اس لئے شجاع الدولہ نے فوراً اپنے دوست ہیڈ کوارٹر کو ایک خط لکھا جس میں مرقوم تھا کہ:-

”حافظ رحمت خاں اور دوسرے روہیلہ سردار اٹا وہ اور اس سے متعلق مرہٹوں کے دوسرے مقبوضات پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ لہذا میں آپ کو مطلع کرنا ہوں کہ اگر ان کا ایسا ارادہ ہے تو میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا بلکہ ان کے خلاف بلاشبہ ایک ہم لے جاؤں گا کیونکہ اول تو انہوں نے حسب معاہدہ پلاس لاکھ روپیہ میں سے اب تک ایک درم نہیں دیا ہے۔ دوسرے وہ ایک اور ملک لینا چاہتے ہیں اس بات کو میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا اور میں نے انہیں مزادینے کا پختہ تہیہ کر لیا ہے.....“

اس اطلاع کی بنا پر ہیڈ کوارٹر نے ایک انگریز انسپر کی ماتحتی میں چند بھاری توپیں لکھنؤ روانہ کر دیں جن کو لے کر شجاع الدولہ حافظ الملک کے روانہ ہونے سے قبل ہی اٹا وہ پر حملہ آور ہو گئے۔ اور مرہٹہ فوج سے معمولی سی لڑائی کے بعد اٹا وہ اور دو آہ کے دوسرے اضلاع پر قبضہ کر لیا۔

منظر جنگ - ضابطہ خاں اور شاہ عالم بادشاہ کی بیوفائی کی اور حافظ الملک کے قدیمی وجہاں نثار دوست نواب احمد خاں فتح اٹا وہ سے فارغ ہو کر شجاع الدولہ نے اور بھی پیش قدمی

بگلش مرحوم کے دار الحکومت فرخ آباد میں داخل ہوئے۔ یہاں آج کل احمد خاں کا وہی بڑا لڑکا مظفر جنگ حکمران تھا جس کی رسمِ سند نشینی حافظ الملک نے اپنے ہاتھ سے ادا کی تھی یہ مظفر جنگ کیا باعتبار تہرور و مر دانگی اور کیا باعتبار شرافتِ نفس اپنے والد مرحوم کی بالکل ضد تھا۔ نہایت بزدل۔ بے مروت اور کمزور طبیعت واقع ہوا تھا۔ شجاع الدولہ کے فرخ آباد میں داخل ہوتے ہی خوفِ زدہ ہو کر اس نے نہ صرف یہ کہ حافظ الملک کے ساتھ عدمِ شراکت کا عہد و پیمان کر لیا بلکہ ساڑھے چار لاکھ روپیہ سالانہ خرارج اور شجاع الدولہ کے اثر سے اُس کا مذہب بھی اختیار کر لیا۔ مظفر جنگ کو اپنا باج گزار بنا کر شجاع الدولہ نے ضابطہ خاں کی طرف توجہ کی جو مرہٹوں کے دکن چلے جانے کے بعد حافظ الملک سے از سر نو موافقت پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ضابطہ خاں کی نئے وفائی اور دغا بازی کے واقعات اس سے پہلے بھی مذکور ہو چکے ہیں لہذا اس نے اس موقع پر اس واقعہ کو قطعاً فراموش کر کے کہ حافظ الملک پر چالیس لاکھ روپیہ کا مطالبہ صرف اُس کی وجہ سے تھا اور محض اُسی کے ضامن بننے کے باعث شجاع الدولہ ان کے ملک کو غصب کرنے اور خود ان کو ذبح کرنے کی نیاریاں کر رہا تھا۔ مدیم النال۔ ناصی شناسی اور بے غیرتی کو کام میں لاکر یونیاں اپنے سب سے بڑے محسن حافظ الملک کے خلاف شجاع الدولہ کا ضربیک کار ہو گیا۔

روہیل کھنڈ پر آئندہ حملہ میں ضابطہ خاں سے امداد کا وعدہ لے کر شجاع الدولہ نے ضروری خیال کیا کہ اس بار سے میں شاہِ عالم بادشاہ کی بھی رضامندی حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے وزیرِ اعظمِ محنت خاں سے خط و کتابت شروع کی اور بادشاہ کے حصولِ خوشنودی کے لئے جاٹوں کے مقابلہ میں اگرہ کی تسخیر میں بھی مدد دی اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے فتحِ روہیل کھنڈ کی اجازت عطا کر دی اور شجاع الدولہ نے یہ جھوٹا وعدہ بھی کر لیا کہ۔

”فابصوں کے ہاتھ سے بحال کر نصف روہیل کھنڈ بادشاہ کی ملکیت میں دے جا

جائے گا“

انگریز۔ منظرِ جنگ۔ مضابطہ خاں اور شاہ عالم بادشاہ جب سب کے سب روہیلوں کے خون کے پیاسے ہو گئے تو شمالی ہند میں اب کوئی طاقت اور کوئی حکمران ایسا نہ رہا جو حافظ الملک کا شریک ہوتا۔ خود روہیل کھنڈ کا میدان بھی اس وقت جواں مردوں اور صفِ لشکروں سے خالی تھا۔ عنایت خاں دو ندے خاں۔ شیخ کبیر بخشی سردار خاں۔ فتح خاں غاں ماں۔

سید احمد شاہ۔ عبدالستار خاں۔ بڈو خاں۔ ملا محسن خاں اور پریمول خاں بڑے بڑے طاقتور اور شجاع رسالدار یکے بعد دیگرے داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔ لیکن بے یار و مددگار ہونے کے باوجود اس بے سروسامانی کے ہوتے ہوئے مصیبت زدہ۔ زخم خوردہ اور بوڑھے روہیلہ سردار حافظ الملک کے ابھی تک وہ دم خم تھے اور اس کی ہجرات اور نئے جگری کی شجاع الدولہ کے دل پر ایسی دھاک ٹپھی ہوئی تھی کہ ہنوز وہ اپنے آپ کو اس کا بدرِ مقابل نہ سمجھتے تھے۔ چالاک کی۔ عیاری اور مکاری میں شجاع الدولہ حافظ الملک سے بڑے چڑھے ہوں تو ہوں لیکن میدانِ جنگ کی مردانگی و جاں بازی کا جہاں تک تعلق تھا وہ خوب جانتے تھے اب سے نہیں بلکہ اپنے والدِ صفر جنگ کے وقت سے ایک دو لڑائیوں میں نہیں بیسیوں محروں میں نہ صرف سن سننا کر بلکہ شریکِ جنگ ہو کر اپنی آنکھ سے اچھی طرح مشاہدہ کر چکے تھے کہ حافظ الملک کس جذبے۔ کس دلِ گردے اور کس لیاقت کے سردار ہیں۔

ایک شیر پر حملہ کرنا اور وہ بھی اس کی کچھاریں کوئی آسان اور سہل کام نہ تھا۔ اس لئے شجاع الدولہ نے شمالی ہند کے تمام بڑے بڑے حکمرانوں کو اپنا شریک بنالینے کے بعد حافظ الملک کو کمزور کرنے کی غرض سے اب اُس حربہ سے کام لینے کا عزم کر لیا جس کا دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت نہ اب تک مقابلہ کر سکی ہے اور نہ آئندہ کر سکے۔ یہ حربہ اندرونی فساداری تھی۔

اسی اندرونی فساداری کی بدولت شاہانِ دہلی تباہی کا شکار ہو چکے تھے۔ سرِج الدولہ اور میر قاسم خاں کے گھاٹ اُتر چکے تھے۔ حافظ الملک اور ٹیپو سلطان کی بربادی کی باری تھی اور خود الیان اودھ کے سروں پر اُسی کی بدولت قضا کھیل رہی تھی۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا

کہ جب اس زمانے کے تمام ہندوستانی حکمران عہدیت کے ساتھ اس حربہ کا شکار بن رہے تھے تو شجاع الدولہ کیسے شکاری بن گئے لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ آئندہ چکر اُن کی یہ مثل ہونے والی تھی ”شکار کرنے کو آئے شکار رہو کے چلے“ یعنی جنہوں نے ان کو اس فن کی تعلیم دی تھی اور جن کے مشورہ کے بغیر وہ تنکا بھی نہ توڑتے تھے وہی اُستاد جو روہیل کھنڈ کے زیرِ نگرانگ کو فتح کرنے کی صلاح و مشورہ دے رہے تھے کل جب اس فتح کے پہل کھانے کا وقت آئے گا تو ان کی اولاد کے حلق سے اس سونے کے نوالے کو نکال لیں گے۔

سردار روہیل کھنڈ کی فہداری حافظ الملک کے خلاف بغاوت پھیلانے کے لئے اس وقت روہیل کھنڈ کے طول و عرض میں شجاع الدولہ کے سیکڑوں ایجنٹ کام کر رہے تھے جن کے اغوا سے بکثرت چھوٹے بڑے حریف و طاع قلوب میں حرص و طمع جاگزن ہو گئی، خواہی نخواہی غولیش و بیگانے سرتابی پر آمادہ ہو گئے۔ اور حافظ الملک جیسے حلیم و سلیم آقا سے کفرانِ نعمت کر کے ان کے ملک و دولت کو تباہ کرنے اور روہیل کھنڈ پر شجاع الدولہ کی حکومت کا سکہ جانے کے مدد و معاون بن گئے اپنی اپنی ذاتی اغراض کو پورا کرنے کے لئے بعض پوشیدہ طور پر اور بعض علی الاعلان شجاع الدولہ کے ساتھ عہد و پیمان کر بیٹھے۔ چنانچہ محب اللہ خاں اور فتح اللہ خاں نے اپنے اپنے مطالب قرآن شریف پر لکھ کر ہر ثبت کرنے کی غرض سے شجاع الدولہ کے پاس بھیج دیئے۔ شجاع الدولہ نے بغیر کسی حیلہ و حجت کے ان کے تمام مقاصد کو منظور کر لیا اور قرآن شریف پر اپنی ہر ثبت کر کے ان کے پاس بھیج دیا۔ بلکہ یہ بھی لکھ دیا کہ روہیل کھنڈ پر قبضہ کرنے کے بعد تمہاری درخواست سے زیادہ تمہارے ساتھ سلوک کیا جائیگا۔ اسی طرح احمد خاں پسر بخشی سردار خاں نے حافظ الملک کے ساتھ عدم مشارکت کا معاہدہ اپنے مطالبات

۱۵ شجاع الدولہ کے دوست ہبہ سنگھ کے حکم سے مسٹر ڈنن اودھ کا ریڈیٹ مقرر کر کے بھیج دیا گیا تھا جو ہر وقت شجاع الدولہ کے ساتھ رہتا تھا اور ان کو ملک گیری کی چالیں بتاتا رہتا تھا۔

کی بابت شجاع الدولہ سے کر لیا۔ ایک معتد رسالہ ہفتشم خاں جو ذاتی تنخواہ رسالہ کی تنخواہ اور دیہات کے علاوہ ہندوہ سورویہ کا دریاہہ پاتا تھا بے وجہ حافظہ الملک کے خلاف سازش کر کے اور پچاس ہزار روپیہ کی ہینڈی لے کر شجاع الدولہ کے پاس چلا گیا۔ عبدالمد خاں حاکم شاہجہان پور نے بھی اپنے داماد ارادت خاں ابن حافظہ الملک کی حفاظت جان و مال و ناموس کا تحریری عہدے لے کر شجاع الدولہ سے اپنا رشتہ اتھا و مستحکم کر لیا۔ اپنے سرداروں کی ان سازشوں کے حالات حافظہ الملک برابری سنتے تھے اور تعجب کرتے تھے لیکن کبھی کسی سے اعتراض و استفسار نہ کیا۔ اور فرماتے تھے کہ۔

”ان نادانوں کو عنقریب اسی شخص کے ہاتھ سے جس سے یہودی کی امید رکھتے ہیں اپنی بد اندیشی کا نتیجہ مل جائے گا“

حافظہ الملک کی مصالحت کوشی لیکن جب پانی بالکل ستر اوجھا ہونے لگا اور شجاع الدولہ کی ریشہ دو انیاں حد سے گزر گئیں تو حافظہ الملک نے جنگ واقع ہونے سے قبل یہ مناسب خیال کیا کہ اول مصالحت کی تمام کوششیں ختم کر لیں۔ چنانچہ اس بارے میں شجاع الدولہ سے براہ راست رجوع کرنے سے پہلے انھوں نے دارن ہیڈنگز کو ایک خط لکھا جس میں ضروری الفاظ و آداب اور ایک ذاتی ملاقات کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے تحریر تھا کہ۔

”ہمارے اور انگریز سرداروں کے درمیان روابط دوستی و محبت اور آپس کا گہرا راز و رسم جو عرصہ سے قائم ہے اس سے آپ نے غبر نہ ہونگے۔ آپ کی ناموری کا شہر و مسکن کر میری خواہش ہے کہ مجھ میں اور آپ میں مکمل اتحاد و اتفاق قائم و مستحکم ہو جائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ خود آپ کی طبیعت کا رجحان بھی یہی ہوگا۔ انھیں وجوہ سے نیز اس خیال سے کہ ہمارے درمیان کوئی نا اتفاقی یا اختلاف نہیں ہے میں مندرجہ ذیل

حالات سے آپ کو باخبر کرنا چاہتا ہوں تاکہ گفتگو کے وقت یہ امور آپ کے پیش نظر رہیں۔

سال گزشتہ جب بادشاہ مرہٹہ سرداروں اور نواب ضابطہ خاں کے درمیان اختلاف ہوا اور نواب موصوف کے معاملات دگرگوں ہونے کی وجہ سے بادشاہ اور مرہٹوں نے ہمارے مقبوضات میں داخل ہونے کے قصد سے گنگا کو عبور کیا۔ تو روہیلہ سردار اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے جنگوں میں چلے گئے اس وقت وزیر الممالک اور جنرل بارکر نے شاہ آباد میں پہنچ کر کیپٹن ہارپر کو مجھے بلانے اور ملاقات کرنے کا پیام دینے کی غرض سے بھیجا۔ اس بارے میں ان کا اصرار حد سے سوا ہوا تو چونکہ ہمارے ان کے مفاد یکساں تھے اس لئے میں گیا اور ان حضرات سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں ہم لوگوں کے درمیان ایک معاہدہ کی تکمیل ہوئی جس کی رو سے میں نے شجاع الدولہ سے بادشاہ اور مرہٹوں کو منگیش کے طور پر مبلغ چالیس لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ اس وعدہ کی بنا پر ان حضرات نے اپنی جانب سے اس امر کی ضمانت کی کہ میری بادشاہ اور مرہٹہ سرداروں سے صلح کرادیں گے یا ایک دور دراز کے بعد شاہ آباد سے کوچ کر کے خود مرہٹوں سے سخت حملہ کریں گے اور ان کے جنگی اقدامات کا خاتمہ کر دیں گے۔

لیکن اس معاہدہ کے باوصف ان لوگوں نے نہ مرہٹوں سے کوئی ایسا معاملہ کیا جس سے ان کے حملوں کا ہمیشہ کے واسطے سد باب ہو جاتا اور نہ ان پر حملہ کیا۔ اور عہد و پیمان کو پورا کئے بغیر فیض آباد کو واپس ہو گئے۔ اس عرصہ میں موسم برسات شروع ہو گیا تھا اس لئے مرہٹے بھی خود بخود گنگا عبور کر گئے اور دو آبیہ میں پڑاؤ ڈال کر میرے خلاف کارروائیاں کرنے کی دھمکیاں دیتے رہے۔ دورِ اہل برسات میں میں برابر نواب وزیر۔ جنرل بارکر اور کیپٹن ہارپر کو توجہ دلاتا رہا کہ میرے قصبہ کو مرہٹوں اور

بادشاہ سے ملے کرا دیں۔ لیکن انھوں نے اس بارے میں نہ کوئی قطعی فیصلہ کیا اور نہ مسمودہ تحفظ کے واسطے کوئی عملی قدم اٹھایا یہاں تک کہ برساتِ ختم ہونے کے قریب ہوئی اور مرہٹے پھر گنگا کے قریب پہنچ کر مجھ سے روپیہ طلب کرنے لگے۔ اس موقع پر میں انہیں بمشکل بلطائف الحیل تھوڑا سا روپیہ دیکر مال سکا۔ بعد ازاں مرہٹے بادشاہ کے حضور میں جا کر وہاں سے کوڑا اور الہ آباد کی سند حاصل کر لائے اور دوبارہ گنگا کے کنارے واپس آ کر دریا کو عبور کرنے کے لئے پل بنانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ساتھ ہی انھوں نے اپنے ایک معتمد کو موعودہ چائیس لاکھ روپیہ کی رقم کی ادائیگی کا مجھ سے مطالبہ کرنے کی غرض سے میرے پاس بھیجا اور کہا کہ یہ رقم ان کے اور بادشاہ کے لئے طے ہوئی تھی۔ علاوہ بریں مرہٹوں نے مجھے بکثرت لالچ دیکر مجھ سے یہ درخواست بھی کی کہ میں انھیں اپنی مقبوضات میں سے گزرنے کی اجازت دے دوں اس صورت میں یہ یقین دلایا کہ رعایا کو لوٹ مار اور قتل و غارت سے محفوظ رکھا جائے گا اور وہ صوبہ اودھ یا کسی اور جانب جہاں مناسب سمجھیں گے کوچ کر جائیں گے۔ نیز یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ اگر ہم ان کو ان کی مطلوبہ اجازت دیدیں تو وہ رقم مذکورہ واکذاشت کر دینگے اس کے علاوہ وہ ان تمام امور کو بھی سرانجام دینے کے لئے تیار تھے جن سے روپلہ سردارِ مظن ہو سکیں۔ میں اس موقع پر نواب وزیر اور جنرل صاحب نے جو کہ قریب آگئے تھے۔ شبیدہ مدن اور محمد کرم خاں کو میرے پاس بھیجا کہ یہ خواہش کی کمی نہیں ہے کوئی عہد و پیمان نہ کروں۔ جس کے بدلے میں وہ مجھے میرا چائیس لاکھ روپیہ کا منسک واپس کر کے میری موجودہ اور آئندہ حفاظت کے لئے ہر ممکن تدبیر کرینگے نواب وزیر اور انگریز صاحبان سے اپنی قدیمی دوستی کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں مرہٹوں کی تمام پیش کردہ مراعات کو مسترد کر کے ان کا شریک ہو گیا۔ میرے اس

طرز عمل کا انتظام لینے کی غرض سے مرہٹوں نے گنگا کو عبور کیا اور مراد آباد اور بنسہل کو لوٹ لیا۔ نواب وزیر اور صاحبان انگریز نے وعدہ کیا تھا کہ دریا پار جا کر دو دن برسات ہی میں مرہٹوں سے لڑیں گے اور اُس وقت تک فیض آباد یا کلکتہ کو ہاں نہیں جائیں گے جب تک کہ مرہٹوں کو بالکل خارج کر کے اپنی اور میری حفاظت کا پورا پورا اطمینان نہ کر لیں گے۔ لیکن انھوں نے ہر کام ادا ہو کر کیا اور عرصہ تک مرہٹوں سے کچھ چال بازیوں کر کے اپنے اپنے مقامات کو واپس ہو گئے اور مجھے مرہٹوں کا شکار بنا کر چھوڑ گئے۔ آپ یقیناً ان تمام کارروائیوں سے باخبر ہوں گے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر آپ کو غور کرنا چاہئے اور انصاف سے کام لینا چاہئے۔ چونکہ ہماری اور آپ کی دوستی دیرینہ ہے اس لئے مجھے بالکل مشتبہ نہیں ہے کہ آپ اس کو ہر زمانہ اور ہر موقع پر قائم رکھنے کے خواہش مند رہیں گے۔

مذکورہ بالا خط کے پہنچے پر گورنر ہیسٹنگز نے نہ تو حافظ الملک کو ملاقات کا موقع دیا اور نہ تحریک مصالحت کو کامیاب بنانے میں کسی قسم کی امداد دی بلکہ روہیل کھنڈ پر فوراً حملہ کرنے کے ارادہ سے ۳۰ فروری ۱۷۸۱ء کو شجاع الدولہ نے جب اسے مطلع کیا تو حق و ناحق میں کسی قسم کا امتیاز کئے بغیر محض چالیس لاکھ کی رقم کی بدولت انگریزی فوج بسر کر دی کرنل چیمپین اودھ کو روانہ کر دی ہیسٹنگز کی جانب سے یاوسی ہو جانے اور ۱۲-۱۳ اپریل ۱۷۸۱ء کو کرنل چیمپین کا بریگیڈ سرحد اودھ پر پہنچ جانے کی حافظ الملک کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ اطلاع ملی تو انھوں نے ایک خط کرنل چیمپین کو بھی لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ۔

”دو سال گزشتہ جب مرہٹے ساحل گنگا تک بڑھ آئے تھے اور نواب وزیر جنرل بارک اور آپ یہاں تشریف لائے تھے تو میں نے نواب وزیر سے اپنے دیرینہ تعلقات

کالفاظ کر کے جیسا کہ آپ کو علم ہے بیان دوستی کر لیا تھا اور مرہٹوں کے ساتھ اتحاد
 عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے ملکہ ہلکا ایک مرہٹہ سردار گنگا پار کر کے
 اس ملک میں داخل ہو گیا۔ نواب وزیر کی فوج کو میری امداد کرنی چاہئے تھی لیکن
 ایسا نہ ہوا اور میں نے تنہا ہر ممکن سرعت کے ساتھ دشمن سے جنگ کی اور اسے ذلت
 و ہشیمانی دیکر دریائی دوسری جانب بھگا دیا۔ اس کے بعد نواب وزیر اور جنرل
 صاحب نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ اور ملاقات ہونے پر جب انھوں نے مرہٹوں
 سے گنگا کے اس پار جنگ کرنے کی اپنی تجویز سے مجھ کو مطلع کیا تو بھی میں ان کا ساتھ
 دینے پر آمادہ ہو گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ امور محبت و وفاداری میں میری جانب
 سے کبھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے جس کا آپ کو بھی احساس ہو گا۔ مٹاہ آباد
 میں نواب وزیر سے ملاقات کے وقت جبکہ دوستانہ سمجھوتہ ہوا تو جنرل صاحب
 نے یہ کہا تھا کہ اس سمجھوتہ کی ہم دونوں پابندی کریں گے، چنانچہ اس عرصہ میں میری
 جانب سے شرائط دوستی کے خلاف کچھ عمل میں نہیں آیا ہے لیکن پھر بھی نواب
 وزیر نے مجھے وجہ دشمنی کو اپنے ذہن نشین کر لیا ہے۔ آپ کہ جنرل صاحب کی جگہ
 تشریف لا رہے ہیں اس لئے میں انتہائی مسرت کے ساتھ یہ تحریر لکھ رہا ہوں۔ امید
 ہے کہ آپ حسب دلخواہ انبساط انگیز خطوط سے مجھے سرفراز فرمائیں گے۔

کرنل جیمس ایک نہایت شریف۔ رحمدل اور منصف مزاج شخص تھا اور اس کو روہیلوں اور
 ان کے سردار حافظ الملک سے بہت ہمدردی تھی۔ مگر اس موقع پر وہ کسی قسم کی مدد کرنے سے
 بالکل قاصر تھا۔ کیونکہ اس کے اختیار ابست محدود تھے اور صرف فوجی معاملات اس سے
 متعلق تھے سیاسی گفت و شنید کے لئے دہلی شنگرنے ریزیدنٹ ٹرلٹن کو زیادہ قابل اعتبار

سمجھا تھا، تاہم کرنل جیمین نے مقبولیت کو کام میں لا کر ۱۳- اپریل کو حافظ الملک کے خط کا جواب دیا اور دوستانہ مشورہ دیا کہ آپ اس موقع پر جس طرح بھی ہوشیاری کے ساتھ مطالبات پورے کرو دیجئے۔ حافظ الملک نے طوعاً و کرہاً اس مشورہ کو قبول کر لیا اور کرنل جیمین سے شجاع الدولہ کے صاف و صریح الفاظ میں موجودہ مطالبات معلوم کرنے کی درخواست کی۔ ۱۹- اپریل ۱۹۶۲ء کو کرنل مذکور کا مندرجہ ذیل خط موصول ہوا کہ:-

”گزشتہ تین سال کے عرصہ میں روپیہ قوم کی اعانت و امداد کرنے کی وجہ سے ذاب وزیر کے دو کروڑ روپیہ صرف ہو گئے ہیں۔ ان کے یہ اخراجات آپ کے علم میں ہونگے اس لئے میں آپ کو ان کی دو کروڑ روپیہ کی موجودہ خواہش سے مطلع کرتا ہوں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو صاف صاف لکھئے کہ آیا آپ یہ رقم ادا کر سکتے ہیں..... اگر آج آپ کا جواب نہ ملا تو کل میں فوج لے کر آپ کی طرف روانہ ہو جاؤں گا“

چالیس لاکھ سے دو کروڑ روپیہ کا نامعقول اور غیر منصفانہ مطالبہ معلوم کرنے کے بعد حافظ الملک کو یقین ہو گیا کہ اب مصالحت کو شش بیکار ہے اور چونکہ اس وقت تک انگریزوں اور شجاع الدولہ کی فوجیں بھی حدود روہیل کھنڈ میں داخل ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ اس لئے جنگ کی تیاری شروع کر دی لیکن ساتھ ہی انہوں نے اس خیال سے کہ شاید کسی موقع پر تنگ والے چالیس لاکھ روپیہ ہی پر معاملہ کی گفت و شنید عود کر آئے کرنل جیمین سے سلسلہ خط و کتابت منقطع نہ کیا۔ اور ایک خط میں لکھا کہ کل سہ پہر کو روہیلہ سرداروں کا آپس میں مشورہ ہو گا اس کے بعد آپ کو قطعی جواب دے دیا جائے گا۔

دوسرے روز حافظ الملک نے روہیل کھنڈ کے تمام چھوٹے بڑے امارات اور سرداروں کو قلعہ بریلی میں مشورہ کے لئے طلب کیا۔ وقت مقررہ پر جب نفع اللہ خاں وغیرہ پسرانِ دوکند خاں

اور فیض اللہ خاں ابن نواب علی محمد خاں اور دیگر روسائے افغانہ جمع ہو گئے تو حافظ الملک نے ایک تقریر کی اور فرمایا کہ۔

”شجاع الدولہ اپنے سامان جنگ۔ قواعد داں فوج اور انگریزوں کی اعانت کے بھروسے پر ہمارا ملک چھیننے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس وقت ہم لوگوں کی اس کے مقابلہ میں عمدہ برائی مشکل ہے۔ پس مناسب یہی ہے کہ روپیہ ادا کر دیا جائے۔ ورنہ انگریزی توپ خانہ کے سامنے سب آب و خاک میں بجائے گی۔ تمہارے اور تمہارے اہل خاندان کے سینوں سے دھویں کے بادل اٹھیں گے اور تم میدان جنگ سے فرار ہونے پر مجبور ہو گے۔ آبروئے مردی جاتی رہے گی۔“

حافظ الملک کی اس تقریر کا بہ استثنائے معمول چند حاضرین دربار و پہلے سرداروں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ کیونکہ اس وقت تک قریب قریب تمام لوگ اپنی اپنی غیرت و حیثیت کو بالائے طاق رکھ کر شجاع الدولہ سے سازش کر چکے تھے اور حافظ الملک کے درپے تحریب تھے۔ ان محسن کشوں نے اپنے اپنے حصہ کے اُس روپیہ کے دینے سے بھی انکار کر دیا جس کے حافظ الملک ان کی جانب سے ضامن بنے تھے۔ اور تنگ وستی کا غدر رنگ پیش کر کے فائنشی غرور و شجاعت کا اظہار کر کے لڑائی کی ترغیب دینے لگے۔ حافظ الملک ان لوگوں کے طرز علی سے سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور اپنے دلیلیں سمجھ گئے کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ موت سے روگردانی ناممکن ہے۔ راضی بہ رضائے الٰہی ہو کر جام شہادت نوش کرنے کے لئے جس کی ہمیشہ سے انھیں تمنا و آرزو تھی تیار ہو گئے۔ اور بریلی سے بہ ارادہ جنگ دشمن کے مقابلہ میں کوچ کرنے کا اعلان فرما دیا۔

دیوان پہاڑ سنگد کی ہمدردی [حافظ الملک کا یہ اعلان سن کر روہیل کھنڈ کے دیوان راؤ پہاڑ سنگد سے زیادہ ضبط نہ ہو سکا اجداد پر وفاداری میں بہوت ہو کر اس نے انتہائی اخلاقی جرأت کے ساتھ

سر مجلس عرض کیا کہ

”اہل کھیر کی ناہمواری حضور پر روشن ہے اور بغیر سردار ان سپاہ سپاہ کا لڑنا امر دشوار۔ صلاح دولت یہ معلوم ہوتی ہے کہ کرنل چیمپین کے حسبِ خواہش صلح پر رضا مندی کی جائے اور بندہ کو حکم فرمایا جائے کہ زبردست معاملہ جہاں کہیں سے ہو سکے بہم پہنچا کر جنرل صاحب کے پاس روانہ کر دوں۔“

حافظ الملک جوابی ابھی اپنے سرداروں۔ رشتہ داروں اور خانہ پروردوں کی کونجی و بیوفائی کا اپنے قلب پر گہرا زخم کھا چکے تھے اور اس دنیائے دلوں سے دل برداشتہ ہو کر اپنی شہادت کے خواہاں ہو گئے تھے فرمانے لگے کہ۔

”اگر میرے پاس کافی روپیہ ہوتا تو میں بھیج دیتا۔ اور لوگوں سے اب روپیہ طلب کرنا۔ زبردستی وصول کرنا یا شجاع الدولہ سے اس معاملہ میں غوث مار کر نا اپنے شایان شان نہیں سمجھتا۔ شاید خدا اسی تھنہ کو میری شہادت کا سبب بنا دے جس کی میرے دل میں آرزو ہے۔ اپنے ملک کی حفاظت میں ایسی عزت کی موت مجھے پھر کب میسر آئے گی۔“

دیوان صاحب نے مکر عرض کیا کہ۔

”اتنے روپیہ کے سر انجام کے واسطے نہ دوسرے لوگوں سے طلب کرنے کی ضرورت ہو اور نہ شجاع الدولہ کی غوث مار کی حاجت۔ میں رائے بزنچہ سے طلب کر کے حضور میں پیش کئے دیتا ہوں۔ اس کے بعد ساہوکاروں سے قرض لے کر حسبِ وعدہ ادا کر دوں گا۔“

حافظ الملک نے دیوان پہاڑ سنگھ کے اس موضوع سے خوش ہونے کے بجائے ناراضی کا اظہار کیا

جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ وہ اپنے رفتار اور سرداروں کی نئے وفائی سے اس قدر دل تنگ ہو گئے تھے کہ اب اُن کو سوائے شہادت کے اور کوئی چارہ کار نظر نہ آتا تھا آپ نے دیوان پہاڑ سنگہ سے ارشاد فرمایا کہ -

”اگر شجاع الدولہ کی زر معاملہ کے متعلق مہری رسید منگو لینا تمہارے لئے ممکن ہے تو میرے بغائے دوام کا نوشتہ بھی خدا کے یہاں سے منگوادو کہ اس پر مطمئن ہو کر طالبِ شہادت نہ بنوں۔“

یہ جواب سُن کر دیوان پہاڑ سنگہ نے سکوت اختیار کیا۔ اور مزید اصرار کی جرأت نہ کی۔ حاضرینِ مجلس میں سے دو ایک اور مخلصین مثل مستقیم خاں وغیرہ نے دیوان پہاڑ سنگہ کی تائید میں لب کشائی کرنی چاہی تو وہ بھی حافظ الملک کے جوابات عتاب آمیز و حسرت خیز سنکر مجبوراً خاموش ہو گئے۔ اس قدر کارروائی کے بعد حافظ الملک تن بہ تقدیر لڑنے مرنے پر کمر بستہ ہو گئے اور اپنے سرداروں سے مخاطب ہو کر فرماتے گئے کہ

”جس کو میری ہر اہی منظور ہو میرے ساتھ رہے اور جس کو منظور نہ ہو اختیار ہے کہ ساتھ چھوڑ کر چلا جائے۔ جھکو اعدا کی کثرت اور احباب کی قلت کا کوئی اندیشہ نہیں ہے اگر ایک شخص بھی میرے ہمراہ نہ ہو گا تو بھی میں شجاع الدولہ کے مقابلہ سے مُنہ نہ پھیر دوں گا۔“

ساتھ ہی حافظ الملک نے ایک اہم تاریخی خط شجاع الدولہ کو تحریر فرمایا جو فصاحت و بلاغت میں نئے نظیر اور فنِ انشا پر دازی کا اعلیٰ ترین نمونہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس مکتوب گرامی کا اصل فارسی متن حسب ذیل ہے -

”نواب صاحبِ مشفقِ مہربانِ قدرِ دوانِ مخلصانِ سلمہ اللہ تعالیٰ -
اگر صلاحِ دولت کیشاں پہ صلیح ہر نگ است - بارک اللہ -

دگر بستیز و جنگ است بسم اللہ -

جواں مرداں نناہند از کسے روئے
ہیں میداں ہیں چوگاں ہی گوئے

(۳۳)

حافظ الملک کی میدان جنگ کو روانگی اور روہیل کھنڈ کے غریب لوگوں کی وفاداری

شجاع الدولہ پرانام محبت کے بعد حافظ الملک اپنے صاحبزادوں - چند باؤ فاسرواروں اور تھوڑی سی سپاہ کے ہمراہ قلعہ بریلی سے باہر نکلے اور آنولہ کی طرف کوچ کیا۔ آنولہ پہنچ کر سب سے پہلے حافظ الملک نواب علی محمد خاں مرحوم کے مقبرہ میں تشریف لے گئے جہاں کچھ دیر فاتحہ خوانی وغیرہ میں مشغول رہ کر مقبرہ کے بالمقابل ایک میدان وسیع میں برآمد ہوئے یہاں اس وقت تک ہمراہ رکاب فوج کے علاوہ ان کی تشریف آوری کی خبر سن کر اہلیان آنولہ بھی تعداد کثیر میں جمع ہو گئے تھے اس تمام مجمع کے سامنے حافظ الملک نے بہاد کا علم بزمین نہ کیا اور ایک پرائز تقریر کی جس کا یہ اثر ہوا کہ حاضرین پر رقت طاری ہو گئی اور جوش و خروش میں مشغول رہ کر اپنے دلی نعمت کی حفاظت جان و مال اور اپنے وطن عزیز کی آزادی قائم و برقرار رکھنے کے لئے سرفروشی پر آمادہ ہو گئے۔ عوام پر اس جذبہ کا طاری ہونا قدرتی امر تھا۔ کیونکہ عموماً عوام الناس غدار و ملت فروش نہیں ہوتے۔ غداری و ملت فروشی نتیجہ ہوتی ہی آرام کوئی اور جاہ طلبی کا جو اہر اور دولت مند طبقہ کے لئے ہمیشہ سے مخصوص رہی ہے۔ چنانچہ حافظ الملک نے آنولہ میں چند ہی روز قیام کیا تھا کہ مود فرخ آباد اور روہیل کھنڈ کے دوسرے شہروں کے قصبہ قصبہ اور گاؤں گاؤں سے کیا نوکر اور کیا غیر نوکر۔ کیا ٹھکان اور کیا سادات اپنے وطن کی عزت قائم رکھنے کی خاطر ہزاروں کی تعداد میں اپنے ”حافظ بادشاہ“ کے گرد جمع ہو گئے۔ اسی طرح بکثرت راجپوت زمیندار جو حافظ الملک کے زمانے میں آسائش و آرام کے ساتھ بسرِ وقت کرتے تھے بزمِ ملتے جوتے جوت فوج میں شامل ہو گئے۔ اس قسم کے لوگوں کی جمعیت لشکر میں

روز بروز زیادہ ہوتی گئی تو اس وقت خولیش و بیگانہ کے طعن و تشنیع کے خوف سے اربابِ نفاق اور سازشی لوگ بھی اس خیال سے کہ مبادا حافظ الملک کو کامیابی ہو جائے اور پھر ان سے واسطہ پڑے۔ حافظ الملک کی جمعیت میں شامل ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ چنانچہ جب یہ اطلاع ملی کہ شجاع الدولہ نے براہِ مہدی گھاٹ دریائے گنگا کو عبور کر لیا اور شاہ آباد کی طرف سے پہل کھنڈ پر حملہ کر دیا۔ حافظ الملک آؤلہ سے موضع ٹانڈا پہنچ گئے تو وہاں محب اللہ خاں کی عرضی پہنچی کہ آج کل چند در چند جنگا لیف کے سبب سے ہمارے ملازموں کی خواہہ نہیں ملی ہے جس کے باعث تمام اہلِ سپاہ رفاقت سے علیحدہ ہو کر اپنے اپنے گھر وں میں جا بیٹھے ہیں اگر حضور سے کچھ خرچِ مرحمت ہو جائے تو سپاہ کو تقسیم کر کے ہمراہ لے آؤں ورنہ میرے تنہا آنے سے کوئی فائدہ مقرر تب نہوگا۔ اگرچہ حافظ الملک کو یہ بات معلوم تھی کہ تنگ دستی کا عذر محض بہانہ ہے تاہم اپنی علوتی سے پندرہ ہزار روپیہ اس کے پاس روانہ کر دیا۔ دس ہزار روپیہ محمد یار خاں خلف نواب علی محمد خاں کو دیا اور اسی طرح اور بھی جس کسی نے اپنی حاضری میں تھی دستی کا عذر کیا اُسے اپنی مفلوک الحالی کے باوجود کچھ نہ کچھ ضرور عنایت کیا۔ ٹانڈا میں حافظ الملک کی فوج کی تعداد بیس بیس ہزار ہو گئی تو انہوں نے دریائے گنگا کو عبور کیا اور فرید پور میں داخل ہو گئے۔ اور شجاع الدولہ بہ ہمراہی کرنل چیمپین۔ ضابطہ خاں اور مظفر جنگ وغیرہ ایک لاکھ پندرہ ہزار فوج کے ساتھ حدودِ شاہجہاں پور میں داخل ہوئے۔ شاہجہاں پور میں داخلہ کے وقت وہاں کا حاکم عبداللہ خاں حافظ الملک سے عزیز داری اور اُن کے دیرینہ احسانات کو فراموش کر کے تین چار کوس سے مستقبال کو آیا۔ شجاع الدولہ پر شاہجہاں پور کے ٹھکانوں کا جو تیس ہزار مرد جنگی تھے بہت خوف طاری تھا اس لئے انہوں نے عبداللہ خاں کی حدودِ درجہ بلوئی اور خاطر داری کی اور خلعتِ سرفرازی عنایت کر کے اپنے ہمراہ راہِ بری کے لئے لے لیا ایک رات اور ایک دن شاہجہاں پور میں ٹھہر کر شجاع الدولہ تلہ کو روانہ ہوئے۔

شجاع الدولہ کی شاہجہاں پور سے تلہ کو روانگی کی خبر پا کر حافظ الملک بھی فرید پور سے چلے گئے اور دریائے بھگل کو عبور کر کے کٹرہ میراں پور میں وارد ہوئے۔ اس مقام سے شجاع الدولہ

کی لشکر گاہ کاسات آٹھ کوس کا فاصلہ تھا اور دونوں لشکروں کے درمیان نہایت گھنے آموں کے باغ واقع تھے جن کے باعث ہر دو فریق اپنی اپنی جگہ جم کر سامان جنگ کے درست کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اسی حال میں دو تین روز گزارنے کے بعد شجاع الدولہ نے کرنل چیمپین کے مشورہ سے جو نقشہ جنگ تجویز کرنے میں یگانہ عصر تھا۔ پہلی بھیت کی طرف کوچ کا ارادہ کیا اور قریب ہی موضع موسلی میں ایک میدان وسیع و ہموار میں پہلی منزل کی۔ پہلی بھیت کی جانب شجاع الدولہ کے رُخ کرنے کی افواہ منہور ہوئی تو حافظ الملک کو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے جو پہلی بھیت میں تھے اپنی موجودہ جائے قیام کو جو نوپوں کی زد سے بہت محفوظ تھی پھوڑنا پڑا اور موضع موسلی کے میدان ہموار میں ۲۲۔ اپریل ۱۸۵۷ء بروز جمعہ ٹیرے ڈال دئے اور اس طرح سے دشمن کے پہلی بھیت کی طرف بڑھنے کا راستہ سدود کر دیا۔

کلتانِ رحمت۔ گل رحمت۔ تاریخِ سلیمانی اور تاریخِ اخبار حسن وغیرہ میں مذکور ہے کہ اسی روز ایک ارضی درویش حافظ الملک کے خیمہ کے دروازے پر پہنچا اور حاضر خدمت ہونے کی اجازت حاصل کر کے عرض کیا کہ۔

”میرے پروردگار اسی جگہ سکونت رکھتے ہیں انھوں نے مجھ کو آپ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا ہے کہ آپ کو یاد ہو گا کہ ہندوستان کو روانگی کے وقت میں نے علاقہ روہیل کھنڈ کی حکومت کی خوش خبری آپ کو پہنچائی تھی جو کہ عمل میں آگئی۔ اب فتح یا شہادت ان دونوں میں سے آپ ایک امر کو قبول کر لیجئے تاکہ اُس کے واسطے دُعا گاہ حق تعالیٰ میں دعا کی جائے کیونکہ یہ امر نہ تو خدائے تعالیٰ کے حکم سے تھابت مطلق کے طور پر ہے“

حافظ الملک نے درویش سے دریافت فرمایا کہ۔

”اگر میں نفع مانگوں تو اس کے بعد بھی مجھے شہادت نصیب ہوگی یا نہیں؟“

درویش نے جواب دیا۔

”نہیں“

اس پر حافظ الملک نے ہٹوڑے تال کے بعد ارشاد فرمایا کہ۔

”اپنی اولاد کے معاملہ میں جن کو ابھی پست و بلند زمانہ کا تجربہ نہیں ہے غور کرتا تھا لیکن چونکہ حصول شہادت کے مرتبہ کو سب سے مقدم جانتا ہوں اس لئے اپنی اولاد کے معاملہ کو خدا کے سپرد کر کے اب شہادت کا خواہاں ہوں“

فقیر روشن ضمیر نے کہا کہ۔

”اس طرف سے آپ خاطر جمع رکھیں آپ کی اولاد کو ڈیڑھ سال سے زیادہ تکلیف نہ پہنچے گی اور آپ کا دشمن جس روز پہلی بھیت پتھر دے دیوے دیا جائے گا کفار سے جہنم انداز ہوگا اور سنبھل کا درخت اس کے جہنم میں ہوگا اسی روز پیکر اہل اس سے ملاقات کریں گے“

یہ باتیں کر کے درویش رخصت ہو گیا اور حافظ الملک اسی وقت سے اپنی شہادت کی دھن میں پڑ گئے۔ اور سپاہ کے نظم و نسق اور تدارک کی پرواہ چھوڑ دی۔ آج جمعہ کا روز تھا حافظ الملک کے خادم خاص صالح محمد نے غسل اور تبدیل پوشاک کے واسطے عرض کیا تو فرمایا کہ انشاء اللہ کل کو غسل اور تبدیل لباس دونوں ہو جائیں گے۔

صالح محمد نے اپنے آقا کے اس غیر معمولی رنگ طبیعت کا حافظ الملک کے صاحبزادوں سے ذکر کیا تو وہ مع نواب فیض اللہ خاں، مستقیم خاں اور عبدالجبار خاں وغیرہ حاضر خدمت ہوئے لیکن چہرہ اقدس پر غیر معمولی تغیرات مشاہدہ کر کے اور رعب و جلال کے آثار ہو یہ دیکھ کر دریافت حال کی جرات نہ کر سکے اور بہت کچھ پس و پیش کے بعد یہ لوگ صرف اننا عرض کر کے کہ اگر حکم ہو تو مورچے ترتیب دیکر دو چار روز تک جنگ ترقاوی کرتے رہیں تاکہ اس عرصہ میں ہمارے لشکر کی تعداد زیادہ ہو جائے کیونکہ ہمارے پاس روزانہ دو تین ہزار تازہ سوار اور پیادے

طول و عرض رو پہل کھنڈ سے آرہے ہیں۔“ حافظ الملک نے جواب دیا کہ چونکہ فریقِ ثانی کو جنگ میں غلبت منظور ہے۔ تو قہر و درنگ کرنا طریقہٴ نام و ننگ کے خلاف ہو گا فتح و شکست کا معاملہ فوج کی قلت و کثرت پر موقوف نہیں ہے جیسا خدا کو منظور ہو گا ظہور میں آویگا۔ مخلوق خدا کو زیادہ عرصہ تک و رطہ ہلاکت میں ڈالنا مردانگی و دانش مندی سے بعید ہے۔

(۳۴)

کٹرہ میراں پور کی لڑائی - اور حافظ الملک کی شہادت

کٹرہ میراں پور کے باغوں میں سے نکل کر حافظ الملک کے میدان ہموار میں خیمہ افکن ہو جانے پر شجاع الدولہ اور کرنل چیمپین نے جنگ میں زیادہ توقف کرنا خلاف مصلحت سمجھا کیونکہ ہر چار جانب سے بکثرت افغانوں اور راجپوتوں کے روزانہ آنے سے حافظ الملک کی طاقت میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا اور اب ان کی فوج کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ گیارہویں صفر بروز شنبہ ۱۲۸۵ھ مطابق ۲۳ - اپریل ۱۸۶۸ء کو شجاع الدولہ نے علی الصباح طبل جنگ بجوا دیا اور اپنی فوجوں کو آراستہ ہونے کا حکم دے دیا۔ سپیدہ جمع نمودار ہوتے ہوئے تمام لشکر صف بستہ ہو گیا۔ کرنل چیمپین کی انگریزی فوج جس میں توپ خانہ بھی شامل تھا بطور ہراول لشکر سب سے آگے متعین ہوئی۔ بسنت علی خواجہ سرا اور سید علی خاں بھی اٹھارہ ہزار بندوچی تلگوں کے ساتھ اسی فوج میں شریک تھے۔ نو ہزار برق اندازوں اور سات ہزار پیادوں کے ہمراہ محبوب علی اور لطافت علی خاں خواجہ سرا، یمنہ اور میسور پر مقرر ہوئے۔ خود شجاع الدولہ نے سواروں کے ایک بہت بڑے غول کے ساتھ ضابطہ خاں اور مظفر جنگ کی معیت میں لشکر گاہ سے دور فوج ہراول کے عقب میں اپنی جگہ اختیار کی۔ فوج کی ترتیب مکمل ہو گئی تو شجاع الدولہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ حافظ الملک کے لشکر کی طرف بڑھے۔

اس طرف حافظ الملک نے تمام رات شب بیداری اور عبادت و ریاضت میں بسر کی تھی صبح کے وقت شجاع الدولہ کی جنگ کے ارادے سے روانگی کی خبر سنی تو بھی معمولی ورد و وظائف میں مشغول رہے اور اپنی فوج کو کوئی حکم صادر نہیں فرمایا حتیٰ کہ نماز اشراق سے بھی فراغت

حاصل کی اس کے بعد بھٹے سے اٹھ کر پاکی میں سوار ہوئے اور نواب فیض اللہ خاں کے ہنمہ میں آئے اور ان سے فرمایا کہ۔

”میرا وقت آخر قریب آ گیا ہے۔ آپ کو لازم ہے کہ جس وقت تک میں زندہ رہوں اُس وقت تک تو آپ لڑائی سے منہ نہ موڑیں لیکن میرے بعد جنگ کا قصد ہرگز نہ کریں۔ بلکہ اُسی وقت میدان جنگ سے واپس ہو کر میرے اُن فرزندوں کے ساتھ جو آپ کے ہمراہ جانا چاہیں دامن کوہ کی طرف چلے جائیے کیونکہ آپ کے واسطے اُس سے بہتر کوئی دامن نہیں ہے۔ اگر میرے کہنے کے مطابق آپ نے عمل کیا تو انشاء اللہ اس کا نتیجہ اچھا پائیے گا ورنہ اس کے برعکس ہوگا۔“

ان ارشادات کے بعد حافظ الملک نواب فیض اللہ خاں کے پاس سے اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور دس ہزار سواروں کو ہمراہ رکاب لیکر آہستہ آہستہ میدان جنگ کی سمت روانہ ہوئے بغیر کسی خاص ترتیب کے عین ویسا سے بسر کردی نواب فیض اللہ خاں محمد تقی خاں محب اللہ خاں اور احمد خاں وغیرہ غنیم کے مقابلہ میں روانہ ہوا۔ تھوڑا سا میدان طے کیا تھا کہ شجاع الدولہ کا لشکر ہرادل دکھائی دیا اور چند ہی لمحے بعد حافظ الملک کے لشکر میں توپ کے گولوں کی بارش ہونے لگی۔ دشمن کی گولہ باری کے جواب میں اول محمد تقی خاں نے فوراً دو تین ہزار سواروں کو ساتھ لے کر جانب یسار سے انگریزی فوج پر ایک زور شور کا حملہ کیا اور آفاقا میں ہمراہی فوج کی کشتگی اور شنگی کی پرواہ کئے بغیر پہلے توپوں کی حد کو پار کیا پھر بند و قوں کی زد کو گزارا اور وہ اور اس کے ساتھی تدویریں نیام سے نکال کر انگریزی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ و فوراً دلاوی سے اس قدر سخت شمشیر زنی کی کہ دشمن کے چٹھے چھڑا دئے اور دست بدست لڑائی میں کشتوں کے پستے لگا کر مخالف سے چند عدد توپیں چھین لیں۔ تاہم انگریزی فوج جو دیوار کی طرح جی کھڑی تھی

اس ثابت قدمی سے لڑی کہ پٹھانوں کے گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ مستقیم خاں کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا۔ بدن پر عاجز خم تھے پھر بھی تلوار قبضہ میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اُس کی یہ نے جگر کی اور دلاوری دیکھ کر دوسرے بہادروں کو بھی حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور نواب فیض اللہ خاں نے پانچ ہزار پیادہ و سوار کی جمیعت سے جانبِ یمن سے لشکرِ غنیم پر حملہ کر دیا۔ ان کے ہمراہی انتہائی دادرمانگی دے کر فوجِ مقابل سے بھر گئے اور دشمن کو اپنی جگہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اسی اثناء میں حافظ الملک بھی اپنے دس ہزار سواروں کو لے کر ہنگامہ کار زار میں شریک ہو گئے۔ اب سب طرف جنگ ہونے لگی۔ انگریزی فوج نے حافظ الملک کے دستہ فوج پر خاص طور سے نہایت سرگرمی کے ساتھ توپیں سر کرنا شروع کیں۔ جب حافظ الملک کے لشکر پر پی پی گولے گر رہے تھے اور افغان نہایت پامردی کے ساتھ مقابلے میں ڈٹے ہوئے تھے تو احمد خاں غدار نے جنگ کے مشابہ پر آنے سے پہلے ہی ہڑا مچا دیا اور اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے بھاگنا شروع کر دیا اس بھاگڑے خاص حافظ الملک کے لشکر کی لوگ بھی اصل واقعہ کی تحقیق و تفتیش کے بغیر اس کی پیروی کرنے لگے۔ حتیٰ کہ چار پانچ سو سپاہیوں کے علاوہ حافظ الملک کے ہمراہ رکاب کوئی نہ رہا۔ اس صورت حال کے واقع ہونے پر لشکرِ غنیم زیادہ دیر نہ لگیا۔ ایک طرف محمد مستقیم خاں کے لشکر پر دوسری طرف فیض اللہ خاں کے لشکر پر اور قلب لشکر میں حافظ الملک پر اور زور باندھا اور پہلے سے بھی زیادہ گولہ باری شروع کر دی۔ گولہ باری کی نہایت کثرت ہو گئی تو حافظ الملک کے باقی ماندہ سپاہی بھی منتشر ہونے لگے یہاں تک کہ اُن کے فرزندوں اور معدودے چند مخصوص لوگوں کے سوا کوئی ساتھ نہ رہا۔ ایسے نازک وقت میں محمد مستقیم خاں کا ایک فرستادہ ملک طلب کرنے کی غرض سے حضور میں پہنچا۔ حافظ الملک اسی قلیل جماعت کے ساتھ اُس کی کمک پر روانہ ہو گئے۔ کچھ ہی دور گئے تھے کہ معلوم ہوا کہ مستقیم خاں ٹھہرنے کی تاب نہ لا کر اپنی قرار گاہ سے ہٹے ہوئے آیا ہے مجبوراً دوبارہ انگریزی فوج کے مقابلے میں لوٹ آئے اور براہِ راست صرف پچاس آدمیوں سے غنیم پر حملہ کرنے کے لئے اپنے گھوڑے کو ہمیر کیا۔

جب بہت قریب پہنچ گئے تو انگریزی فوج کے سرداروں نے آفتاب گیر کی علامت سے نہیں بچانا اور ان کی طرف توپ کے گولے سر کرنا شروع کئے۔ اس وقت حافظ الملک اپنے ہمراہیوں سے آگے آگے گھوڑے پر سوار جا رہے تھے اور گولے مرکب خاص کے ادھر ادھر گر رہے تھے جب ان کا ایک جلودار گولے سے ہلاک ہو گیا تو اس وقت اپنے ہمراہیوں میں سے ایک شخص کو اذان کہنے کا حکم دیا اور تلوار نیام میں کر کے اور گھوڑے کو روک کر اپنی توجہ اپنے محبوب و حقیقی کی طرف منتقل کر لی۔ دورانِ اذان میں ایک بار اپنی زبان مبارک سے کلمہ ادا کرنے کے بعد دوبارہ ادا کرنا چاہتے تھے کہ توپ کا ایک گولہ حافظ الملک کے سینہ صفا گنجینہ پر پائیں جانب محاذِ قلب میں لگ کر تین چار گز کے فاصلے سے زمین پر جا گرا۔

مولف تنبیحِ الاخبار لکھتا ہے کہ راجہ بلاس رائے سپہ راجہ مان رائے جو اس جگہ موجود تھا کہتا تھا کہ گولہ حافظ صاحب کے پہلو کے برابر سے گزرا تھا جس کا ایک نیلگوں داغ ان کی جلد پر پڑ گیا۔ قبضہ التوارخ میں لکھا ہے کہ یہ عجیب بات ہے جسے سب نے آنکھ سے دیکھا کہ اس وقت حافظ صاحب جامعہ ہندوستانی پر متن قرآن شریف پہنے ہوئے تھے وہ جامعہ قرآن شریف کی برکت سے نہ جلا۔ چھاتی میں ایک سیاہ و ہبہ گولے کی دھماکا ضرور لگ گیا تھا جس کے صدر سے حافظ صاحب گھوڑے سے گر پڑے۔ گلِ رحمت میں یہ واقعہ اس طرح مرقوم ہے کہ گولہ سینہ سے ٹکرا کر زمین پر جا گرا اور ایسی آواز ہوئی گویا کہ وہ گولہ کسی پہاڑ سے ٹکرایا ہے۔ جسم مبارک پر مجرّاس صدرِ قوی کے اور کوئی اثر نہ ہوا۔ سینہ میں نہ کوئی شکاف ہوا نہ کوئی ہڈی ٹوٹی نہ جلد میں سونگلی کا کوئی اثر نمایاں ہوا نہ جسم گھوڑے سے زمین پر گر کر صرف روح جسم کی قید سے آزاد ہو گئی۔ اس وقت صدرِ ناگمانی کی وجہ سے گھوڑے کی باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ گھوڑا باگ ڈھیلی ہونے کے سبب سے لشکرِ عظیم کی طرف دوڑا۔ حافظ الملک باوصف اس کے کہ جانِ جسم میں نہیں رہی تھی اسی گھوڑے پر قائم رہے۔ اور سر سے دستار گرتے ہوئے پا کر اس کو سنبھالنے کے لئے ہاتھ سر پر لے گئے۔ اس حال کو مشاہدہ کر کے جلوداروں نے دوڑ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور

اس شہسوار عرصہ عدم کو دست بدست خانہ زمین سے آثار کر زمین پر لٹا دیا اور منہ میں پانی ڈالا۔
دو ایک مرتبہ لبوں کی جنبش ظاہر ہوئی اور حسبِ تمنا جامِ خوشگوار شہادت نوش کیا۔

اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

حافظ الملک کے صاحبزادے محبت خاں۔ حافظ محمد یار خاں۔ محمد ویدار خاں۔
الہ یار خاں اور عظمت خاں جو اب تک معدوم و بے چند ملازموں کے ہمراہ پروانہ دار اپنے
پدر والا نشان کے گرد جمع تھے جوشِ انتقام میں لاش کے پاس سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور گھوڑوں
پر سوار ہو کر چاہتے تھے کہ انگریزی فوج میں گھس پڑیں کہ ایک مصاحب نے اور فوجِ ہمراہ
لانے کے جیلہ سے ان لوگوں کو میدانِ جنگ سے باہر نکال لیا اور بہت کچھ منت و ماحبت
کر کے انہیں پہلی بھیت کی طرف روانہ کر دیا۔

نواب فیض اللہ خاں اور دوسرے سردار جو اس وقت تک اپنی اپنی مقابل فوج
سے لڑائی میں مشغول تھے حافظ الملک کی شہادت کا حال سُن کر جنگ و جدال سے دست بردار
اور بے ہزار دشواری اپنی اپنی جاگیروں کو روانہ ہو گئے۔ فوجِ غنیم نے مغروین کا
دور تک تعاقب کیا اور شجاع الدولہ نے اپنے سواروں کے ایک دستہ سے روہیلوں کا
کیمپ لٹوا کر روہیلوں کے تمام مال و اسباب کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔

حافظ الملک کا سر بُریہ حافظ الملک کی لاش ابھی تک دوسرے مقتولین کے ساتھ کس پرسی
کے عالم میں فرشِ خاک پر پڑی ہوئی تھی۔ اتفاقاً ایک شخص سلطان خاں نامی کی اس پر نظر پڑی
چونکہ یہ شخص شجاع الدولہ کی ملازمت کرنے سے قبل حافظ الملک کی سرکاریں بھی نوکر رہ چکا تھا
اس لئے اس نے پہچان لیا اور سر مبارک کو جسم سے علیحدہ کر کے بڑی شیخیاں اور ڈیگیں مارتا
ہوا شجاع الدولہ کے پاس لے گیا گویا کہ میدانِ جنگ میں دست بدست لڑنے کے بعد
سر کاٹ کر لایا ہے۔ شجاع الدولہ کو اصل حال پہلے سے معلوم تھا تاہم تعرض نہ کیا۔ سر کو ہاتھ میں لے لیا
اور سلطان خاں کو ایک باہتی۔ دو سالہ اور زر نقدِ عام میں عطا کیا۔ جس وقت حافظ الملک کا

سر شجاع الدولہ کے ہاتھ میں تھا تو اس وقت چہرہ انور گرد آلود تھا اور اس پر خون کی سیاہ دھاریاں کھینچی ہوئی تھیں۔ پھر بھی ایک قسم کی شگفتگی کے آثار نمایاں تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ معرکہ جنگ میں شجاع الدولہ کو نہیں بلکہ حافظ الملک کو کامیابی ہوئی تھی جس کی خوشی میں لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ کھلی ہوئی بڑی بڑی ذرا نی آنکھوں پر نظر پڑی تو ان میں رعب و جلال کی جلیبیاں ترپ رہی تھیں۔ ایک محسنِ محسنِ کش کو دیکھ رہا تھا۔ شجاع الدولہ کے ہاتھ کاٹنے لگے۔ جسم پر روٹنے کھڑے ہو گئے اور دل و دماغ پر خوف و ہراس کے جذبات طاری ہو گئے۔ بے اختیار زبان سے نکلا کہ۔

”و خدا شاہد ہے میں ایسا روز بد آپ کے لئے نہ چاہتا تھا“

میں اسی عالم میں شجاع الدولہ کے سالے سالار جنگ نے حاضر خدمت ہو کر فتح کی مبارکباد پیش کی۔ مبارک باد! ان دو لفظوں میں کیا ہوا تھا کہ پروازِ نیل کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ روحانی شکست پر مادی کامیابی غالب آگئی اور دل کی نرمی سختی سے تبدیل ہو گئی۔ اب جو حافظ الملک کے چہرہ کو دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ۔

”الحمد للہ۔ آج اس قوم کی بے انتہا گتائیوں کا جو میرے باپ اور دوسرے

مسلمانوں کے ساتھ کی تھیں خاطر خواہ بدلہ لے لیا“

سالار جنگ نے چاہا کہ حافظ الملک کی پیشانی کی خاک اپنے رومال سے صاف کر دے تو شجاع الدولہ نے منع کیا اور کہا کہ یہ خاک میری پیشانی کی زینت ہے۔ اس کے بعد براہِ تمطر یعنی حکم دیا کہ یہ سر نواب صابطہ خاں اور نواب مظفر جنگ کے پاس مشناخت کے لئے لے جاؤ اور شاہِ مدرن پر زادے کو بھی دکھاؤ۔

نواب صابطہ خاں نے دیکھ کر کہا کہ۔

”واقعی یہ سرِ حافظ رحمت خاں کلہے دوسرے کا نہیں۔“
اور نواب مظفر جنگ نے یہ کہا کہ۔

”اسی ریش فش پر خباب عالی سے لڑنے کو آمادہ ہوئے تھے۔“

مذکورہ نوابوں نے شجاع الدولہ کی خوشنودی مزاج کی خاطر پانچ پانچ سو روپیہ کا سلطان خاں کو انعام بھی دیا۔

شیر کا سران دونوں روباہ صفت نوابوں کے پاس سے سید شاہ مدن کے پاس لے جایا گیا۔ سید صاحب باجمیت اور اہل دل تھے حافظ الملک کا سر دیکھتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمائے گئے کہ۔

”ہاں یہ اُسی مسلمان کا سر ہے۔“

اور باواز بلند برجستہ یہ شعر پڑھا۔

سپر کشتہ بر نیزہ میزد نفس + کہ معراج مرداں ہیں است و بس
سُشیدہ مدن کی یہ دلیری اور راست گوئی شجاع الدولہ کو سخت ناگوار گذری اس وقت تو بہر حال ضبط کیا۔ لیکن بسولی میں داخل ہونے کے بعد سید موصوف کا تقریباً ایک لاکھ روپیہ کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا اور بے گناہ قید کر کے ان پر اس قدر مظالم ٹوڑے کہ بالآخر ان کا قید خانہ ہی میں انتقال ہو گیا۔ سُشیدہ مدن کی اخلاقی جرأت اور حق پر وہی کا آج تک سرزمین روہیل کھنڈ میں چرچا ہے اور ان سے نسبت دیتے ہوئے یہ شعر زباں زد خاص و عام ہے کہ

بڑھائی شیخ نے واہی اگر چہ سن کی سی + مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی
سُشیدہ مدن کی نیک نامی کے ساتھ ہی ساتھ سلطان خاں مرو و دشمنِ لعین کی طرح بدنام ہی چنانچہ
مندرجہ ذیل قطعہ بہت مشہور ہے۔

۱۷ قصصِ خواہیغ۔ ۱۸ اخبار الصنادید۔ ۱۹ تاریخِ سلیمانی۔

ہر کس کہ درجہاں کند از قوم خود بدی
از دے یزید و بہمہ اوصاف کتر است
داری اگر بدل ہو س انتحال ہیں
سلطان خاں بشمِ حرامی برابر است
۸۰۱ ۸۰۱

حافظ الملک کی
تہمیر و تکفین

فی الجملۃ شجاع الدولہ نے شام ہوتے ہوتے حافظ الملک کی لاش بے سر کو بھی ایک پالکی پیچکر میدان جنگ سے منگوالیا اور سر کو جسم سے سلوا کر غریزاں رسالدار کے ہمراہ راتوں رات بریلی کو روانہ کر دیا۔ صبح ہوتے ہوتے بروہیک شنبہ لاش بریلی پہنچی۔ شجاع الدولہ کی فتح اور حافظ الملک کی شہادت کی خبر اس سے قبل ہی پہنچ چکی تھی۔ شہر پر غنیم کے حملہ کی افواہیں گرم ہو رہی تھیں اور اہل شہر اپنے اپنے اہل و عیال کو لے کر شدید انتشار و بدحواسی کے عالم میں جس کا جدھر کو منہ اٹھ رہا تھا بھاگ رہے تھے۔ حافظ الملک کی لاش پہنچی تو سب لوگ اپنی اپنی پریشانی اور ہر قسم کے خطرات کو فراموش کر کے اپنے محبوب و ہر و غریزہ سردار کو آخری دیدار کرنے کے لئے اور نماز جنازہ میں شرکت کی غرض سے ٹھہر گئے۔

لاش قلعہ میں داخل ہوئی تو مخلوق کا ایک جم غفیر ساتھ تھا۔ سارے شہر میں گھر گھر صعب ماتم بھی ہوئی تھی۔ مرد و زن برناؤ پینالہ کنناں تھے۔ آہ ایک دہ وقت تھا کہ حافظ الملک بڑے بڑے معرکوں سے بافتح و فیروزی نہایت کرو فر اور جاہ و خشم کے ساتھ لوٹا کرتے تھے یا آج وہ وقت ہے کہ ان کی لاش بصد حسرت و یاس ناکام و نامراد شہر میں لائی گئی ہے۔

حافظ الملک کے عہد مبارک میں مخلوق کو جو خوشحالی و فائز عالبالی نصیب تھی وہ آفتاب لب بام نور ہی تھی اور جو شہر ان کے قدمِ مہمنت لزوم کی برکت سے اپنی سرفرازی و بلندی میں نے نظیر تھا چرخ گردوں کی ایک ہی گردش سے تعزیرت میں گرنے والا تھا۔ قریب سہ پہر درمیان ظہر و عصر قاضی و مفتی۔ علماء و مشائخ۔ سادات اور فقرا نے مراسم تہمیر و تکفین ادا کئے اور شہر کے جانبِ غرب بیرون شہر خان مجوڑاں کے باغ میں سپرد خاک کر دیا اور وہ آفتاب عالم تاب سرِ شہ سال اور چند ماہ اپنی تابانی و درخشانی دکھا کر ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

سرپائے گیتی ہمہ عمرت است * پس ویش او حسرت و حیرت است
قبر میں آنارنے کے وقت تک گردن سے خون جاری رہا۔ اس واقعہ کو مجتہدین عصر اور علماء
وقت نے شہادتِ کبریٰ سے تعبیر کیا ہے۔

حافظ الملک کا مقبرہ حافظ الملک کی قبر پر ۱۷۷۷ء میں راؤ پہاڑ سنگھ نے مقبرہ کی تعمیر شروع
کر دی تھی لیکن اصل نے اتنی جلدت نہ دی کہ وہ تکمیل کر سکتے۔ تعمیر سے دس ماہ بعد جب اُن کا
انتقال ہو گیا تو حافظ الملک کے صاحبزادے نواب ذوالفقار خاں نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں
لیا اور ۱۷۷۸ء میں یہ عمارت مکمل ہو گئی۔ ۱۷۸۹ء میں لاڈ مارا کے حکم سے شہر پہاڑ
پہلی بھیت کا ملبہ فروخت کر کے اُس کے روپیہ سے ایک گنبد عالی شان - بھول بھلیاں - مسجد -
بلند و بالا چھانک اور مقبرہ کے گرد تقریباً پانچ ہزار گز کے رقبہ میں پختہ چار دیواری بنائی گئی۔

۱۷۸۴ء میں زوجہ ملک احمد خاں بنت حافظ الملک نے مقبرہ اور عمارات متعلقہ کی مرمت
کرائی اور گنبد پر طلائی ککس چڑھوایا۔ ہنگامہ ۱۷۸۵ء سے کچھ عرصہ قبل مسٹر تھامسن نے بھی مرمت

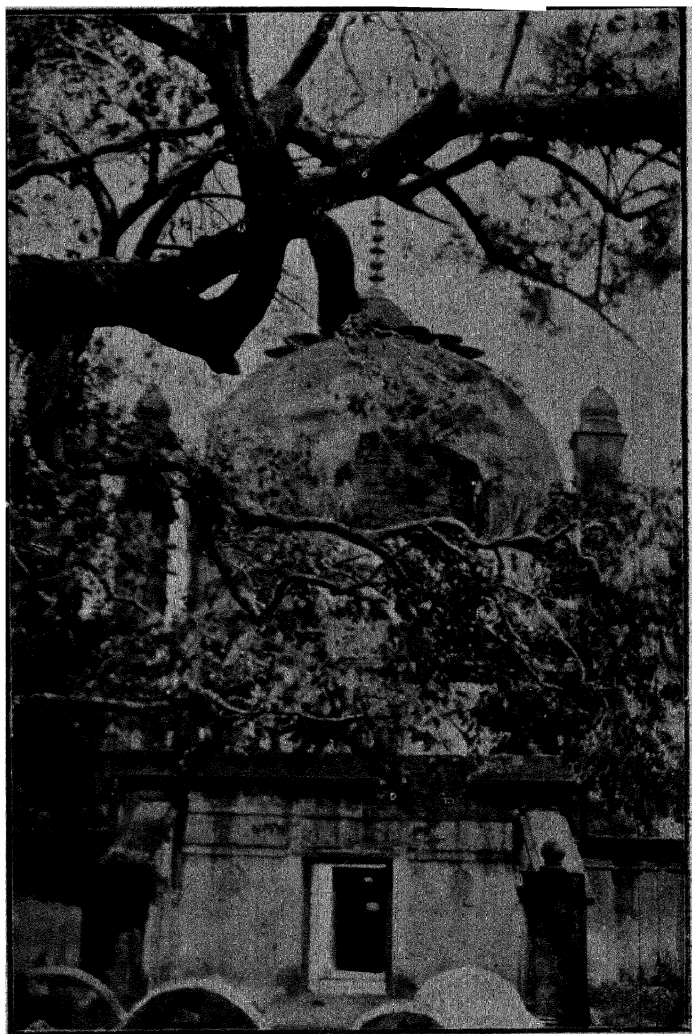
۱۷۸۵ء راؤ پہاڑ سنگھ کی کھتری تھی اور ضلع ہوشیار پور تحصیل گڑھ دیوالا سے بریلی آئے تھے حافظ صاحب نے انھیں ۴۰۰ روپے کا
اضلاع پہلی بھیت - شاہجہاں پور اور بدایوں میں جاگیریں دے تھے۔ تحصیل بیلپور ضلع بدایوں میں موضع پہاڑ گج انہیں کے
نام سے موسوم ہے۔ راؤ پہاڑ سنگھ کے ایک حقیقی بھائی چنپت رائے تھے اُن کو بھی حافظ الملک نے بکثرت دیہات
جاگیریں دے تھے۔ اُن کا دان کیا ہوا ایک نہایت عریض و طویل باغ جو باغ چنپت رائے کا ملاتا ہے جانب غرب
بدون قہر بریلی آر۔ کے۔ آر لائن پر (علاوہ خاندانی اعطاء پھریان) سادھوؤں کی ملکیت میں آج تک موجود ہے۔
راؤ پہاڑ سنگھ کی جو بیوی جو "پہاڑ سنگھ کی گڑھی" کہلاتی ہے محلہ گڑھی بریلی میں سکنتہ حالت میں باقی ہے اور اُس میں
اُن کے خاندان کے ایک قابل احترام فرد کنور پرتاب سنگھ بعض دوسرے متعلقین کے ساتھ رہتے ہیں۔ انقلاباتِ زمانہ
کے ستائے ہوئے رنگ و دست اور پریشان حال ہیں۔ ان کا شجرہ راؤ پہاڑ سنگھ سے اس طرح ملتا ہے۔

کنہ پرتاب سنگھ ابن کنور جو الابر مشاد ابن راؤ بسنت رائے (یہ وہ چودھری بسنت رائے نہیں ہیں جو ۱۷۳۵ء
میں ایک دری والے کے ہاتھ سے مارے گئے) ابن راؤ بھل - ابن راؤ بھے گویال - ابن راؤ پہاڑ سنگھ۔
پرتاب سنگھ جی کے پاس اُن کے بزرگوں کے جمع کئے ہوئے دو صندوق فارسی کے قلمی کاغذات کے محفوظ ہیں۔
بعض بعض کاغذ خن اثا پر دلازی کے بہترین نمونے ہیں۔ (مؤلف)

کرانی تھی لیکن بعد سکون جب انگریزی عملداری پھر قائم ہوئی خاندان حافظ الملک کی تباہی و بربادی کے باعث مقبرہ کو شکست و ریخت سے بچانے کی کوئی مقبول تدبیر نہیں کی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گنبد کے علاوہ مقبرہ کی تمام دوسری عمارتیں قریب قریب منہدم ہو چکی ہیں اور قرب و جوار کے رہنے والے کچھ بے درد لوگ اُن کے اینٹ مسالہ سے اپنے مکانات تعمیر کر رہے ہیں۔

پراونشل مسلم کونجیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ پہلی بھیت میں نواب انور علی خاں صاحب میونسپل کمشنر بریلی اور مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی بدایونی نے خان بہادر حافظ ہدایت حسین صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ ایم۔ یل۔ سی کو اس بارے میں توجہ دلائی تھی اور موصوف کی کوشش سے گورنمنٹ کے حکمہ آثار قدیمہ نے صرف گنبد کو اپنی نگرانی میں لے لیا ہے لیکن گنبد کی حالت بتا رہی ہے کہ حکمہ آثار قدیمہ کی حفاظت میں آجانے کے باوجود بھی وہ بے مرتبی اور کس پرسی کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ کاش حکمہ مذکور کے ذمہ دار افسر اس جانب اپنی توجہ خاص منطقت فرمائیں اور نہ صرف گنبد بلکہ مقبرہ سے متعلق تمام دوسری عمارتوں کی بھی ضروری مرمت کرا کر روہیل کھنڈ کے سب سے بڑے حکمران اور اس سرزمین کے لاکھوں انسانوں کے ہر دغیر و نیمرو حافظ الملک مرحوم کی اس آخری یادگار کو صفحہ ہستی سے فنا ہونے سے بچالیں۔

روہیل کھنڈ کی اس عظیم المرتبت شخصیت کی مادی یادگار کو اچھی حالت میں قائم رکھنے کی ذمہ داری تمام اہالیان روہیل کھنڈ اور دوسرے درجہ پر ساکنان بریلی اور اُن کے بعد خصوصیت کے ساتھ حافظ الملک کے اہل خاندان پر عائد ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ وہ سب ملکر اس طرف توجہ کریں اور مقبرہ کی عمارت اُسی حالت میں نظر آنے لگے جیسی آج سے بہتر تتر سال پیشتر نظر آتی تھی۔ یہ ممکن ہے کہ اُس زمانے کے دیکھنے والے خال خال اب بھی موجود ہوں لیکن آج سے وٹس بیس سال پہلے تو بہت سے لوگ ایسے ملتے تھے جو اپنے ختم ویدشاہدہ کی بنا پر یہ کہہ سکتے تھے کہ اس مقبرہ کا منظر نہایت پر فضا اور بار وفتی تھا۔ احاطہ کے اندر خوشنما و شبن اور ٹیکس نظر آتی تھیں۔ ہر سال مقبرہ اور مزار پر سپیدی ہوتی تھی۔ تاریخ شہادت پر عرس ہوتا تھا۔ جس میں ہزار



مقبرة حافظ الملك حافظ رحمت خان (میرپور)

مخلوق خدا جمع ہوتی تھی۔ قل ہوتا تھا اور توّالی کے جلسوں میں مشائخ و فقہاء کا مجمع ہوتا تھا۔ یہ تو سالانہ ہجوم کا حال تھا۔ یوں بھی سال کے ۳۶۰ دن میں اس عمارت کے گنبد پر پچھد نوبت میزندہ کی مشل منطبق نہیں ہوتی تھی بلکہ قوم کے چھوٹے بچے اپنے دلکش لہجے میں کلام پاک پڑھتے تھے اور مدرسہ کی صورت میں حافظ الملک کا روحانی فیض اپنا کام کیا کرتا تھا۔

دنیا کی مہذب اور متقدم قوموں نے اپنے اپنے قومی سُورماں اور شاہیہ کی یادگار میں آج ان کے مقبروں پر سالانہ میلوں کے انعقاد کو اپنا دستور العمل بنالیا ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہو کر وہیں کھنڈ بلکہ ہندوستان کی اٹھارویں صدی کے سب سے بڑے بہرو کی اُس سالانہ یادگار کو جو ہمارے پیشرو مٹا یا کرتے تھے پھر زندہ نہ کیا جائے۔

امید ہے کہ ان اور ان کے مطالعہ کا یہ نتیجہ ہوگا کہ کم سے کم لوگوں کے قلوب میں حافظ الملک کی یاد تازہ ہو جائے گی اور کوئی خدا کا بندہ اس کام کے لئے کھڑا ہو جائے گا اور اُس کی کوشش سے تمام قوم پرستے حسّی اور عدم توہمی کا الزام دور ہو جائے گا۔

قطعات تاریخ و فتا

ہمارے اپنے زمانے میں بڑے لوگوں کی وفات پر جیسے جیسے ہنگامے برپا ہوتے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ قیاس کرنا کچھ بیجا نہیں کہ حافظ الملک جیسی تاریخ ہند کی عظیم المرتبت شخصیت کی تہلکہ خیز شہادت پر کیسا کچھ اظہار رنج و غم نہ کیا گیا ہو گا چنانچہ اس رنج و غم کا کچھ حال تو ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور باقی کا اظہار اس زمانہ کے بکثرت نامی و گرامی شعراء کے لائقہ و قطعات "تاریخ و فتات" سے ہوتا ہے جو کتابوں اور لوگوں کے حافظہ میں اب تک محفوظ ہیں۔ چند قطعات بطور مشتمل نمونہ از مخزوارے درج ذیل ہیں۔

از نواب محبت خاں ابن حافظ الملک

اذا مات خان النصیر الکبیر سَلَمْنَا مِنَ اللّٰهِ تَارِيخِہ
عَلَى سَنَةِ الْمَصْطَفَى عَامِلٌ فَقَدْ تَالِ "فِي جَنَّتِي دَاخِلٌ"
شہادہ

تاریخ پشتو لا ا علم

آں حافظ جہاں حافظ دیں بعد شہادت چوں رفت سوئے غلہ بریں بہر تماشا
رضواں پے تعظیم زجاہست وہمی گفت در معنی تاریخ کہ 'خانِ دلِ راسخ'
شہادہ

تاریخ فارسی لا ا علم

شہادت یافت نواب فلک قدر بضر بگولہ توپے علی الصدر
زبس در جنگ آں شیر زربینہ دلاور بدسپر بنود سپینہ
خطابش حافظ الملک ست مشہو بالکاف جہاں نزدیک وہم دور
قلم سانش بطر ز نور قسم کن دو انگشت از چہار انگشت خم کن
شہادہ

دیگر لا ا علم

چو از لفظ ظفر 'تاریخ جُستند' پئے باقی سحر حافظ بریند

دیگر لا ا علم

چو شد حافظ الملک راہی بہجنت بشوق بہشت از جہاں کرد پدرود
شدم طالب سال تاریخ فوٹش بگفتا خرد 'حافظ مومن'اں بود
شہادہ

از غلام محی الدین اویسی

رحمتِ شریعتِ حافظِ ملک و نصیرِ جنگ چوں کرد سوئے غلذہ زوار الفنا سفر
روزِ شہادتِ وی و تاریخِ ماہ و سال آں روزِ شنبہ یازدہم بود از صفر

تاریخِ اُردو لا اعلیٰ

حافظ کہ جو رحمت میں وہ مستغرق ہے اس کے غمِ گس سے دل اپنا شق ہے
از بس کہ وہ حافظِ کلامِ حق تھا تاریخِ بھی حافظِ کلامِ حق ہے

۸۸

(۳۵)

حافظ الملک کی شہادت کے بعد

روہیلوں کا استیصال

حافظ الملک کے شہید ہونے اور روہیلہ فوج کی پوری پوری شکست ہو جانے کے بعد شجاع الدولہ اور کرنل چیمپین نے تین روز تک میدان جنگ ہی میں قیام کر کے تغیر پہل کھنڈ کا انتظام کیا اور اپنی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے چاروں طرف روانہ کر دیے۔ سواروں کے ایک دستے نے بریلی پر قبضہ کر لیا اور باقی فوج دوسرے اضلاع۔ نضبات اور دیہات میں پھیل گئی۔ اس فوج نے شجاع الدولہ کے حکم سے سارے ملک میں ہل چل ڈال دی۔ قتل و غارت اور لوٹ مار کا طوفان عظیم برپا کر دیا۔ ایک ہزار سے زائد گاؤں جلا کر خاک سیاہ کر دیے۔ ہزاروں مکانات اور سیکڑوں مشہور عمارتیں توڑ پھوڑ کر مسمار کر ڈالیں۔ اس موقع پر مشہور انگریز مورخ مسٹر بل کھٹاپے کہے۔

”تمام ملک وزیر کے رحم و کرم پر تھا۔ فحندی کے حقوق کا اس سے پہلے شاید ہی کسی نے ایسا وحشیانہ استعمال کیا ہو۔ نہ صرف خونخوارانہ غارت گری کا بد بخت باشندوں پر بار زار گرم کیا گیا بلکہ جیسا کہ وزیر کا ارادہ تھا اور جس کا کہ بارہا انگلش گورنمنٹ سے اس نے اظہار بھی کر دیا تھا کہ وہ روہیلوں کا استیصال کر دے گا۔ اُس کے حکم سے ہر شخص جو روہیلہ کہلاتا تھا یا تو ذبح کر دیا گیا یا جلا وطن کر دیا گیا۔“

کرنل چیمپین ان مظالم کا مخالف تھا۔ لیکن شجاع الدولہ اور ہیڈنگز کے احکامات کے سامنے عاجز و لاچار تھا چنانچہ وہ اپنے تاثرات کو اس طرح قلب بند کرتا ہے کہ۔

”اس ملک کے سابق حکمرانوں اور ان کے اہل خاندان کے ساتھ جس بے رحمی اور ذلت

کا برتاؤ کیا گیا ہے وہ ان اطراف میں ہر شخص جانتا ہے..... مجھ سے ایسی
عہدیم المثال تباہی پرترس کھائے بغیر نہ رہا گیا اور میں نے وزیر سے نرمی کرنے کی
بکثرت درخواستیں کیں۔ لیکن یہ درخواستیں ایسی ہی بے سود ہوئیں جس طرح
گاؤوں کو جلانے سے باز رکھنے کے میرے ہر ہر گھنٹہ کے مشورے بیکار ثابت ہوئے
تھے..... اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ حافظ رحمت خاں کی شکست کے بعد سے
اس وقت تک ایک لاکھ سے زیادہ باشندگان روہیل کھنڈ اپنے اپنے مکاؤں
کو چھوڑ کر جاگ گئے ہیں۔“

ترک وطن کرنے والوں میں بعض بڑے بڑے روہیلہ سردار اور نواب فیض اللہ خاں بھی تھے
جو اپنے اہل و عیال مال و دولت اور میدان جنگ کی ہزیمت خوردہ فوج کے ایک بہت
بڑے حصہ کو ساتھ لے کر حدود روہیل کھنڈ سے باہر ایک مقام مخدو ظلال ڈانگ میں جو پنجاب
سے آٹھ کوس کے فاصلے پر گڈھوال کی ترائی میں گھنے جنگل میں واقع تھا۔ چلے گئے۔

شجاع الدولہ کا پہلی بھیت میں	حافظ الملک کے صاحبزادے نواب محبت خاں وغیرہ
داخلہ اور خاندان حافظ الملک	شجاع الدولہ اور انگریزی فوج کے ارادہ ہائے بد اور
پنظام	دست درازیوں سے مطلع ہونے کے باوجود میدان

جنگ سے واپس ہو کر بریلی و پہلی بھیت سے باہر نہ نکلے اور حافظ الملک کی وصیت کے
موافق دامن کوہ میں جانے کی بجائے حد درجہ نا فہمی اور ناتجربہ کاری کو کام میں لاکر شجاع الدولہ
سے راہ و رسم پیدا کرنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ سلاطین ملک گیر کا
شیوہ ہے کہ جب زیر دست اور تنیم لوگ ان کے پاس ملحق بنکر حاضر ہوتے ہیں تو اپنے مقصود
میں کامیاب ہوتے ہیں..... کیونکہ ملک گیری سے مقصود طلب اطاعت ہوا کرتا ہے

نہ زیر دستوں کو ملک سے خارج کرنا۔

چنانچہ اسی خام خیالی کی بنا پر یہ لوگ خاندانی عظمت و خود داری کو بالائے طاق رکھ کر اپنے باپ کے قاتل سے انتقام لینے کی بجائے اس کے حضور میں زیر دست و یتیم بن کر انصار اطاعت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ نواب ذوالفقار خاں بریلی سے اور نواب محبت خان پہلی بھیت سے شاہ ابوالفتح کی ہر اہی میں شجاع الدولہ سے ملاقات کرنے کو روانہ ہو گئے۔ دونوں بھائی یکے بعد دیگرے از خود بغیر بلائے شجاع الدولہ کے لشکر میں پہنچ گئے تو وہاں انکا آنا بہت غنیمت سمجھا گیا اور جب ایک دن اور ایک رات کے انتظار کے بعد ان کی شجاع الدولہ کے حضور میں پیشی ہوئی تو وہ بہت خندہ پیشانی سے پیش آئے اور باعز از تمام معائنہ کر کے فرمایا کہ۔

میرا ارادہ جنگ کا ہرگز نہیں تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ مشکل نمودر پذیر ہو۔ لیکن حافظ الملک کے مشیروں نے ہم دونوں میں صلح نہ ہونے دی چونکہ مرضی اتنی اسی طور سے تھی مجبوری ہے آپ کچھ اندیشہ نہ کریں میں آپ کے ساتھ ایسا سلوک کروں گا کہ آپ اپنے والد کی وفات کو فراموش کر دیں گے^{۱۵}۔

اپنے اس قول کی تائید میں شجاع الدولہ نے قسم موکہ کھائی اور دونوں بھائیوں کے لئے خلعت منگائے اس پر محبت خاں نے عرض کیا کہ۔

اگر ہماری سرفرازی منظور ہے تو کل جبکہ آپکا دائرہ دولت پہلی بھیت میں داخل ہوگا تو وہاں پہنچ کر خلعت سرفرازی عطا فرمائیے تاکہ اس امر کو مشاہدہ کر کے خوش و بیگانوں کی پریشانی دور ہو۔

شجاع الدولہ نے بعد شکر یہ پہلی بھیت آنے کی دعوت قبول کی اور محبت خاں کو مکان جانے کی اجازت مرحمت کر کے کہا کہ۔

”اپنے تمام لواحقان و متوسلان اور اپنے والد مرحوم کے ملازمان و غیزہ کی تسلی و تسنی کیجئے۔“ لیکن اس امر کا خیال رکھئے کہ کوئی شخص شہر چھوڑ کر کسی طرف کو جانے نہ پائے۔ میں پریوں وہاں پہنچ کر آپ کو خلعت دوں گا۔“

محبت خاں کو رخصت کر کے اور نواب ذوالفقار خاں کو اپنے پاس ٹھہرا کر شجاع الدولہ نے اپنے حبشی غلام شیدی بشیر کو جو پہلی بھیت کے قریب ڈیرے ڈالے ہوئے تھا تھکڑ کر لیا کہ۔
”محبت خاں حضور سے رخصت ہو کر پہلی بھیت کو جا رہا ہے۔ مکر و حیلہ کے ساتھ اس کو اپنے پاس ٹھہرا کر صبح کو اپنے ہمراہ پہلی بھیت کو لے جانا۔ اور اپنی سپاہ کو شہر نہانہ کے دروازوں پر متعین کر کے یہ انتظام کر دینا کہ کوئی شخص شہر سے باہر نہ جاسکے“

شیدی بشیر نے تعمیلِ حکم کر کے ۲۶۔ اپریل ۱۷۷۷ء کو پہلی بھیت کا محاصرہ کر لیا۔ باشندگان شہر میں سے جو لوگ اس محاصرہ سے قبل باہر نکل گئے تھے ان کا مال و متاع تو محفوظ رہا۔ لیکن جو لوگ حافظ الملک کے صاحبزادوں کی نادانی کا شکار ہو کر ان کے بھروسے پر اب تک ٹھہرے رہے تھے۔ سب کے سب گرفتار دامِ بلا ہو گئے۔ ۲۸۔ اپریل کو شجاع الدولہ اپنے لشکرِ کرنل چیمپین و مسٹر ٹلٹن اور انگریزی فوج کے ہمراہ پہلی بھیت پہنچ گئے۔ اور دریائے دیوہا کے کنارے خیمہ افکن ہو کر انھوں نے منادی کرادی کہ تمام سپاہی اپنے اپنے ہتھیار اور گھوڑے سرکاری محصلوں کے حوالے کر کے خود شہر سے باہر چلے جائیں اور کوئی شخص زور و جواہر اور مال و متاع کو پوشیدہ نہ کرے۔ حکم کے موافق باشندگان شہر نے مجبوراً اپنے آلاتِ حرب اور مال و متاع کو کارپردازانِ شجاع الدولہ کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد باشندگان شہر میں سے بعض کو ضعیف و بیمار تھے ان کے مکانون پر چھوڑ دیا۔ کثیر التعداد اشخاص کو جو خطرناک و سربرآوردہ تھے قید کر لیا اور بقیہ کو مع زن و فرزند مفلس و کنگال کر کے بہ یک بینی دو دو گوش شہر بدر کر دیا۔ جن لوگوں نے

تفیل حکم میں ذرا بھی جیل و جت کی انہیں نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر کے خاک و خون میں لٹا دیا۔ اہالیانِ شہر کی لوٹ مار اور قتل و غارت سے فارغ ہو کر شجاع الدولہ نے محبت خاں کے پاس کھانا بھجوا کر اپنے والد کے خزانوں اور دفینوں کا پتہ بتلایا۔ محبت خاں نے جنگی آگھڑی سے اب غفلت کے پردے اٹھ چکے تھے آبدیدہ ہو کر جواب دیا کہ۔

”بجز یاد پدہارے پاس کوئی دولت نہیں ہے۔ اگر خزانے اور دفینے ہوتے تو آج یہ نوبت نہ پہنچتی۔ اسباب اور عورتوں کے زیورات ضرور موجود ہیں جو آپ لے سکتے ہیں۔“

اس پر حکم پہنچا کہ۔

”ایک دور وز کے واسطے مجلس کو خالی کر کے متعلقین شکر میں چلے آئے اسباب اور ستورات کے زیورات جیسے کے تیسے وہیں چھڑ دیجئے۔ تاکہ غزانے اور دفینے وغیرہ تلاش کر لئے جائیں بعد تلاش آپ کو دوبارہ گوناگوں مرام و عنایات کے ساتھ مجلس کو واپس کر دیا جائے گا۔“

اس حکم کے مطابق نواب محبت خاں اپنی والدہ محترمہ۔ بہنوں اور ان تمام بھائیوں اور دیگر متعلقین کو ہمراہ لے کر جو پہلی بھیت موجود تھی تن کے کپڑوں کے علاوہ ہر قسم کا سامان مکانوں میں چھوڑ کر مجلس سے باہر نکل آئے اور ایک فوجی ہاتھ میں لے کر اور گھوڑے پر سوار ہو کر شجاع الدولہ کے لشکر کی جانب روانہ ہو گئے جب وہاں پہنچے تو ان کو ایک ڈیرے میں ٹھہرا دیا گیا۔ اور بسنت علی خاں خواجہ سرانے اپنے دستہ فوج سے ان کے ڈیرے کو حراست میں لے لیا۔ اس حال میں تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حسن رضا خاں نے محبت خاں کو شجاع الدولہ کا یہ پیغام پہنچا یا کہ۔

”وزیر الممالک نے بعدِ معارضتِ اذنیہ فرمایا ہے کہ میں چاہتا تھا تم کو آج بلا کر خلعتِ سرفرازی عطا کر دوں لیکن گزشتہ رات سے ایک دوئل نکل آیا ہے درجیِ خدمت کے باعث نہیں بلا سکتا ہوں جوں ہی دو ایک روز میں اتفاق ہو گا ایفادہ وعدہ کرو گا۔“

شجاع الدولہ کی علالت کا حال سن کر محبتِ خاں وغیرہ کو فحش کی پیشین گوئی یا دانی جو اس نے حافظ المملک سے ان کی شہادت کے ایک روز قبل کی تھی۔ اور ایک شخص کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ شجاع الدولہ کے ڈیرے کے قریب سینھل کا درخت موجود ہے۔ اس وقت سے سب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ شجاع الدولہ اس مرض سے جاں بربت ہو سکے گا اور فتح روہیل کھنڈ کی بہار نہ دیکھ سکے گا۔

روحِ آئی جو بدن میں تو قضا بھی آئی

جب یہ چونکھ ہوئی روشن تو ہوا بھی آئی

خاندانِ حافظ المملک کی گرفتاری کے بعد شجاع الدولہ کو ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلی بھیت کی لوٹ میں بقول کرنل جیمپن کم از کم پچاس لاکھ روپیہ کے جواہرات۔ زیورات۔ ہاتھی۔ گھوڑے۔ اونٹ اور دوسری قیمتی چیزیں انبار در انبار ہاتھ لگیں جو سب کی سب شجاع الدولہ نے اپنے قبضہ میں کر لیں اور انگریزی فوج کو ان میں ہاتھ نہ لگانے دیا۔

کیونکہ ان کے حقِ الحنت کے چالیس لاکھ روپیہ پہلے ہی سرکارِ کپنی کو دئے جانا طے ہو چکے تھے۔ اس پر انگریزی فوج شجاع الدولہ کے سخت خلاف ہو گئی اور اس نے مطالبہ کیا کہ نصف مالِ غنیمت کے وہ حقدار ہیں۔ شجاع الدولہ نے اس مطالبہ کو پورا نہ کیا تو انگریزی فوج کے سپاہیوں نے ان کے کچھ افسروں کو لوٹ لیا۔ اس واقعہ سے صورتِ حال سخت نازک ہو گئی۔ اور انگریزی فوج کی عام بغاوت کے خوف سے شجاع الدولہ کو بدقت دس لاکھ روپیہ دیگر اپنی جان چھڑانی پڑی۔ اس قضیہ سے نجات پا کر اور پہلی بھیت میں اپنا کام ختم کر کے شجاع الدولہ نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ اور نوابِ دوندے خاں مرحوم کے دارالحکومت بسولی کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر

کے ہمراہ محبت خاں اور ان کے بھائیوں کے علاوہ حافظ الملک مرحوم کی اہلیہ محترمہ - نواب عنایت خاں مرحوم کی بیوہ اور دوسری بیگمات اور بچوں کو بھی شیدی بنیئر نے کشاں کشاں سخت ملے جرمی اور رسوائی کے ساتھ پیدل اور بار برداری کے چھکڑوں پر سوار کر کے اپنے ساتھ لے لیا۔ مئی کا مہینہ جو روہیل کھنڈ میں سخت گرمی اور دھوپ کا زمانہ ہوتا ہے شروع ہو گیا تھا اور ان ناز پروردوں کو بیسیوں کو سٹیل میڈ انوں میں اسی دھوپ اور لوہ میں پیدل یا چھکڑے پر تمام نام و نل کا سفر کرایا جاتا تھا۔ تمام قیدی ایک دوسرے سے رسیوں میں بندھے ہوئے تھے۔ جہوں پر میلے کٹرے نہایت کثیف اور بوسیدہ ہو گئے تھے۔ کئی کئی وقت بھوکے پیاسے رکھے جاتے اور کوئی نہ پوچھتا کہ تم نے کیا کھایا اور کیا پیا۔ اگر دوسروں کو کھانے پیتے دیکھ کر یہ لوگ خود کچھ مانگتے تو لشکر کے وحشی سپاہی ان پر تھپتھے لگاتے اور بھڑک کر خاموش کر دیتے۔

کرنل چیپس نے خاندان حافظ الملک کے قابل احترام افراد بالخصوص عورتوں اور بچوں کی ان درد انگیز ہنگامی حالت کو دور کرنے کی حتی الامکان بہت کوشش کی لیکن خراج الدولہ نے اپنی سخت گیری میں کوئی کمی نہ کی۔ مجبوراً اس صورت حال سے کرنل موصوف نے ہیسٹنگز کو مطلع کیا اور لکھا کہ۔

”..... میں قلب میم سے یقین کرنے پر مجبور ہوں کہ بورڈ کو یہ گمان ہرگز نہ ہوا ہوگا کہ ان کے احکام کا ایسا بڑا انجام ہوگا جیسا کہ واقع ہوا۔ انھوں نے یہ پیش بینی بھی نہ کی ہوگی کہ ایک پوری قوم کا ایسا اچانک اور مکمل زوال و اخراج عمل میں آجائے گا۔ انھوں نے یہ خیال بھی نہ کیا ہوگا کہ انگریزی فوج سے امداد پانے والا ایک بڑا شخص ایک برٹش کمانڈر کے صلاح و مشورہ کی اس قدر کم وقعت کر لیا۔ اور نہ یہ تصور کرنے کا امکان تھا کہ ایک ایسا شخص جو خود بھی مصائب و آلام کا آبِ تلخ چکھ چکا ہو اُن لاکھ دو دوئے مثل عنایتوں کو جو اس کے ساتھ کی گئی تھیں قطعی فراموش کر کے دوسروں کے ساتھ تھوڑی سی مہربانی کرنے سے بھی انکار کر دے گا..... میں کہہ سکتا

ہوں کہ کو ظلم و تعدی کا ایجنٹ ہونے کی حیثیت سے تنہا نواب ہی مجرم ہے لیکن پھر بھی تمام الٹیا والے جانتے ہیں کہ انگریزوں نے اسے یہ قوت دی ہے..... کیا ایسی صورت میں وہ یہ نتیجہ نہ نکالیں گے کہ ان کے ایجنٹ کے ہاتھوں جو مظالم ہو رہے ہیں وہ انہیں کی چشم پوشی کے باعث ہیں..... میرا یہ مطلب نہیں ہے اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ حافظ الملک کے اہل و عیال کو شجاع الدولہ سے آزاد کرادیا جائے بلکہ نواب پر یہ اثر اندازی کی جائے کہ وہ ان کی خاندانی حیثیت کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کرے۔ ان لوگوں نے خود یہ التجا کی تھی کہ ایک یا جس قدر لوگ کے نواب چاہے اپنی قید میں رکھے لیکن بیگم صاحبہ یا دوسری مستورات کی نے حرمتی نہ کرے اور ان کو اپنے لشکر کے بد معاشوں کے ہنسی مذاق اور دوسری سخت ذلیل حرکتوں کا شکار نہ بنائے.....

اسی طرح ایک اور خط میں لکھا کہ۔

”یہ گرفتاران بلا عاجز و لاچار ہو کر قوت لایموت خریدنے کے لئے مجھ سے اور میرے متعلقین سے بھیک مانگنے اور خیرات لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اور تو اور پینے کے پانی کے لئے ان کا گڑ گڑانا اور ہر ایک کی یہ کوشش کہ پہلے اُسے دیا جائے..... تا قابل برداشت مناظر ہیں“

اپنے خطوط کے ساتھ کرنل چیمپین نے اسی زمانہ میں حافظ الملک مرحوم کی بیگم کا ایک خط بھی گورنر ہیسٹنگز کے پاس گلکتہ بھجوا یا۔ جس میں مظلوم و مصیبت زدہ بیگم نے اپنی داستان غم اس طرح قلمبند کی تھی کہ۔

۱۵ رپورٹ پنجم ضمیمہ ۲۶ و ۲۸ منقول از ہیسٹنگز ایجنسی روہیلا وار۔

۱۶ رپورٹ پنجم ضمیمہ ۲۶ و ۲۸ منقول از ہیسٹنگز ایجنسی روہیلا وار۔

”.....حافظ رحمت خاں نے چالیس سال تک اس ملک پر حکومت کی اور ان کی بہادری سے جھل کے درندے ناک کاٹتے تھے۔ حکم آئی سے کون سر نہابی کر سکتا ہے وہ شہید ہو گئے اور ان کے بچوں کے پاس کوئی رتی بھر خیر نہیں رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ننگا کر کے انھیں خانہ بدر کیا گیا ہے۔ دھوپ اور چلتی ہوئی ریت کی تھخیں اٹھا رہے ہیں۔ تھوڑے سے چاولوں اور پانی کے لئے تڑپ رہے ہیں اور ہلاک ہو رہے ہیں۔ ہائے میں اپنا حال کیا بیان کر دوں اور کیسے لکھوں۔ میری آہ سوزاں روحشمانی کو خشک کئے دیتی ہے اور کاغذ کو جلانے ڈالتی ہے۔ کل میں ایک لاکھ آدمیوں کی ملکہ تھی آج ایک پیالہ پانی کو ترستی ہوں۔ کل میں حکومت کرتی تھی آج بھیک مانگ رہی ہوں۔ اسے فلک کج رفتار تو بے وفا ہے۔ تو بلند کو پست اور پست کو بلند کرتا ہے۔ لیکن میں تو بے خطا ہوں۔ اگر کوئی خطا تھی تو حافظ کی تھی۔

یہ بچے کیوں ستائے جا رہے ہیں۔ باپ کی خطاؤں پر بچوں کو سزا آہ۔ !
ایک جاؤر کی طرح پھنداؤ لکڑی لگا یا جا رہا ہے۔ نہ رات کو قیام میسر ہے اور نہ دن
کو سایہ نصیب ہوتا ہے جو ذرا تو آرام کر لوں۔

صرف آپ سے رحم و انصاف کی امید باقی ہے۔ میں ایک پرندے کی مانند مجھیں
 قفس چوں۔ بھوک پیاس کی تکلیف اٹھا کر مرنے سے تو یہی بہتر ہے کہ چھری مار کر
 ہلاک کر دیا جائے۔

مجھے امید ہے کہ آپ میری حالت زار پر توجہ فرمائیں گے ورنہ میری مصیبتیں دوچند ہو جائیں گی۔ اب کا غم ختم ہو گیا۔ میری اس تقریر کو معاف فرمائیے۔.....“

کرنل چیمپین کی وردائیں پیلوں اور یکم حافظ الملک کی بگڑ خراش التجاؤں کا ہیڈنگر اور انجمنٹ پر کیا اثر ہوا ذیل کے ایک جواب سے ظاہر ہو جائے گا۔

”..... آج کل ہمارا وزیر سے یہ معاملہ ہے کہ کہنی کے لئے ایک رقم کے معاوضہ میں ہم نے ایک خاص کام کے لئے اُس سے پشت پناہی اور امداد کا وعدہ کیا ہے۔ جب وہ کام ختم ہو جائے گا تو مفتوحہ ملک۔ اُس کی دولت اور اُس کے باشندے وغیرہ محض وزیر کے رحم و کرم پر ہونگے۔ ہمیں اپنے معاہدے کی پابندی کرنی ہے اور نفل دینے کا حق نہیں ہے۔“

اسی طرح مسٹر جان مارلے نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب ان مظالم کو ہیڈنگر کے سامنے پیش کیا گیا تو اُس نے بڑے اطمینان خاطر سے جواب دیا کہ مشرقی جنگ و جدال میں یہ معمولی باتیں ہیں۔

محاصرہ لال ڈانگ اور نواب فیض اللہ خاں سے صلح

کئی ہفتے مسلسل کوچ پر کوچ کرنے کے بعد انگریزوں اور شجاع الدولہ کا لشکر پہلی اور آئولہ ہوتا ہوا بسولی پہنچا اُتارے راہ میں اول الذکر مقامات پر بھی شجاع الدولہ نے پہلی بھیت کی طرح دل کھول کر قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا حتیٰ کہ اس قتل و غارت میں اُن غدار و نکو بھی نہیں چھوڑا جنہوں نے حافظ الملک سے نمک حرامی کی تھی۔ اور شجاع الدولہ سے اس کے صلے کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ جس وقت شجاع الدولہ بسولی میں داخل ہوئے فتح اللہ خاں اور محب اللہ خاں پسرانِ نواب دوندے مل کر مرحوم اپنے معاہدات سابقہ کے اعتماد پر سرفرازی کے امیدوار ہو کر اور اُس قرآن شریف کو جس پر اپنے مطالب لکھ کر ان لوگوں نے شجاع الدولہ کی مہربانی بظرفِ شفیع ہمراہ لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ شجاع الدولہ نے مطلق التفات نہ کیا اور دونوں بھائیوں اور اُن کے تمام تعلقین کو

قید کر کے اُن کا تمام نقد و جنس جو ساہل سال کا اندوختہ تھا نہایت سختی کے ساتھ چھین کر ضبط کر لیا۔ اس لوٹ کھسوٹ سے فارغ ہونے کے بعد بسولی میں شجاع الدولہ کو غیر ملکی فیض اللہ خاں کے زیر قیادت لال ڈانگ میں افغانوں کا اجتماع روز بروز بڑھ رہا ہے اور چونکہ وہ دُنبل جسکی ابتدا پہلی بھیت سے ہو گئی تھی۔ ورنہ بدن زیادہ تکلیف دے رہا تھا۔ اس لئے شجاع الدولہ نے جلد وطن واپس ہونے کے ارادے سے فیض اللہ خاں کے محلے میں اب زیادہ توقف نہ کیا۔ اور اسی وقت حافظ الملک اور نواب دونوں سے خاں کے اہل خاندان زن و مرد و خورد و کھان کو دوسرے کثیر التعداد ممتاز امیران روپہل کھنڈ کے ساتھ سالار جنگ کے ہمراہ الہ آباد کو وہاں کے قلعہ میں قید رکھے جانے کی غرض سے روانہ کر دیا۔ قیدیوں کی طرف سے اپنا اطمینان کر کے شجاع الدولہ نے برعجلت تلم انگریزی لٹکر کے ساتھ لال ڈانگ کی جانب کوچ کیا۔

لال ڈانگ میں اس وقت نواب فیض اللہ خاں کی سرداری میں افغانوں کی ایک بھاری جمعیت مجتمع ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ بخشی سردار خاں کے بیٹے فتح خاں خاسا ماں کی اولاد۔ محمد حسن خاں ابن ملا حسن خاں۔ عبد الجبار خاں ابن عبدالستار خاں سیف الدین خاں ابن پروں خاں۔ ملا میر باز خاں اور محمد ستقیم خاں وغیرہ دوسرے بڑے بڑے رسالہ ابھی موجود تھے جنہوں نے حافظ الملک کے کسی لڑکے کی وہاں عدم موجودگی کے باعث نواب فیض اللہ خاں کو چھین حافظ الملک نے شہادت کے روز اپنا دوصی بنایا تھا سردار تسلیم کر کے شجاع الدولہ کے مقابلہ میں مدافعتِ جنگ کی پوری پوری تیاری کر رکھی تھی۔ لال ڈانگ کا موقع بھی ایسا تھا کہ وہ چاروں طرف گھنے جنگل اور دشوار گزار پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا اور غنیم کا دہاں چنچاشدیر مشکلات سے خالی نہ تھا۔ چنانچہ جب شجاع الدولہ کالشر لال ڈانگ کے قریب پہنچا تو ۲۰ اکتوبر ۱۷۴۷ء تک چار ماہ کا طویل زمانہ اس جنگل کے درخت کاٹنے میں لگ گیا۔ پھر بھی افغانوں کی جائے پناہ تک پہنچنے میں ابھی ایک میل کا فاصلہ باقی تھا اور ہر افغانوں کی سرفروشی کا یہ عالم تھا کہ درخت کاٹنے

دالوں پر برابر حملے کرتے تھے اور ایک ایک درخت کے پیچھے دس دس آدمی اپنی گردنیں کٹا دیتے تھے۔ افغانوں کے اس قدر سخت مقابلہ نے شجاع الدولہ کا ناطقہ بند کر دیا۔ علاوہ بریں ڈنبل کی تکلیف ہر قسم کے علاج کے باوجود دن بدن ناقابلِ برداشت ہوتی جاتی تھی۔ ادھر برسات شروع ہو گئی تھی جس کے باعث ان کے لشکر میں وبا پھیل رہی تھی۔ مرہٹوں کے حملے کی انوائس گرم ہو رہی تھیں اور سب پر طرہ یہ کہ اپنے اور انگریزی فوج کے غیر معمولی اخراجات نے پریشان کر رکھا تھا۔ ان سب باتوں نے ملکر شجاع الدولہ کے جوش و خروش کو ٹھنڈا کر دیا اور اب وہ دل تنگ ہو کر افغانوں سے آمادہ مصالحت ہو گئے۔

نواب فیض اللہ خاں اور محمد مستقیم خاں وغیرہ اکثر بڑے بڑے افغان سرداروں کو اضافی مناصب و جاگیرات کے وعدے لکھ کر بھیجے۔ لیکن چونکہ ان لوگوں کو شجاع الدولہ کی بے اعتباری حد سے سوا ہو گئی تھی۔ اس لئے کسی نے یقین نہ کیا اور محمد مستقیم خاں نے جواب دیا کہ۔

”پہلے حافظ الملک کے اہل خاندان کو قید سے رہائی دیکر سرفراز فرمایا جائے اس کے بعد ہم سب مطیع و منقاد ہیں۔ ورنہ جس وقت تک جسموں میں جان باقی ہے جنگ و جدال سے دست کش نہ ہونگے“

لیکن محمد مستقیم خاں کا سادو لوگ جواب نواب فیض اللہ خاں نہ دے سکے کیونکہ ان کے پاس شجاع الدولہ کی جو تحریر آئی تھی اُس کی نوعیت دوسری تحریروں سے بالکل مختلف تھی اس میں لکھا تھا کہ۔

”اگر آپ فخر امیر سے پاس حاضر ہوں تو آپ کی جاگیر قدیمی میں کچھ اور اضافہ کر کے آپکو عطا کیا جائیگا۔ نہیں تو میں محبت خاں کو الد آباد سے بلا کر سرفراز کر دوں گا۔ اس وقت اس کے باپ کے جتنے رسالہ راجو بالفعل آپ سے متفق ہیں اس کے شریک ہو جائیگی اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں گے“

ساتھ ہی شجاع الدولہ نے ایک شفقہ الہ آباد کے قلعہ دار کے نام محبت خاں کو طلب کرنے کے بارے میں ارسال کر دیا اور قلعہ دار مذکور نے محبت خاں کو اپنے لوگوں کے ہمراہ لال ڈانگ کی طرف روانہ بھی کر دیا۔

اندریں حالات نواب فیض اللہ خاں نے یہی مصلحت دیکھی کہ پیش کش صلح کو منظور کریں۔ لیکن چونکہ وہ نہایت ذکی و فہیم تھے اس لئے انھوں نے پھلے تجربات کی بنا پر اپنے معاملات میں شجاع الدولہ کے مواعید پر یقین کرنے اور ان سے کوئی معاملہ کرنے کی بجائے کرنل جمپین کو جدید شرائط کے ساتھ یہ پیغام بھیجا کہ۔

”اگر مجھ کو پورے روپیل کھنڈ پر قبضہ دلایا جائے تو میں تین سال کے عرصہ میں سرکار کمپنی کو سستی لاکھ روپیہ دوں گا۔ اور اگر یہ رقم وزیر ہی کو دینا پسند کی جائے تو میں روپے ادا ہو جانے کے وقت تک اپنے لڑکے کو انگریزوں کے ہاتھ میں کفالت میں دوں گا تاکہ انگریز وزیر کی دیانت داری کی ضمانت کر سکیں۔ یا بصورت دیگر تیس لاکھ روپیہ سالانہ میں وزیر کو اور پچیس لاکھ کمپنی کو اس شرط پر دوں گا کہ وہ مجھے میرے ملک پر قبضہ دلادیں اور صلح نامہ کی پابندی کی ضمانت کر لیں۔“

علاوہ بریں نواب فیض اللہ خاں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ ہندو ہزار فوج سے ہمہ وقت انگریزوں اور شجاع الدولہ کی امداد کے لئے تیار رہیں گے۔

نواب فیض اللہ خاں کی مندرجہ بالا تجاویز کو کرنل جمپین نے بہت پسند کیا اور نواب شجاع الدولہ اور گورنر ہیسٹنگز سے ان کو منظور کرنے کی پُر زور سفارش کی۔ لیکن آخر الذکر حضرات نے ان کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ فیض اللہ خاں کو پورا روپیل کھنڈ واگڈا شہت کر دینے سے روپیہ جیسی بہادر و جری قوم کے مکمل استیصال کا مقصد حاصل نہ ہوتا تھا۔ بالآخر کافی

گفت و شنید اور وکلاء طرفین کی بہت کچھ آمد و رفت کے بعد نواب فیض اللہ خاں نے کرنل چیمپین کی وساطت سے شجاع الدولہ سے خود ملاقات کرنے کا ارادہ کیا۔ جس وقت نواب فیض اللہ خاں انگریزی کمپ کو روانہ ہونے لگے تو محمد ستیم خاں بھی ان کے ہمراہ جانے پر مستعد ہو گیا۔ لیکن نواب فیض اللہ خاں نے اس کو ساتھ لے جانا پسند نہ کیا اور کہا کہ۔

”آپ کو شجاع الدولہ کے سو مزاج کا حال خوب معلوم ہے کہ غداری کرنے میں کوئی ہلک نہیں کرتا۔ اس لئے میرا آپ کا لشکر میں رہنا ضروری ہے تاکہ کوئی امر خلاف امید واقع نہ ہو۔ چونکہ میں بضرورت جا رہا ہوں آپ کو لشکر میں ٹھہرنا چاہئے تاکہ لشکر کی دلجمعی رہے۔“

محمد ستیم خاں نے جواب دیا کہ۔

”میں حافظ الملک کے خاندان کی رہائی اور ان کے واسطے جاگیرت کے تفرقے واسطے جانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ پختہ وعدہ کریں کہ ان لوگوں کے معاملات کی درستگی کے بغیر صلح نہ کریں گے تو البتہ لشکر میں میرا رہنا مناسب ہے۔“

اس پر نواب فیض اللہ خاں نے قسم کھا کر وعدہ کیا اور ستیم خاں کا اطمینان خاطر کر کے چند مصائب خاص کی معیت میں کرنل چیمپین سے ملاقات کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اعتیاطاً محمد ستیم خاں نے اپنے ایک متد کو بھی نواب فیض اللہ خاں کے ساتھ کر دیا۔ جس کو ہمراہ لے کر پہلے وہ کرنل چیمپین سے ملے اس کے بعد تنہا کرنل چیمپین کے ساتھ شجاع الدولہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شجاع الدولہ نے نواب فیض اللہ خاں سے نہایت گرم جوشی سے ملاقات کی اور ان کے تشریف لانے کو بہت فضیلت خیال کیا کیونکہ وہ نبل کی تکلف نے ان کو جان بلب کر دیا تھا اور شدت و دوسے مچھلی کی طرح تڑپ رہے تھے۔ کچھ دیر رسی باتوں کے بعد گفتگوئے مصالحت شروع ہوئی اور پچیس لاکھ روپیہ سالانہ

آمدنی کا علاقہ ٹراپور نواب فیض اللہ خاں کو دیا جاتا قرار پا گیا۔ فوج کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ پانچ ہزار سے زائد سپاہی نواب فیض اللہ خاں ملازم نہ رکھ سکیں گے اور بوقت ضرورت تین ہزار آدمیوں تک سے شجاع الدولہ کی امداد کرنی ہوگی۔ باقی سپاہیوں کو جن کی تعداد اس وقت بیس ہزار سے متجاوز تھی ملک سے گنگا پار نکال دینا طے ہوا۔ ان مراعات کے بدلے میں نواب فیض اللہ خاں نے پندرہ لاکھ روپیہ نقد بھی شجاع الدولہ کو دینا منظور کیا۔ شرائط معاہدہ کی تکمیل کے بعد کرنل چیمپین نے نواب صاحب کو یاد دلایا کہ۔

”حافظ الملک کی اولاد کے متعلق بھی تصفیہ کر دیجئے تاکہ اس کے بعد عہد نامہ لکھا جائے“

نواب فیض اللہ خاں نے جواب دیا کہ۔

”ان کے معاملہ میں وزیر الملک خود جیسا مناسب سمجھیں گے عمل کریں گے میں کیا کہوں“

یہ جواب سن کر کرنل چیمپین تو خاموش ہو گیا مگر شجاع الدولہ بہت خوش ہوئے اور انھوں نے فوراً عہد نامہ پر اپنی مہر کے اور کرنل چیمپین کی تصدیق کر کے نواب صاحب کے حوالے کر دیا۔ اور اس طرح ۱۷ اکتوبر ۱۷۷۷ء کو شمالی ہند کی مشہور اسلامی ریاست راپور معرض وجود میں آگئی۔ عہد نامہ لے کر نواب فیض اللہ خاں لال ڈانگ کو واپس آئے اور محمد مستقیم خاں سے فرمایا کہ۔

”بالفعل شجاع الدولہ حافظ الملک کی اولاد کی رہائی وغیرہ مدافعی نہیں ہوئے اور

میں نے یہ مناسب نہ جانا کہ اپنے معاملہ کو تعویق میں ڈالوں لہذا میں نے صلح کر لی۔“

صلح کے اس واقعہ کے بعد ہی شجاع الدولہ نے دامن کوہ سے کرنل چیمپین کے ساتھ فیض آباد کی طرف کوچ کیا اور ۱۳ اکتوبر ۱۷۷۷ء کو نواب فیض اللہ خاں بھی حسب معاہدہ صرف پانچ ہزار سپاہیوں

لے کر وہ علاقہ میں دفن ہوئے تاہم تحریر مزید اضافہ بھی ہوتا رہا ہے اور ریاست راپور کی موجودہ سالانہ آمدنی ایک کروڑ روپیہ کے قریب بتائی جاتی ہے۔

کو اپنے ہمراہ لے کر اچھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ باقی بیس ہزار سے زائد روہیلہ سپاہی اور ان کے سردار بھیڑ بکریوں کی طرح حدودِ روہیل کھنڈ سے باہر ٹانگ دئے گئے جو طول و عرض ہندوستان میں مدتوں خانماں برباد مارے مارے پھرتے رہے۔ اکثر نے کچھ عرصے کے بعد اپنے ہم قوم ضابط خاں کے ملک میں داخل ہو کر خانِ مذکور اور اُس کے بیٹے عبد القادر روہیلہ کی ملازمت اختیار کر لی اور بعض نواحِ ٹونک و مہوپال میں جا کر بس گئے۔

دورانِ واپسی میں جس وقت شجاع الدولہ سنمیل پنچے نوابِ محبت خاں ابنِ حافظ الملک جو ان کے حسبِ الطلب قلعہ الہ آباد سے لائے جا رہے تھے ان کو ملے۔ شجاع الدولہ نے محبت خاں کو اپنے ساتھ لے لیا اور انٹار راہ میں چند مرتبہ حضور میں طلب کر کے تسلی و دلاسا دیا اور وعدہ کیا کہ فیض آباد پہنچ کر ان کے بارے میں جو کچھ تجویز کی گئی ہے عمل میں آئے گی جب فیض آباد پہنچ گئے تو مرض کی شدت کا ذکر درمیان میں لا کر ایفائے وعدہ سے معذوری ظاہر کی۔ صرف ان کی ذات کے لئے ایک ہزار روپیہ ماہوار مقرر کر کے اجازت دی کہ خاص اپنے متعلقین کو الہ آباد سے طلب کر لیں اور جب وہ لوگ آجائیں گے تو ایک ہزار سو ارکا سالہ عنایت کیا جائے گا۔ نوابِ محبت خاں کی غیرت نے یہ تقاضا نہ کیا کہ ان کی والدہ یمنیں بھائی اور دوسرے عزیز و اقارب تو قید میں رہیں اور محض ان کے بیوی بچوں کو رہائی مل جائے اس لئے اس امر کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور تنہا اپنے بھائی نواب ذوالفقار خاں کے ساتھ جو ابتدا سے شجاع الدولہ کے لشکر میں نظر بند تھے رہنے لگے۔

سلیہ وہی عبدالقادر روہیلہ ہے جس نے شاہ عالم بادشاہ کی آنکھیں نکال لی تھیں اور جس کی اس نومذہب حرکت کی بنا پر تمام روہیلہ قوم کو نادر افغان لوگ غلطی سے ظالم و جابر خیال کرتے ہیں۔

(۳۶)

شجاع الدولہ کی ایک خواب پریشان

اور وفات

اس دوران میں شجاع الدولہ کے مرض نے غیر معمولی ترقی کی۔ یہاں تک کہ ہلاکت کی نوبت آگئی۔ جب صحت یابی کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں تو انہیں ایام میں ایک روز انکی والدہ گریہ و زاری کرتی ہوئی سرہانے آئیں اور فرمایا کہ۔

”اے لختِ جگر اس وقت میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ تم اپنی صحت کی نیت سے پٹھانوں کے خاندان کو چھوڑ دو اور ان کی مدد و معاش کے لئے وظیفے اور کفالت مقرر کرو تاکہ بیوہ عورتیں اور چھوٹے بچے جو رات دن آہ و نالہ کرتے ہیں اور شام سحر تنہا سے حق میں درگاہ رب العزت میں بددعا کرتے ہیں اپنی بددعا کا سلسلہ موقوف کر دیں۔“

بئرس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن

اجابت از در حق بہر استقبال می آید

شجاع الدولہ نے دل پرورد سے ایک آہ سر و کھینچ کر جواب دیا کہ۔

”قبائلِ افغانہ کے قید رکھنے میں بڑی مصلحت ہے اس سے فسادِ عظیم رکا ہوا ہے اگر

یہ لوگ چھوڑ دئے جائیں تو فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔ بھگوا اپنے مرنے کا کوئی غم نہیں

اگر میں اس وقت پٹھانوں کو چھوڑ دوں تو لوگ کہیں گے کہ یہ شخص موت سے ڈر کر بھاڑی

کرنے لگا اور یہ بات شجاعت و حمیت سے بعید جانتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہی مرض میرے مرنے کا ہمانہ ہے۔ اس لئے کہ کل رات میں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک صحرائے لن و دق میں میرا ہاؤں کچھڑ میں پھنس گیا ہے۔ میں نے بہت زور لگایا اور کوشش کی کہ نکل جاؤں لیکن نہ نکل سکا اور نہ اس وقت کوئی مددگار پایا..... یہ واقعہ کے خوف و ہول سے میری آنکھ کھل گئی..... اب میرا اس جہان فانی سے سفر ہے“

اپنی والدہ سے خواب بیان کرنے کے بعد شجاع الدولہ نے دوسرے معتمد لوگوں کو جو اُس وقت حاضر خدمت تھے وصیت کی کہ میرے بعد میرے بیٹے آصف الدولہ کو مسند نشین کیا جائے اور انگریزوں سے جو برتاؤ میں کرتا تھا وہی میرے بعد کیا جائے۔ فوج کی کثرت پر مغرور ہو کر اُن سے مخالفت نہ کی جائے۔ لیکن اُن کو اپنے ملک و مال میں دخل بھی نہ دیا جائے کیونکہ کھاکا قدم جم جانے کے بعد اکھڑنا سخت دشوار ہے۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری وصیتیں کرتے کرتے روز پنجشنبہ چار گھڑی رات باقی رہے ۲۳ ذی قعدہ ۱۲۶۶ مطابق ۲۶ جنوری ۱۸۵۰ء کو بعمر ۴۴ سال وفات پائی۔ ۲۳-۲۴ برس کی عمر میں مسند نشین ہوئے اور ۲۱ سال حکومت کی۔

مولف سیر المتاخرین شجاع الدولہ کی موت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ۔

”شجاع الدولہ۔ نوجوان و آرزو مند دنیا سے گزرے جس قدر انھوں نے اقتدار پایا تھا اُس سے بخوبی ارمان نہ نکلا اور حسرت و یاس لے کر دنیا سے چلے گئے۔ اگرچہ اوصاف حمیدہ بھی اُن کی ذات میں تھے لیکن بعض باتیں ایسی بھی اُن سے سرزد ہوئیں کہ جن کی پاداش میں حق تعالیٰ نے عین جوانی میں دولت و شہمت سے لذت اٹھانے کی

تمہلت نہ دی اور ہزاراں ہزار افسوس کے ساتھ رہ کر اسے ملک عدم ہوئے۔
میر قاسم علیجا کے ساتھ بد عہدی کی گونہان مذکور اس کا سزاوار تھا۔ لیکن شجاع الدولہ کو
یہ لازم نہ تھا کہ جو کوئی بٹاہ میں آئے اور جس کے ساتھ کلام اتی اپنا اور ائمہ طاہرین
کی قسموں کا واسطہ کر کے عہد و پیمان کیا جائے اُسی کے ساتھ بد عہدی کر کے دغا بازی
کرے اور لوٹ مار کر کے ایسے امیر یا قویر کو ننگ دھڑنگ نکال دے۔

اپنے مالک محروسہ کے وظیفہ خواروں سے ایسے بد گمان ہوئے کہ اس جماعت کو
جولاکھوں سے زیادہ ہتی ایک قلم روزینہ اور وجہ معاش سے محروم کر دیا۔ انکی آرافیت
اور دیہات کو ضبط کر لیا جس کے نتیجہ میں خلق اللہ ایسی تنگ ہوئی کہ بعض نے تو
غیرت کے ماسے اپنے اپنے گھروں کے دروازے بند کر کے شرم سے منہ نہ دکھایا
اور جان دیدی اور بعض نے کاسٹہ گدائی ہاتھ میں لے کر در بدر بھیک مانگی شروع
کر دی۔ ممکن ہے دس بیس لے کوئی خطا کی ہوگی پس مناسب یہ تھا کہ صرف بھرتین
کو سزا دی جاتی اور اس سے بھی بہتر یہ تھا کہ ان سے بھی اغاض فرمایا جاتا جیسا کہ حق تعالیٰ
کسی نیک و بد کی روزی کبھی بند نہیں فرماتا۔

عموماً اپنے خاص آدمیوں اور ماتحتوں کے ننگ و ناموس کا پاس و لحاظ بہت کم کرتے
تھے اور نہ ان کی عرض و معروض پر توجہ کرتے تھے۔

اپنے مکانات کے بنائے میں کسی محل اور جھونپڑے کی پرواہ نہ کرتے تھے اکثر لوگوں کے
مکانات مع مال و سباب بیلداروں کے ہاتھ سے گھد وا ڈالے اور اپنی عمارات
خاطر خواہ بنوالیں اس ظلم و بے داد کی بجز خدا کے اور کون سزا دے سکتا تھا؟

۱۵ میر قاسم کی سزا داری غلط ہے۔ دیکھو راز آف دی کرپشن پاور ان انڈیا۔

۱۶ سیر التاخرین۔

اسی طرح مولف تاریخِ اودھ لکھتے ہیں۔

”روہیلوں کو نہایت قساوت اور بے رحمی کے ساتھ پامال کر دیا۔ ہزاروں امراء، علماء، فضلاء، مشائخ اور گوشہ نشینوں کی جاگیریں اور ملکیں ضبط کر کے نان نشینہ کو محتاج کر دیا اور ان میں سے ہزاروں کو نہایت مصائب کے ساتھ قید کیا۔ ان کی عبادت گاہوں کو خراب و برباد کر دیا۔ ان کی عورتوں کی عزت و آبرو کو خاک میں ملایا۔ ان کے گائوؤں میں آگ لگوا دی۔ بچوں کو ماؤں کی چھاتیوں پر قتل کرایا۔ لاکھوں آدمیوں کو گھر سے بے گھر کر دیا اور ان کو قتل کر کے ان کی لاشیں چیل کوؤں کو کھلوائیں ان کے ساتھ اللہ و رسول کی تمیں کھائیں۔ بختن اور قرآن کا درمیان میں واسطہ کیا اور پھر دھوکا دیا اور کسی وعدہ کا لحاظ نہ کیا۔ غرض کہ روہیلوں کے ساتھ شجاع الدولہ نے ایسی بیرحمی کی کہ ان بے کسوں کی مظلومی سے غیرت آئی جو ش میں آکر شجاع الدولہ سے انتقام لینے پر آمادہ ہو گئی۔ اور جن لوگوں نے ان کے خون سے ہاتھ رنگے تھے انکے گھروں میں سے ایک تخت حکومت و ثروت مستاصل ہو گئی۔ نیز منعم حقیقی نے مکانات میں ایسی سادات برتی کہ شجاع الدولہ نے جو روہیلوں کی بیکس عورتوں پر زرو مال کے لئے تشدد کیا تھا اس سے زیادہ تشدد خود ان کی بیوی اور ماں وغیرہ پر پانچ چھ ہی برس کے عرصہ میں ظہور میں آ گیا۔“

دورانِ بقا چو بادِ صحر ابلکہ شبت
تلخی و خوشی و زشت و زیبائے شبت
پنداشتِ ستمگر کہ بجا بر ما کرد
برگردنِ اوبماند و بر ما بگذشت

(۳۷)

ہیٹنگز کے طرزِ عمل پر بعض انگریز مصنفین کا تبصرہ

شجاعتِ شعار و معدلتِ گسار روہیلہ قوم کی خوفناک تباہی اور ان کے محبوب و ہرملِ عزیز سردار کی حسرتِ ناک بربادی پر جس طرح ہم لوگ شجاع الدولہ کی ناصحِ شناسی اور ظلم و تعدی کی مذمت کرتے ہیں اسی طرح کچھ درد مند اور ایمان دار انگریز محققین اور مدبرین نے بھی اپنے ہم قوم گورنر ہیٹنگز پر جو اس ظالمانہ جنگ کا بانی مبنی تھا بہت سخت لعنتِ ملاست کی ہر جیسا کہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے۔

مسٹر برگ ممبر پارلیمنٹ ”اس بڑے نیلام کنندے ہیٹنگز نے لڑائی کی بغیر کسی مغفول وجہ کے

اپنی بلند بانگ فرض شناسی و اصول پروری کے باوصف اُسی شجاع الدولہ کے

ہاتھ دوسرا نیلام تمام روہیلہ قوم کا کر ڈالا۔ اور چالیس لاکھ روپیہ لے کر غلوفی خدا کو مکمل

استیصال کے لئے بیچ ڈالا۔ ہماری جانب سے معاہدہ کی پوری پوری پابندی کی گئی۔

اور روہیلوں کے ممتاز ترین سردار اور اپنے عہد کے سب سے بہادر انسانِ مظلوم رحمت علی

پر جو تمام ایشیا میں اپنی دلیری کی طرح اپنی عدہ شاعری میں بھی شہرتِ عام رکھتا تھا

انگریزی بریگیڈ اور ایک لاکھ فوج سے حملہ کر دیا۔ یہ شخص اپنے پاس نسبتاً کم فوج رکھنے

کے باوجود اپنے مکاب کی حفاظت میں نہایت بہادری کے ساتھ مقابلہ کر کے مارا گیا۔

اس کا سر کاٹ ڈالا گیا اور روپیہ کے بدلے میں ایک انسانِ خداوند کے کو دیدیا گیا۔

حافظِ رحمتِ خاں کی عظیم المرتبت بیوی اور نیچے انگریزی کمپ میں مٹھی بھر چاولوں

کی بیک مانتے دیکھے گئے اور پوری روہیلہ قوم باستغنائے معدودے چند

نا قابل ذکر افراد کے یا تو ہلاک کر دی گئی اور یا ملک بدر کر دی گئی۔ تمام ملک نذرِ آتش و تیش کر کے بھار ڈالا گیا۔ اور وہ سرزمین جس میں ایک خود مختار موروثی حکومت کی خوشگوار برکات و خوشائیاں تھیں۔ اور جو مزدوروں کی حفاظت جان و مال اور ایک منتخب مرکزِ زراعت و آبشار و خورد و نوش کے ہونے کے لحاظ سے دوسری بکثرت سرزمینوں میں بہت ممتاز تھی اب ایک لقمہ و قحط بھیانک ویرانہ ہے جس میں خود و درخت۔ کانٹے دار بھاریوں اور وحشی درندوں سے بھرے ہوئے جنگلوں کی فراوانی ہے۔ اُس انگریز افسر نے جو وقتِ شہدہ مخلوق کو بکریوں کی طرح تھاب خریدار کو حوالے کرنے کے کام پر تھیں تھا اپنی خدمت کی بجائوری میں کچھ رنج و قلق محسوس کر کے اُن بے پناہ مظلوم کو جو عمل میں لائے جا رہے تھے کم کرانے کے لئے پریسڈنٹ بنگال کو آمادہ کیا تو ایک سول گورنر نے اس کو سخت ملامت کی۔“

لارڈ میکالے ”..... اس کے بعد روہیل کھنڈ کی سرسبز و شاداب وادی اور خوبصورت

شہر خوشاک جنگ و جدال کا شکار بنائے گئے۔ تمام ملک آتش کدہ مزد و بنا ہوا تھا۔ ایک لاکھ سے زیادہ آدمی اپنے مکانات چھوڑ کر جنگلوں میں بھاگ گئے۔ ان لوگوں نے بھوک۔ وبا اور بھیڑیوں کے منہ میں پڑنے کو اس شخص کے مظلوم پرتوجہ دی جس کے ہاتھ ایک عیسائی گورنمنٹ نے ان کی جان و مال اور بیوی اور لڑکیوں کی عزت و آبرو بیچ ڈالی تھی۔ کرنل چیمپین نے ان مظلوم کی نواب وزیر سے شکایت کی اور فورٹ ولیم میں اپنا سخت احتجاج کھ کھیا۔ لیکن چونکہ گورنر نے وزیر سے معاہدہ کے وقت فاتح وزیر کو مفتوح روہیلوں پر اپنے مجوزہ مظلوم عمل میں لانے سے باز رکھنے کے متعلق کوئی شرط نہیں کی تھی۔ اس لئے اس نے بجز اپنے چالیس لاکھ روپیہ کے اور

ہوئی ہو جس سے خود اس کا کوئی نزاع نہ ہو۔“

مسٹر لاوٹ ”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہیسٹنگز کے دماغ میں انسانی ہمدردی کے جذبات کا مطلق وجود نہ تھا۔ ایک ایسی تجویز کو جو ہر دوسرے انسان کو ناقابلِ بیان طور پر لرزہ بر اندام کر دیتی۔ اُس کو اُس نے ایک معمولی کاروباری معاملہ کے طور پر قبول کر لیا۔ ہیسٹنگز کہتا ہے کہ: ”دیکھو ہم بچہ بھاری قرضہ کا بار ہے جو ایک کروڑ پچیس لاکھ روپیہ تک پہنچ چکا ہے۔ اور اس تجویز (یعنی دو لاکھ دس ہزار روپیہ ماہوار پر شجاع الدولہ کو فوجی امداد دینے) سے دورانِ جنگ میں تقریباً ایک تہائی فوجی مصارف نکل آنے کے علاوہ نہ صرف چالیس لاکھ روپیہ کی رقم خیر ہمارے خزانے میں آجائے گی بلکہ نواب وزیر بھی۔ ایک تکلیف دہ ہمایہ سے نجات پا جائے گا، اس خوفناک انسان کے یہ خود اپنے الفاظ ہیں۔ شجاع الدولہ سے سودا پٹ گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے لئے اسے کونسل اور کورٹ آف ڈائریکٹرس سے پوشیدہ رکھا گیا۔ اپنے ایک خط میں جواب تک موجود ہے۔ ہیسٹنگز نے شجاع الدولہ کو لکھا کہ: ”اگر وہ پہلے قرارداد کی خلاف ورزی کریں گے تو ہم ان کا مکمل استیصال کر دیں گے اور آپ کو ملک پر قابض کر دیں گے، پس چالیس لاکھ روپیہ کاروباروں سے اچانک مطالبہ کیا گیا۔ اور چونکہ اس شرارت آمیز کارروائی میں ہر بات بد معاشی کا پہلوئے ہوئے تھی اس لئے پہلے روپیوں سے ان کا مال و متاع اور روپیہ مانگا گیا۔ اس کے بعد انہیں ہلاک کر ڈالا گیا۔“

مسٹر جان مارلے ”کیا کوئی انگریز جس کو ذرا بھی اپنے ملک سے محبت ہے اس قدر فاصلہ پر ہٹیکر بھی اس قابلِ نفرت جرم کے حالات کو اپنے کانوں میں سننا ہٹ محسوس کئے

۱۵ برس انڈیا اینڈ انجینئر پبلیکیشن پرنسپل صفحہ ۲۵۔

۱۶ منقول از فٹ نوٹ۔ رازِ آف دی کرپشن پاور ان انڈیا جلد دوم صفحہ ۷۔

بغیر بڑھ سکتا ہے؟..... جب ان برذاتیوں کو ہیسٹنگز کے سامنے پیش کیا گیا تو اُس نے قدیم المثالِ خود اعتمادی کے ساتھ جواب دیا کہ: "مشرقی جگہ و ہمال میں یہ معمولی باتیں ہیں۔ ہم خود دس سال قبل جب اسی نواب اودھ سے جنگ کر رہے تھے تو ہم نے بھی اُس کے ملک کو اسی طرح غارت و نذرِ آتش کر دیا تھا۔ جس طرح آج اس نے روہیلوں کے ملک کو تباہ و برباد کیا ہے۔ لڑائی میں گلاب نہیں پھیرا جاتا، لے....."

(۳۸)

حافظ الملک کا طرز حکومت اور ذاتی حالات

سلطنت روہیل کھنڈ جس کی بنیاد اوڈھاں نے ڈالی۔ جس کو ذاب علی محمد خاں نے قائم کیا اور جس کو حافظ الملک نے مضبوط و مستحکم اور ترقی پذیر بنایا۔ اٹھارویں صدی کی ان کثیر التعداد ہندوستانی ریاستوں میں سے ایک تھی جو دہلی کی مرکزی حکومت کے کمزور ہو جانے کے باعث عالم وجود میں آئی تھیں۔ لیکن روہیل کھنڈ کے حکمرانوں نے باوجود یکہ حکومت دہلی کو حتی الامکان کسی قسم کا خراج نہیں دیا۔ تاہم ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ شاہان دہلی سے ان کے تعلقات خوشگوار رہیں۔ جب کبھی دہلی پر کوئی مصیبت نازل ہوئی یا بادشاہ دہلی کو ان کی امداد کی ضرورت ہوئی۔ یہ حکمران فوراً سینہ سپر ہو کر سرفروشی پر آمادہ ہو گئے۔ اگر ضرورت اور شجاع الدولہ کی فتنہ پردازیاں اس زمانہ میں کارفرمانہ ہوتیں اور یہ خود غرض لوگ روہیلوں کو اپنی طاقت بڑھانے اور اس کو قائم رکھنے کی کچھ بھی فرصت دے دیتے تو ناممکن تھا کہ انکی موجودگی میں سلطنت دہلی یا آگے چلکر خود ریاست اوڈھ کا بآسانی خاتمہ ہو جاتا۔ خان بہادر مولوی مطیع اللہ خاں مرحوم اپنی غیر مطبوعہ تاریخ شاہجہانپور میں لکھتے ہیں کہ۔

”ہندوستان میں اسلامی حکومت کا خاتمہ روہیل کھنڈ میں دراصل حافظ الملک کی شہادت کے دن ہو چکا تھا۔ اوڈھ کی حکومت رقص بسمل تھی جو بہت جلد سر ہو گئی۔ اگر شجاع الدولہ نے انگریزی توپوں کے استعمال سے روہیلوں کا خاتمہ نہ کیا ہوتا تو لارڈ کلہوزی کی باریک بین نظر کو انڈیا کے نقشہ پر ریاست اوڈھ بھی بدنامہ داغ نہ معلوم ہوتی اور وہ اس کو مٹانے میں عجلت سے کام نہ لیتے۔“

روہیلوں کی یہ طاقت و سرسلطنت جس کو بداندیش اور خود غرض لوگوں نے اس قدر بے دردی کے ساتھ برباد کر دیا حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی ماتحتی میں بڑے بڑے سرداروں پر ملاقات اور جاگیروں میں بٹی ہوئی تھی۔ مثلاً پچاس لاکھ روپیہ کا علاقہ خاص حافظ الملک کی جاگیر میں اور بقیہ عبداللہ خاں رئیس شاہجہان پور۔ نواب دوندے خاں۔ نواب فیض اللہ خاں۔ فتح خاں خاناماں اور نجی سردار خاں وغیرہ پر علی قدر مراتب منقسم تھا۔ یہ تمام روہیلہ سردار گو ایک دوسرے کے تابع فرمان نہ معلوم ہوتے تھے لیکن باطن یک دل اور یک قالب تھے۔ دانش مندی۔ بہادری اور آپس کے اتفاق میں مشہور تھے؛ جس کے باعث جس وقت ہندوستان میں لاہور سے اس کماری تک کہیں امن وامان نہ تھا اور ہر طرف فتنہ و فساد کی گرم بازاری تھی۔ اس وقت روہیلوں کے ملک میں کہیں تپتہ بھی نہ ملتا تھا۔ روہیلوں کے اتفاق کی یہ صورت تھی کہ ضرورت کے وقت اپنے سردار کی ایک آواز پر ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے تھے۔ اگر کسی ایک سردار کی ریاست پر کوئی حملہ کرتا تو تمام دوسرے سردار قومی جوش میں آکر لڑنے مرنے کو مستعد ہو جاتے تھے؛

روہیلہ گورنمنٹ کے قوانین نہایت قابلِ تعریف تھے۔ ان کی عملداری میں چوری۔ دکنیتی اور ٹھگی ہرگز نہ ہوتی تھی۔ اگر اتفاقاً کسی شخص کی کوئی چیز گم ہو جاتی تو کسی نہ کسی طرح اس کا کھوج لگایا جاتا؛ دیہات اور غھروں میں مختلف اہل مذاہب کی مخلوط پچائیں اور برادریاں ان پیشوں کے اعتبار سے جو انھوں نے اختیار کر رکھے تھے قائم تھیں۔ ان کا ایک سرنچ یا چودھری ہو اگر نا تھا۔ جس کا فیصلہ جملہ امور میں سرکاری حکم سے زیادہ وقعت رکھتا تھا۔ ان پچائیتوں میں قسم کے مال اور فوجداری کے مقدمات طے ہونے کے علاوہ بازار میں فروختنی ہتھیار کے نرخ بھی طے ہوتے تھے۔ اور حکومت کے مقرر کردہ عاملوں۔ قاضیوں اور مفتیوں کے پاس پچائی برادری کے لوگوں کے مقدمات شاؤ و ناؤ رہی جاتے تھے۔ عوام کی اس اندرونی آزادی و خود مختاری کو حافظ الملک نے عام رواج دینے کی بہت کوشش کی چنانچہ چودھریوں کی انتہائی

غرت و توفیر کرنے تھے اور ان کی ہمت افزائی کی تمام ممکن تدابیر عمل میں لاتے تھے۔

فحشی حکومت میں جمہوری
حافظ الملک کی حکومت اُس زمانہ کے عام رواج کے مطابق شخصی
حکومت کی برکات تھی لیکن اُس کا انداز اور اُس کے نتائج جمہوریت سے ملتے جلتے تھے۔

امورِ مملکت میں عوام کو دخل اندازی کا زیادہ سے زیادہ حق حاصل تھا جو جمہوری حکومت کی خصوصیت سمجھی جاتی تھی۔ بڑے سے بڑے رکنِ سلطنت حتیٰ کہ مسندِ نشین حکومت کی اولاد تک کی پر مجال نہ تھی کہ کسی عامی سے عامی مسلم یا غیر مسلم فرقوم پر بیجا جبر و تشدد کر سکے۔ راعی و رعایا کے درمیان تحفظِ استِ خاص کی غلیج حائل نہ تھی۔ اخوت اور مساوات و آزادی کا دور دورہ تھا۔ اور جس طرح اللہ کی اس سب سے بڑی نعمتِ دابِ سرِ زمین پر حکمران جماعت کے لوگ افتخار و سر بلندی کے ساتھ چلتے تھے اسی طرح ایک معمولی دہقان اگر کڑا و رسیدہ تان کر چلتا تھا۔ سردارِ قوم کی حریتِ نوازی کے باعث کسی کی یہ جرات نہ تھی کہ عوام کی آزادی خیال اور آزادی عمل میں رخنہ اندازی کر سکے۔ اور اگر کوئی ایسا کرتا تو عام اس سے کہ اس کی شخصیت کیسی ہی بڑی سے بڑی کیوں نہ ہوتی ہرگز ہرگز خطا پوشی نہ کی جاتی تھی۔ اس طریقہ حکمرانی کا نتیجہ یہ تھا کہ عوام میں روحِ آزادی و حریت فنا نہ ہونے پاتی تھی۔ جو حافظ الملک کو حد درجہ عزیز تھی چنانچہ ایک واقعہ ہے کہ ایک روز حافظ صاحب کے صاحبزادے حافظ محمد یار خاں نواحِ پیلی بھیت میں بہن کے شکار کے واسطے گئے۔ جب جنگل کے قریب پہنچے تو اپنے ہمراہیوں اور باقی گھوڑوں کو ایک گاؤں میں چھوڑ کر تنہا محمد خاں غلجی کو جو فنِ شکار میں بڑی مہارت رکھتا تھا ساتھ لیکر جنگل کی راہ لی۔ اثنائے راہ میں چند بہن دکھائی دئے۔ فوراً ان کا تعاقب کیا اور نزدیک پہنچ کر خود تو ایک جگہ تاک لگا کر بیٹھ گئے اور محمد خاں کو بہنوں کے گھیر کر لانے کے واسطے روانہ کر دیا اتفاقاً ایک دہقان بھی اس وقت ادھر آکھلا اور بہنوں کی طرف جانے لگا محمد خاں نے آواز دیکر اُس کو بہنوں کی طرف جانے سے منع کیا لیکن وہ آواز سننے کے باوجود اپنا قدم اٹھائے آگے ہی چلا گیا۔ محمد خاں نے بار بار آوازیں دیں لیکن اس نے کچھ پروا نہ کی یہاں تک کہ

اس کے پروں کی آہٹ سے ہرن و ہشت کھا کر دوسری طرف بھاگ گئے اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ اس پر محمد خاں غضب ناک ہو کر اس کی طرف بھینٹا۔ وہ دہقان بھی لوٹ پڑا۔ محمد خاں نے اس کو گالی دے کر کہا کہ۔

”تجھ کو کیا ہو گیا تھا جو تولے میری بات نہیں سنی اور میرا شکار کمال دیا؟“
گالی کے جواب میں دہقان نے بھی محمد خاں کی شان و شوکت ظاہری کا لحاظ کئے بغیر گالی دی اور کہا۔

”میں تمہارے واسطے کیوں اپنا راستہ چھوڑ دیتا۔“

اس جواب پر محمد خاں نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا۔ دہقان طمانچہ کھا کر ایک طرف کو چند قدم بھاگا اور رسالت اور دہقانوں کو جو اپنے پھلکڑوں پر چٹکل سے لکڑیاں لا کر لارہے تھے بلالایا اور آتے ہی اپنے ساتھیوں کے بھروسے پر ایک لاشی محمد خاں کے سر پرادی۔ محمد خاں قوی الجثہ شخص تھا دہقان کو لپٹ گیا اور زمین پر پکاک کر اس کی چھاتی پر بیٹھ گیا۔ اسی دار و گیر میں حافظ محمد یار خاں بھی وہاں آ پہنچے اور انھوں نے غصہ میں بھر کر اپنی چھری نکال کر محمد خاں کے ہاتھ میں دیدی۔ غصہ سب تھا کہ محمد خاں دہقان کا چھری سے کام تمام کر دے کہ دوسرے دہقانوں نے اپنے ساتھی کو بچا لیا اور سب کے سب محمد خاں اور حافظ محمد یار خاں کو لات گھونسوں سے مارنے لگے۔ محمد خاں نے حتی الوسع اپنی اور حافظ محمد یار خاں کی بہت مدافعت کی لیکن ایک پیش نہ گئی مجبوراً محمد خاں نے کہا کہ۔

”اے کافر وہ حافظ الملک کے صاحبزادے ہیں ان کی خدمت میں کچھ بے ادبی نہ کرو۔“

لیکن ان مغلوب الغضب لوگوں نے محمد خاں کی بات کا یقین نہ کیا اور دل میں یہ خیال کر کے کہ بھلا حافظ الملک کا بیٹا کیوں اکیلا حیران و پریشان جنگلوں میں مارا مارا پھر بگا مار پیٹ سے ہاتھ نہ اٹھایا۔ اتنے میں حافظ محمد یار خاں کے پیادے اور سوار جو دیر ہو جانے کے باعث انکی تلاش میں نکلے تھے اس طرف کو آتے دکھائی دئے۔ دہقانوں نے اس لشکر کو دیکھ کر

یقین کر لیا کہ محمد خاں سچ کہتا تھا۔ واقعی یہ حافظ الملک کا لڑکا ہے اور اب اُس کی پہلی فوج آ رہی ہے۔ بدحواس اور خوف زدہ ہو کر جنگل میں بھاگ گئے اور منتشر ہو کر درختوں کی آڑ میں پوشیدہ ہو گئے۔ جب سوار اور پیادے وہاں پہنچے تو صاحبزادے صاحب کے حکم سے حملہ آور وہقانوں کی تلاش شروع کی گئی۔ ہر چند ڈھونڈھا مگر ایک شخص ہاتھ نہ لگا۔ آخر کار ان کی گاڑیاں کھینچ کر پہلی بھیت لے آئے۔ چند روز کے بعد وہقان مذکور از خود شہر میں داخل ہو کر ملک سید خاں خشک عامل پہلی بھیت کے پاس آئے اور کہا کہ۔

”کوئی شخص ہماری گاڑیاں جنگل سے ہانک کر پہلی بھیت لے آیا ہے؟“

جب ملک سید خاں نے اُس شخص کا نام دریافت کیا تو کہا کہ نام ہم حافظ الملک کے حضور اقدس میں بتائیں گے ملک موصوف نے اس واقعہ کو حضور اقدس میں عرض کیا جس پر ان لوگوں کو حاضر ہونے کا حکم صادر ہوا۔ جب وہ حضور میں حاضر ہوئے حافظ الملک نے اپنے نزدیک بلا کر بکناوہ پیشانی اُن سے حقیقت حال بیان کرنے کا حکم دیا۔ اُن لوگوں نے عرض کیا کہ۔

”حضور کے صاحبزادوں میں سے ایک صاحبزادے ہمارے گاڑی بیل جنگل سے لے آئے ہیں؟“

ارشاد ہوا کہ۔

”اس کا سبب کیا تھا اور ہمارے بیٹوں میں سے کس نے یہ کام کیا ہے؟“

چونکہ یہ لوگ حضور دار تھے اس لئے حافظ الملک کے بار بار اصرار کے باوجود صاف صاف نہ بتلا سکے۔ اس پر حافظ الملک نے فرمایا کہ۔

”وہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور بخار ہے لیکن میں تمہارے قصور کو معاف کرتا ہوں۔ اب تم

بتلاؤ کہ کون تمہاری گاڑیاں زبردستی لے آیا ہے اور اس کا سبب کیا تھا؟“

جاں بخشی اور معافی حضور کا اطمینان ہو گیا تو وہ ہقانوں نے کہا کہ

”معاذِ ندادے حافظ تمہارا خاں ہماری گاڑیاں اور بیل جنگل سے لے آئے ہیں اور

ان کے گاڑی خانہ میں اب تک موجود ہیں ۱

حکم ہوا کہ حافظ محمد یار خاں کو مع گاڑیوں اور پہلوں کے حاضر کیا جائے۔ جب وہ حضور میں حاضر ہوئے تو کمالِ قہر و غضب اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ۔

”ان بے گناہوں نے کیا گناہ کیا تھا کہ ان کی گاڑیاں اور پہلے تم زبردستی یہاں پکڑ لائے ہو؟“
حافظ محمد یار خاں نے عرض کیا کہ اس کا سبب انہیں لوگوں سے دریافت کیا جائے۔ حافظ الملک نے دوبارہ نہایت شفقت و محبت سے فرمایا کہ

”اس وقت معی اور مدعا علیہ دونوں موجود ہیں۔ واقعہ بے کم و کاست بیان کرو۔“

معاملات میں ہمارے نزدیک اپنے اور بیگانے سب برابر ہیں ۲

تب اُن لوگوں نے شرمندگی سے سر جھکا لیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ اس کے بعد حافظ محمد یار خاں کو حکم ہوا کہ تم ہی اس واقعہ کا اظہار کرو۔ بوجب حکم حافظ محمد یار خاں نے اصل واقعہ کو مفصل عرض کیا اور اپنا ہاتھ اور اپنی پیٹھ جواب تک زخمی تھی کھول کر دکھلائی۔ ساتھ ہی محمد خاں خلجی کو بھی حضور میں حاضر کر کے اس کا تمام جسم جو زخموں سے چور چور ہو گیا تھا مشاہدہ کرایا۔ حافظ الملک نے تمام حال سننے کے بعد ارشاد فرمایا کہ۔

”ان بے چارے بے خبر لوگوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم خود اس تکلیف و صعوبت کے

سزاوار ہو..... خبردار آئندہ پھر اس قسم کی حرکت ناپسندیدہ کے قریب نہ جانا.....

ان نے خبر لوگوں سے نادانستگی کے عالم میں اس قسم کی حرکت وقوع میں آئی ہے۔ اس پر

سے ان سے کوئی مواخذہ اور باز پرس نہیں ہو سکتی۔ جاؤ ان لوگوں کی گاڑیاں اور پہلے

ان تمام چیزوں کے جو ان میں ہوں ان لوگوں کے حوالے کر دو اور ان کو رضامند کرو ۳

حافظ محمد یار خاں جو حافظ الملک کے غصہ اور غضب سے سہمے ہوئے تھے اس حکم کو غنیمت سمجھ کر دوبار سے اٹھ کر چلے گئے اور مطابق حکم علاوہ پہلوں۔ گاڑیوں اور ان چیزوں کے جو ان میں تھیں کچھ روپیہ بھی اپنے پاس سے دے کر ان لوگوں کو حضورِ اقدس میں روانہ کر دیا۔ تاکہ یہ لوگ خوش ہو کر

حافظ الملک کو اُن کی طرف سے مطمئن کر دیں۔

عدالت و انصاف حافظ الملک کے عہدِ فرخِ مہد میں رعایا اور بریاءِ دولت مند یا گدائے بے نوا کوئی ظلم و ستم کا نام نہ جانتا تھا۔ زبردست لوگ اُن کے انصاف کے ڈر سے کمزوروں اور زیر دستوں پر ظلم کرنے کی بجائے مسکینوں اور ناتوانوں کی امداد کرتے تھے۔ اور باز پرس کے خوف سے خصالِ ذمہ دار افعالِ شنیعہ سے تائب ہو گئے تھے۔ اُن کے انصاف کی کھری میں وضع و شریعت۔ خور و بزرگ۔ ادنیٰ و اعلیٰ سب کے ساتھ ایک سلسلہ کیا جاتا تھا۔ اور قانون کے اجرا میں جو مطابق شریعت اسلام ہوتا تھا۔ اہلِ رے کے بیٹوں۔ عزیزوں اور دیگر عوام الناس میں کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا تھا۔ خطا کاروں۔ گنہگاروں اور مجرموں کی سزا دہی میں حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کیا جاتا تھا اور حکومت کی جانب سے بڑے سے بڑے اشتعال کے موقع پر بھی حدِ انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جاتا تھا۔ خود حافظ الملک کی ذات پر قاتلانہ حملہ کیا جاتا اور مجرم کو صرف اس قدر سزا دینا گوارا کرتے جس قدر کہ قانونِ شریعتِ اہانت و دیتا۔ یہ نہیں کہ اپنی شخصیت کو فوقِ معمول تصور کر کے غیر معمولی سزا دیتے۔ نواب عبداللہ خاں ابنِ نواب علی محمد خاں نے اپنے مکان میں حافظ صاحب کو بلا کر قتل کرانا چاہا تو اس کی سزا انھیں صرف یہ دی گئی کہ عارضی طور پر کچھ عرصہ کے لئے ملک بدر کر دئے گئے۔ اسی طرح لیک اور اہم واقعہ کا ذکر ہے کہ ایک روز حافظ الملک بریلی میں اپنی مجلسِ مبارک محل میں مقیم تھے۔ رات کے وقت موافقِ معمول نمازِ تہجد کے واسطے اٹھے اور حسبِ قاعدہ کسی اہلِ حرم یا ملازم کو بیدار کئے بغیر جب پہلے بیتِ الخلاءِ شریف لے گئے تو اُس کے دروازے پر انھیں پاؤں کی آواز معلوم ہوئی۔ خیال کیا کہ اہلِ حرم میں سے کوئی اندر ہے۔ کچھ دیر توقف کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایسی ہیٹھ

۱۰ گلستانِ رحمت۔

۱۰ مبارک محل نام کی ایک پرانی عمارت بھی تو متصلِ طرہِ بل میں موجود ہو لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ چوٹی حافظ صاحب کی مجلسِ رات تھی۔ حافظ صاحب کی مجلسِ انظارِ شکرِ مہد میں مرزا فیاض کے قریب واقع تھی جس کا اب کوئی وجود نہیں ہے۔

معلوم ہوئی جیسے کوئی بیتِ انخلاء کے اندر سے باہر نکلتا ہے لیکن وہ آہٹ دروازے تک پہنچنے کے بعد متوقف ہو گئی۔ اس پر حافظ الملک کو مشہد ہوا کہ شاید کوئی چور ہے۔ بلا پس و پیش اندر داخل ہو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک قوی الجثہ شخص ایک بہت بڑا چھڑا ہاتھ میں لئے ایک گوشہ میں کھڑا ہے۔ اس شخص کو بعض نا عاقبت اندیش سرداروں نے روپیہ کالا لچو دیکر حافظ الملک کو قتل کرنے کی غرض سے بھیجا تھا اور ٹیخیں پھرے والوں اور دربانوں کی آنکھ بچا کر یہاں تک پہنچے ہیں کامیاب ہو گیا تھا۔ حافظ الملک نے اُس کے ارادہ بد کو محسوس کرنے اور اپنے پاس کوئی ہتھیار نہ ہونے کے باوجود نہ تو قدم پیچھے ہٹایا اور نہ کسی ملازم کو آواز دی بلکہ فوراً ایک ہاتھ سے اُس شخص کے پھرے والے ہاتھ کو پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ پر ایسے زور سے طمانچہ مارا کہ وہ چکر کھا کر زمین پر گر پڑا۔ اس کے بعد اُس کو کھینچ کر اندرون مکان سے باہر لے آئے اور دربانوں کو سپرد کر کے فرمایا کہ اپنے اس دوست کو پکڑو، پاسبان اور دربان اس حال کو مشاہدہ کر کے بدحواس ہو گئے اور سب کو یقین ہو گیا کہ اُن سب کی زندگی ختم ہو جائے گی لیکن حافظ الملک اس شخص کو اُن لوگوں کے سپرد کر کے مجلسِ تشریف لے گئے۔ اور غارِ تنجد اور ورد و وظائف میں مشغول ہو گئے۔ دوسرے روز بطریقِ معمول جب دیوانِ عام میں تشریف لائے تو راولپنڈی کے دیوان اور دوسرے سرداروں نے اُس کو واجبِ القتل کے قتل کا حکم صادر کرنے کی التجا کی۔ حافظ الملک کو چونکہ حدِ شرعی سے تجاوز نہ کرنے منظور تھا اس لئے اُن کے معروضہ کو قبول نہ کیا تب ان لوگوں نے عرض کیا کہ۔

”اگر حکم ہو تو اس معاملہ کی حقیقتِ حال کا استفسار شروع کریں تاکہ یہ معلوم ہو کہ کن کن گول

کے اغوا سے اس شخص نے یہ جرات و جبارت کی“

لیکن حافظ الملک نے اس رازِ سرِ بستہ کی تفتیش اور انکشاف کی بھی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ۔

”اس معاملہ کی تحقیق و تفتیش میں بہت سے خطرات ہیں۔ لیکن ہے کہ یہ فتنہ پردہ شخص

گروہِ انحراف کے اغوا سے ہمارے دولت خواہوں اور بزرگدیشوں میں سے کسی کو تنہم کر دے

یامرداروں میں سے کسی نے گناہ کا نام نہ دے۔ اس صورت میں لازم ہو گا کہ ان لوگوں کے ساتھ واجبی سلوک کیا جائے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ بہت سے سفیرانہ بنیوں اور ان کے علاوہ بہت سے بے گناہوں کو نقصان پہنچ جائے گا۔ یہ ممکن نہیں ہو کہ شخص جن لوگوں کے نام نہائے ان کو پھر سزا نہ دی جائے۔ کیونکہ یہ بات آئینِ امارت و ریاست سے بعید ہوگی۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ اس زیاں کار سے کسی قسم کی تحقیق و تفتیش نہ کی جائے۔“

اس ارشاد کے بعد حافظ الملک نے مجرم کو صندل خاں تختہ بریلی کے سپرد کر دیا۔ اور بتا کر تمام حکم دے دیا کہ اُس کو کھانے پینے کی کوئی تکلیف مطلق نہ دی جائے۔ دو تین دن کے بعد صندل خاں مذکور نے دیوانِ پہاڑ سنگھ وغیرہ ارکانِ دولت کے مشورہ سے اس شخص کی آنکھیں نکلوا دیں۔ جب حافظ الملک کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو ان کے غیظ و غضب کی کوئی حد نہ تھی اور قریب تھا کہ اس کے قصاص میں صندل خاں فوراً صارت سے محروم کر دیا جائے لیکن دوسرے اعیانِ دولت کی منت و سماجت اور انتہا درجہ کی الحاح و زاری سے مجبور ہو کر بدقت اس کے جرم سے درگزر کی۔ اُس شخص کو محبس سے نکال کر جراحوں کے سپرد کیا۔ اور کوششِ بلیغ کی کہ کسی طرح اُس کی آنکھیں ابھی ہو جائیں۔ چنانچہ چند روز کے بعد زخمِ اندامِ پدید ہو گئے اور حافظ الملک نے ایک روپیہ پویمہ اُس کے جیبِ خرچ کے لئے اور اس کا کھانا اپنے مطبخِ خاص سے مقرر فرمایا تاکہ دلالتِ ظہر فارغ البالی کے ساتھ ایامِ گزاری کر سکے۔

زراعت و تجارت حافظ الملک کے دورِ حکومت میں ان کی تمام مملکت آباد۔ زراعتِ مکمل اور رہنمایا خوشنودھی۔ اُفتادہ زمین کی کاشت ہوتی تھی اور مزارعین کو تقاوی کے ذریعہ امداد دیکر

صندل خاں کا بازار بریلی میں قلعہ کے قریب موجود ہے جو صندل خاں کی تریب کے نام سے مشہور ہے اور حافظ الملک کے زمانہ کی یادگار ہے۔

کاشتکاری کرانی جاتی تھی۔ مالگزاری صرف چوانی روپیہ لی جاتی تھی۔ اسی طرح تجارت کی ترقی بھی مدیم المثال تھی۔ ۱۹۷۹ء میں حافظ الملک نے اپنے مقبوضات میں سامان تجارت کی درآمد و برآمد پر ہر قسم کا محصول قطعی معاف کر دیا تھا۔ گو اس حکم کے صادر ہونے پر روہیل کھنڈ کے تمام سرداروں اور اہلکاروں نے سخت احتجاج کیا کیونکہ معافی محصول سے حکومت کو کئی لاکھ روپیہ سالانہ کا نقصان ہوتا تھا۔ لیکن حافظ الملک نے جو امور سیاسی کے ساتھ ساتھ سائل اقتصادی کے صحیح طور پر سمجھنے میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ اور ان معاملات میں اپنے ہمعصروں سے بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ فوج کے مصارف کثیر اور خزانہ میں روپیہ کی کمی کے باوصف اپنے حکم کو منسوخ نہ کیا۔ اس ایثار و تدبیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں آزاد تجارت کی بدولت باشت ندگان روہیل کھنڈ میں استفادہ خوشحالی و فارغ البالی اور ایشیا و خوردنی و پوشیدنی کی اس درجہ فراوانی و آسانی میں آئی کہ کسی زمانہ میں نہ دیکھی گئی تھی۔ رعایا کی خوشحالی سے حکومت کی آمدنی اور اس کے استحکامات میں بھی خلافت امیرِ عزم و قوت ترقی ہوئی۔ مسٹر فینیکسن نے اُس زمانہ کی بریلی کو جو اُس وقت بھی روہیل کھنڈ کا صدر مقام تھا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یہ کہا تھا کہ۔

”یہ شہر حافظِ رحمت خاں کی مخصوص دور بینی کے سبب سے ایک بہت بڑی تجارت گاہ بن گیا ہے“

عمارات حافظ الملک کو مخلوق کی آرام و آسائش اور اپنے مقبوضات کی رونق و خوبصورتی بڑھانے کے لئے عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا۔ اُن کا ایک مستقل محکمہ تعمیر تھا۔ جس میں بہت سے ہندوستانی اور ولایتی ماہرین فنِ تعمیر اور کاریگر بڑی بڑی تنخواہوں پر ملازم تھے۔ چنانچہ اپنے عروج و خوشحالی کے زمانہ میں اس محکمہ کی امداد سے انھوں نے طول و عرض روہیل کھنڈ میں بکثرت گڑھیاں طے۔ شہر بنائیں۔ جلسہ رایش۔ مسافر خانے۔ مہمان خانے۔ بازار۔ باغات۔ سڑکیں۔ پل۔ نہریں۔ نالاب۔ مدرسے۔ مسجدیں اور مفرے تعمیر کرائے۔ بریلی۔ آنولہ۔ حافظ گنج۔ پہلی بھیت۔ جلال آباد اور بدایوں وغیرہ میں اکثر عمارات تعمیر کرائیں جن میں بعض شکستہ اور بعض ابناک بہتر حالت میں

ہیں۔ بدایوں میں ایک خوبصورت مسجد جس کے احاطہ میں اُن کے والد شاہ عالم خاں کی قبر موجود ہو اور حضرت سید احمد رحمۃ اللہ علیہ والد حضرت نظام الدین محبوب الہی بدایونی ثم دہلوی کی درگاہ جو آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے اُنہیں کی تعمیر کردہ ہے۔

آنولہ میں نواب علی محمد خاں کا خوشنما مقبرہ اور پہلی بھیت میں ایک نہایت خوبصورت اور رفیع الشان جامع مسجد خاص طور پر اُن کے شوقِ تعمیر کی شاہد ہے۔ جامع مسجد کے علاوہ پہلی بھیت میں دو اور مسجدیں اور دریا کے کھڑے کھڑے آج تک اُن کی یادگار باقی ہیں۔

خاص بریلی کی عمارات میں مبارک محل۔ دیوان عام۔ دیوان خاص۔ اور قلعہ تھا جن کا صرف نام ہی نام باقی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شجاع الدولہ نے ان کو مسار کر کے صفحہ ہستی سے مٹا دیا یہاں تک کہ اُن کی صبح ہائے وقوع کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ مولوی ابوالحسن صاحب جھوڑی بریلی جو نلسٹ اس واقعہ کی تائید میں لکھتے ہیں کہ۔

”والیان ملک کے صنادیدِ عہد کے آثار ہزار ہا سال تک قائم رہتے ہیں۔ جن کو مٹانے کے لئے اودو اور لیل و نہار کو ترخوں تک مصروفِ جدوجہد رہنا پڑتا ہے لیکن مقامِ حریت ہے کہ حافظ رحمت خاں کے عہد کو صرف ڈیڑھ سو سال گزرے ہیں مگر اُن کے گھر بار کا کوئی ٹکڑہ اور ریختہ کھنڈر بھی اب کیسے نظر نہیں آتا۔ کیا اس سے والی اودھ کی بربریت کا پتہ نہیں چلتا کہ اس نے اپنے غضبِ انتقام سے حافظ اللہ کے محلات کو مسار کر کے گدھوں کے ہل چلوا دئے جس کا پتہ پہلی بھیت کی سڑکوں کی کھر بچہ والی کھدائی اینٹیں بربان حال دے رہی ہیں۔ البتہ اُن کے دیوان ریاست کے عالی شان وسیع محل کا کھنڈر پہلی بھیت میں اور کٹرہ مازائے کابلند پھاٹک بریلی میں باقی ہے یا ایک حمام کی شکستہ عمارت مرحوم کے غم میں گرم گرم آنسو بہاتی نظر آتی ہے۔ کیا اس کثیر العیال والی کھمیر نے اپنی اولاد کی دودو واداش کے لئے خس پوش مٹی کے چند جھونپڑے ہی بنوائے تھے جو چند ہی سال میں آندھیوں کے طوفان سے اڑ گئے اور بارشوں میں بہ گئے۔ مشہور ہے کہ بریلی میں حافظ اللہ کے محلات

(مبارک محل وغیرہ) مرزائی مسجد کے جانب شمال مشہور مرزائی باغ کے وسیع قطعہ پر واقع تھے۔ اور اس باغ کی سطح مرتفع سے پتہ چلتا ہے کہ مکانات کے اندام سے یہ جگہ بلند ہو گئی ہے۔ اور نواب اودھ کے جوش انتقام کی نوحہ خواں ہے وہ تو بھٹی نہایت اور شور عام کا خوف مانع تھا در نہ یہ خزانہ شخصِ ظالم کی تعمیر کردہ جامع مسجد کو بھی گر کر اس کے لبہ سے چالیس لاکھ کے تنا و ان کا ایک جز ضرور وصول کر لیتا۔“ (منقول از وفادار اخبار ملی)

یہ روایت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ بریلی شہر کسے میں مرزائی مسجد و باغ جو اس وقت موجود ہیں انھیں کے قریب مبارک محل وغیرہ واقع تھے۔ رہا قلعہ وہ شہر کے جانب غرب واقع تھا اور آج بھی ایک پورا محلہ اس نام سے موسوم ہے۔ رحمت خانی عمارت کا پتہ نہیں یہاں تک کہ قلعہ کے موجودہ دروازے بھی مسٹر جان انگلس مکملہ ضلع کے عہد کی تعمیر ہیں۔

حافظ الملک کے عزیزوں اور سرداروں نے بھی ان کے عہد میں بکثرت محلات اور مساجد تعمیر کیں جن میں سے آؤلہ میں بخشی سردار خاں۔ فتح خاں خاںساں اور بیگم کی مسجدیں۔ بریلی میں بی بی جی کی مسجد جو حافظ الملک کی ہمیشہ تھیں۔ اور بسولی میں نواب دوندے خاں کا قلعہ مسجد اور حمام وغیرہ اب بھی باقی ہیں۔ حافظ الملک کوئی عمارت بنواتے تو ان کے اس ارادے میں نواب عقیلی اور نفع رسانی خلق اللہ کی نیت ضرور شامل ہوتی تھی۔ بلکہ کچھ عمارتیں تو بنوائی ہی اس غرض سے گئیں کہ ان کی تعمیر کے سلسلہ میں ضرورت مند اور مفکوک الحال لوگوں کو روزی کمانے کا موقع ملے۔ مثلاً ۱۷۶۷ء میں راجپوتانہ میں بڑا سخت قحط پڑا۔ جس کی وجہ سے کثیر التعداد مارواڑی اور میراتی اپنا وطن چھوڑ کر دارالاسلام روہیل کھنڈ میں آئے لگے۔ حافظ الملک نے براہِ غرابانوازی ان کے لئے روزیہ کے طور پر کچھ رقم مقرر کر دی۔ لیکن جب ان لوگوں کی تعداد حد سے تجاوز ہو گئی تو محض ان کو ذریعہ معاش ہم پہنچانے کے لئے یہ تدبیر کی کہ ان لوگوں کو پہلی بھیت کے گرد اگر دھنناہ خام بنانے کا حکم دیا۔ جب ۱۷۶۳ء میں شہنشاہ نادر کو بدین کرتیا رہو گئی اور پھر بھی یہ ضرورت باقی رہی کہ جو امداد اس تعمیر کے سلسلے میں غریبوں کو مل رہی تھی وہ جاری رہے تو حکم دیا کہ اسکو توڑ ڈالا

جائے اور از سر نو پختہ بنایا جائے۔ پختہ شہرِ نہا کی ۶۹ء میں مکمل ہوئی۔ حافظ الملک کی اس مدیم المثال فیاضی کی بدولت تمام ماڈرواڑی اور میواتی جو نہایت غریب اور رنگ دست تھے والدہ راہ ہو گئے۔ اور روپیہ جمع کر کے زراعت و تجارت میں مشغول ہو گئے۔ آئندہ کے لئے انھوں نے روہیل کھنڈ ہی میں مستقل سکونت بھی اختیار کر لی۔

جامع مسجد پہلی بحیثیت کی تعمیر کا واقعہ اس سے بھی زیادہ سبق آموز ہے گو اس کی نوعیت ایک حد تک مختلف ہو۔ بریلی و بدایوں کی طرح پہلی بحیثیت میں کوئی جامع مسجد نہ تھی اور مسلمانوں کو جمعہ کی نماز ایک جگہ جمع ہو کر ادا کرنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ عام مسلمانوں کی اس تکلیف کا احساس کر کے حافظ الملک نے ۶۹ء میں اپنے محکمہ تعمیرات کے خاص خاص کارپردازوں کو جمع کیا اور جامع مسجد مہلی کے نقشے کے مطابق ایک عالی شان مسجد بنانے کا حکم دیا۔

جگہ کا سوال بہت پیچیدہ تھا۔ حافظ الملک کی خواہش تھی کہ دیوان خاص و عام اور محل سرا سے قریب کوئی مقام ہو لیکن یہاں مجلس سے شمال رو یہ بجز ساگر نال نامی ایک بہت بڑے اور نہایت گہرے تالاب کے کوئی دوسرا میدان نہ تھا۔ حافظ الملک نے اس تالاب ہی کو پاٹ کر مسجد بنانے کی خواہش ظاہر کی نظیبن نے عرض کیا کہ۔

”اس تالاب کے پاٹنے میں بے شمار روپیہ صرف ہوگا۔ اگر اس کی بجائے کوئی دوسری

جگہ پسند کی جائے تو مناسب ہوگا تاکہ ایک عالی شان مسجد بھی بن جائے اور اس قدر روپیہ

بھی صرف نہ ہو۔“

حافظ الملک نے فرمایا کہ۔

”ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ مسجد دیوان عام و خاص سے قریب بنے۔ تاکہ اکثر اوقات نماز

جامع مسجد میں ادا کی جائے۔ علاوہ بریں کوئی اور جگہ بھی خالی نہیں ہے جہاں اس عمارت

کو قائم کیا جاسکے۔ بہت سے غریب اور علماء کے مکانات ہیں جن کو ہمدار کر کے مسجد

تیار کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس بات کو ہماری طبیعت گوارا نہیں کرتی۔ ہمارے نزدیک

نے شمار روپیہ صرف کرنا آسان ہے لیکن محاجوں اور سکیمنوں کو تکلیف دینا غیر ممکن ہو۔
مہتممین تعمیر نے عرض کیا کہ۔

”اگر ان مکانوں کے عوض میں اُن کے مالکوں کو دوسرے مکان سرکار سے تیار کرادئے
جائیں تو اس میں اس قدر روپیہ صرف نہوگا جس قدر کہ اتنے بڑے تالاب کو پاٹنے
میں صرف ہوگا۔“

حافظ الملک نے جواب دیا کہ۔

”تمہارا مشورہ ہماری خیر خواہی پر مبنی ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ کوئی منہفیس اپنے مکان
کے انہدام پر راضی نہ ہوگا اگرچہ اس کے عوض میں اس سے بہتر ہی مکان اس کو بنا دیا
جائے۔“

کارپردہ اذوں نے عرض کیا کہ۔

”ان غربا کو ہم راضی کر لیں گے۔“

ارشاد ہوا کہ۔

”یہ لوگ کمزور ہیں زیرِ ہستی کے خوف سے خواہ مخواہ راضی ہو جائیں گے اور ان کی اس
طرح مجبورانہ رضامندی ہموہر گز منظور نہیں ہے۔ یہ امر عدالت و انصاف سے قطعی
بعید ہے۔“

اس آخری جواب کے بعد مزید عرض و معروض کی بالکل گنجائش باقی نہ رہی سب لوگ ناموش
ہو گئے اور حکم کے موافق اس عظیم الشان تالاب کو پاٹنے میں تعجیل تمام عمل میں لانے لگے۔ تالاب
پٹ گیا تو حافظ الملک نے بنا سٹنگ بنیاد کی رسم کے روزِ وہیل کھنڈ کے تمام علماء۔ فضلاء۔
فقراء۔ شیوخ اور قضاة کو مدعو کیا جب یہ تمام بزرگ جمع ہو گئے تو حافظ الملک نے ایک ممبر
پر کھڑے ہو کر یہ تقریر کی کہ۔

”اے بزرگانِ ملت اس مبارک تقریب کے موقع پر میں نے آپ صاحبوں کو عرض

سے جمع کیا ہے کہ آپ میں سے کوئی ایک ایسے بزرگ جنہوں نے کبھی اپنی آنکھ اپنا ہاتھ اور اپنا قدم حرام کی طرف نہ اٹھایا ہو وہ اس خانہ خدا کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھیں تاکہ اس کی برکت سے یہ پاک عمارت تا ابد الابد قائم و دائم رہے۔
ان الفاظ کو سن کر تمام حاضرین پر سکتہ کا سا عالم طاری ہو گیا اور سب نے اپنی اپنی گردنیں ٹھیکالیر خورمی دیر توقف فرمانے کے بعد حافظ الملک نے پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ۔

”الحمد للہ مجھ عاجز فقیر نے مدت العمر اپنی آنکھ۔ اپنا ہاتھ اور اپنا قدم حرام کی طرف نہیں اٹھایا ہے۔ اس لئے مجبوراً میں ہی اس خانہ خدا کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھتا ہوں۔ خدا میری مدد کرے“

اس کے بعد حافظ الملک نے اپنے دست حق پرست سے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اسی روز سے تعمیر کا کام جاری ہو گیا اور ایک مدت کے بعد جامع مسجد دہلی کے نمونہ کی ایک بہت خوبصورت اور وسیع و عظیم الشان مسجد جس میں بکثرت حجرے۔ والان۔ لانا چوڑا حوض ایک بڑا گھر کنواں اور بہت سے سقاوے اور غسل خانے وغیرہ شامل ہیں بن کر تیار ہو گئی۔ ملا حافظ سعد اللہ خطیب اور ملا موسیٰ موذن مقرر ہوئے۔ ایک عالم نے اختتام تعمیر کی تاریخ حدیث بنوی سے یہ منکالی بتی۔

۲۔ المسجد بیت المنفقین

۸۱ ۱۱ھ

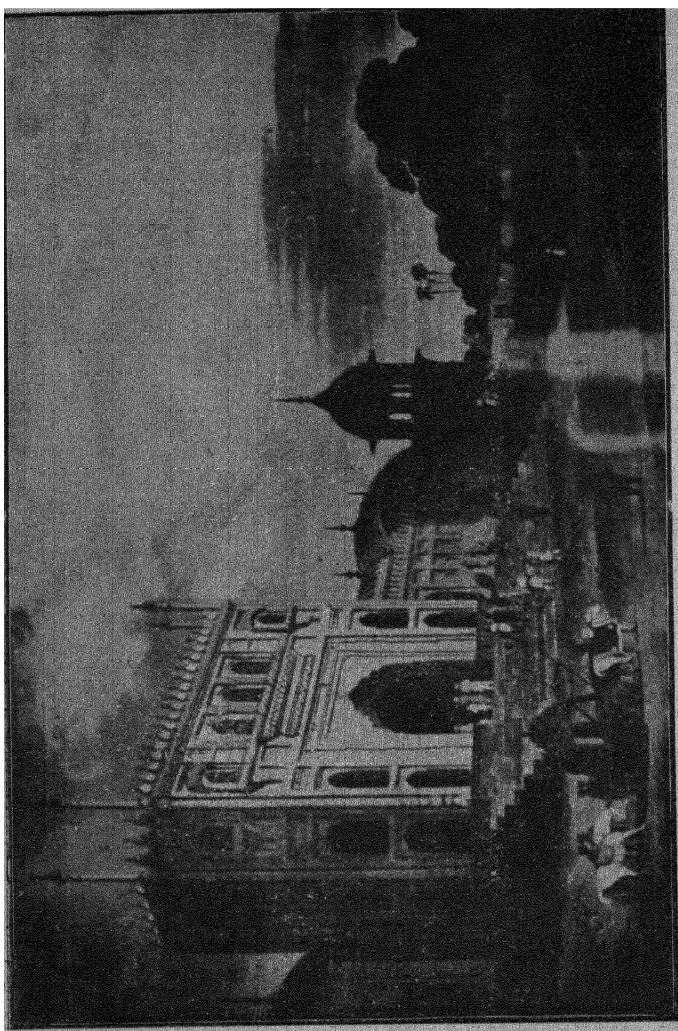
تعمیر میں تین لاکھ اور چند ہزار روپیہ صرف ہوئے۔ اس مسجد اور جامع مسجد دہلی میں بے حد مطابقت ہے۔ چند چھوٹی چھوٹی باتوں میں ضرور فرق ہے۔ اول یہ کہ دہلی کی مسجد بلند کرسی پر بنائی گئی ہے جس سے اُس کی شان دو بالا ہو گئی ہے۔ پہلی بھیت کی مسجد نشیبی جگہ میں واقع ہونے کے باعث نیچی کرسی پر بنائی گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ دہلی کی مسجد سنگ سُرخ و سفید سے نہایت استحکام کے ساتھ اور کمال وسعت و فراخی کے ساتھ بنی ہے اور اس کے دروازے بھی

زیادہ بلند ہیں۔ پہلی بھیت کی مسجد چھوٹی اینٹ اور گچ سے نسبتاً کم وسعت اور مقابلتا نیچے دروازے کے ساتھ تعمیر ہوئی ہے۔ تیسرے یہ کہ دہلی کی مسجد کا والاں بمقابلہ صحن بلند ہے اور اگلی محراب بہت بڑی ہے۔ پہلی بھیت کی مسجد کا والاں اس کے صحن سے قریب قریب ہموار ہے۔ اور سامنے کی محراب مختصر ہے۔ چوتھے یہ کہ جامع مسجد دہلی کے چاروں طرف ایک طویل بازار واقع ہے۔ جامع مسجد پہلی بھیت کے چاروں طرف بازار نہیں ہے۔

ترویج و اشاعتِ علوم حافظ الملک کے عہد حکومت میں روپیل کھنڈ میں پانچ ہزار علما اور فضلا مساجد و سرکاری مدارس میں درس و تدریس میں مشغول تھے۔ ہر ایک عالم یا فاضل کی اُس کے علم و فضل کے موافق تنخواہ مقرر تھی۔ تمام مدرسوں میں کتب درسیہ بڑے بڑے علماء کے مشورہ سے حافظ الملک خود مقرر فرماتے تھے اور طالب علموں کو مقرر شدہ کتابیں حکومت کی طرف سے مفت سپلائی جاتی تھیں ملازمین سرکار کے لڑکوں کے علاوہ تمام طالب علموں کو قیام و طعام کی سہولتوں کے ساتھ فردا فردا ستو روپیہ سالانہ بطور جیب خرچ بھی دیا جاتا تھا۔ جب طالب علم فارغ التحصیل ہو کر درجہ فضیلت کو پہنچ جاتا تو علما فضلا اور طلباء ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو کر اور جلوس ترتیب دیکر اس کو حافظ الملک کے حضور میں لے جاتے۔ حافظ الملک ان تمام لوگوں کی دعوت کرتے اور دعوت کے بعد طالب علم مذکور کے سر پر اپنے دست مبارک سے دستا فضیلت باندھ کر اُس کو زمرہ علما میں منسلک کرتے۔ نیز اسی روز سے جس قدر تنخواہ ملا کو دی جاتی تھی اس طالب علم کے لئے بھی مقرر کر دی جاتی۔ اور تعلیم و تعلم یا کوئی دوسرا کام جس سے اس کی طبیعت کو موزونیت ہوئی اس کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ طالبانِ علم کی ایسی عدیم النظیر عزت و حرمت اور خاطر داری و ہمت افزائی جیسی کہ حافظ الملک کرتے تھے شاید ہی کبھی کسی حکمران نے کی ہو۔

طالب علموں کی دلداری کرنے میں انھیں جس قدر شغف تھا اس کا ذیل کے ایک نہایت دلچسپ

مسجد جامع تبریز



واقعہ سے اندازہ ہوگا۔

ایک روز ایک طالب علم نے جو دس طالب علموں پر چند ارقامسہ کاری خزانہ میں آکر ہتم خزانہ سے درخواست کی کہ اُسے مبلغ دو ہزار روپیہ بابت تنخواہ اور کچھ روپیہ پیشگی پرگنہ جہان آباد سے دلوا دیا جائے۔ ہتم خزانہ نے پیشگی روپیہ دینا قبول نہ کیا۔ اور صرف ایک ہزار روپیہ جو اس کا اور اس کی جماعت کے دس طالب علموں کا واجب الادا تھا خزانہ جہان آباد سے برآمد کرنے کی تحریر لکھ کر دے دی۔ طالب علم نے اس تحریر کو لینے سے انکار کر دیا۔ اور وہاں سے اٹھ کر دو ہزار روپیہ کی عرضی لکھ کر سیدہ حافظ الملک کے حضور میں پہنچا جہاں ہر حاجت مند کو بلا روک ٹوک حاضر ہونے کی اجازت تھی۔ حافظ الملک نے طالب علم کی عرضی ملاحظہ فرما کر اس کی خواہش کے موافق فرمان لکھنے کا اپنے میزبانی کو حکم دے دیا۔ دو ہزار روپیہ اس قدر آسانی سے ملنے لگے تو طالب علم صاحب کو اب دور کی سو بھی اور عرض کیا کہ۔ ”میرا کام تو پانچ ہزار روپیہ میں نکلے گا؛ حافظ الملک نے اُس کی اس حرکت پر تبسم کر کے ارشاد فرمایا کہ ”پہلے تو دو ہزار روپیہ طلب کرتا تھا اب اپنے قول سے تجاوز مت کر؛ طالب علم نے کہا کہ ”میں اپنے سابق قول پر پشیمان ہوں؛ حافظ الملک نے اس کے اس عذر کو قبول نہ کیا اور مجلس میں تشریف لے جانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس پر طالب علم نے جھپٹ کر دامن پکڑ لیا اور آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ۔ میری عرضی پر پانچ ہزار روپیہ کا حکم اپنے قلم سے ارقام فرمادیجئے“

حافظ الملک جنھیں طالب علموں کی معمولی سی دلشکنی بھی گوارا نہ تھی۔ طالب علم کو دامن پکڑنے والے دیکھ کر خود بھی فوراً زمین پر بیٹھ گئے۔ اور شفقت پدرا نہ کے ساتھ اس کی بہت کچھ تسلی و تسفی کر کے پانچ ہزار روپیہ ہی کا حکم درخواست پر لکھ دیا اور طالب علم مذکور کو زیادہ رنجیدہ نہ ہونے دیا۔

حافظ الملک کی اسی حسن نیت اور حسن عمل کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کے زمانِ سعادت افزاں میں بکثرت سے مایہ لوگ علوم ظاہری حاصل کر کے عالم بن کر رہ گئے۔

جس طرح حافظ الملک طالب علموں کے ساتھ شفقت و محبت کرتے تھے اسی طرح ان کے اُستادوں یعنی علما اور فضلا کا کمال درجہ احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ ان لوگوں کی صحبت سے انتہائی محفوظ و مسرور ہوتے تھے اور ان کی صحبت کے واسطے رات کا وقت مخصوص کر دیا تھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ۔

”جب سفر سے پہلی صحبت کو واپسی کا اتفاق ہوتا ہے تو مجھ کو بڑی خوشی ہوتی ہے کہ میں ایک ایک فاضل اور عالم کے مکان پر جا کر ان کی صحبت سے لطف اندوز ہوں گا۔ لیکن کیا کیا جائے کہ یہ لوگ پیش دستی کر کے میری ملاقات کے واسطے خود چلے آتے ہیں اور میرے دل کی خوشی آدمی رہ جاتی ہے۔ اتنا انتظار نہیں کرتے کہ میں ان کے مکان پر جا کر ملاقات کروں۔ صرف شاہ ابوالفتح اور مولوی عبدالرزاق انتظار کرتے ہیں جس سے مجھے بڑی مسرت ہوتی ہے“

اخلاق و عادات حافظ الملک نے تمام عمر اتفاقاً پرہیزگاری اور پاکبازی کی زندگی بسر کی۔ ہر قسم کے لہو و لعب سے نفرت تھی۔ مسکرات کا تو ذکر کیا ہے حقہ بھی نہ پیتے تھے اور نہ پان تباکو سے غمٹ تھی۔ لباس نامشروع کبھی نہ پہنتے تھے۔ اور کلام فضول اور گالی گلوچ سے سخت نفرت تھی۔ لوگوں کی خطا پوشی اور دل داری اُن کا شیعہ تھا۔ جو دوسخا۔ رحم و حلم۔ اور بحر و فروتنی کے مجسمہ تھے۔ معدلت شعاری۔ پرہیزگاری۔ حق شناسی۔ دین داری اور صدق گفتاری ان کے کیرکڑ کی خصوصیات تھیں۔ اور عقل و ادب۔ سیاست و تدبیر جس عمل اور حسن کلام کی خوبیاں ان کی ذات والا صفات میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

معمولات روزانہ شرع شریف پر پوری استقامت رکھتے تھے۔ ہر وقت با وضو رہتے اور کسی وقت درود شریف یا ادعیہ ماثورہ کے ورد سے غافل نہ ہوتے تھے۔ سوائے نماز چاروں وقت

کی نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ آخر شب میں اپنے خادموں میں سے کسی کو بیدار کئے بغیر نہ ترسے اُٹھتے اور خود غسل و وضو سے فارغ ہو کر نماز تہجد ادا کرتے اس کے بعد ایک منزلِ تکرانِ شریف کی تلاوت کرتے یہاں تک کہ سپیدہ صبح نمودار ہو جاتا اور اُس وقت تھوڑی دیر کے لئے دوسری دعاؤں اور اورادیں مشغول رہ کر حرمِ ہمسایہ سے برآمد ہوتے اور مجلسِ کی مسجد میں نماز فجر باجماعت ادا کرتے۔ بعد نماز صبح ہی پر بیٹھے بیٹھے اپنے تمام اُوراد و وظائف پورے کرنے۔ نماز اشراق پڑھ کر صبح سے اُٹھتے۔ اور دوبارہ عام میں تشریف لاکر وہاں حاجت مندوں اور مظلوموں کی احوال پرسی اور غلقِ اللہ کی حاجت روائی میں مشغول ہو جاتے۔ اس دربارِ عام میں دربانوں کو حکم تھا کہ کسی حاجت مند یا دادخواہ کو حضور میں حاضر ہونے سے نہ روکیں۔ چنانچہ ہر شخص بلا روک ٹوک آتا اور اپنی مراد پاتا تھا۔ کچھ دن چڑھے دربارِ عام کو برخواست کر کے نماز چاشت ادا کرتے اور پھر دوبارہ خاص میں جا کر معاملات مالی و ملکی میں مصروف ہو جاتے۔ قریب دوپہر دوبارہ خاص سے اُٹھ کر کبھی حرمِ سرا میں تشریف لیجاتے اور اپنی اولاد کے ہمراہ خاصہ تناول فرماتے اور وہیں قیلولہ فرماتے اور کبھی باہر کے خلوت خانے میں اپنے بیٹوں کے ہمراہ کھانا کھا کر آرام فرماتے۔ تین گھنٹے قیلولہ کرنے کے بعد بیدار ہو کر تنہا نماز ظہر ادا کرتے اور دلائلِ الخیرات، حصن حصین وغیرہ دیگر دعائیں اور اُوراد جو ہمیشہ پڑھتے تھے ان میں مشغول ہو جاتے۔ جمعہ کے روز قیلولہ سے جلد بیدار ہو کر دوبارہ غسل فرماتے اور تبدیل پوشاک کر کے نماز جمعہ جامع مسجد میں ادا کرتے اس کے بعد محتاج لوگوں کو جو جامع مسجد کے دروازے پر جمع ہو جاتے تھے خیرات و عطیات سے بہرہ اندوز کر کے مجلسِ کُر واپس تشریف لاتے اور حسبِ معمول ورد و وظائف میں مشغول ہو جاتے۔ اگر پہلی بھیت میں ہوتے تو جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ بلا ناغہ اپنی والدہ ماجدہ کے مقبرہ میں تشریف لے جاتے وہاں سے واپس ہو کر حسبِ معمول دربارِ عام میں جلیوس کرتے۔ عصر کے وقت روزانہ دوبارہ سے اُٹھ کر علما اور مشائخ کے ساتھ خلوت میں بیٹھتے۔ یہاں تک کہ مغرب کا وقت ہو جاتا اور نماز سے فارغ ہو کر دو گھنٹی چل قدمی فرماتے اُسی چل قدمی کی حالت میں وظائف معمولی بھی ختم کر لیتے تھے۔ اس کے بعد علما و فضلا اور مشائخ کی صحبت میں بیٹھ کر تفسیر و حدیث اور

مسائل فقہ کا تذکرہ ہوتا۔ ایک پہر رات گئے نمازِ عشاءِ راد کی جاتی جس سے فراغت پاکر سادات و علماء کے ہمراہ رات کا کھانا تناول فرماتے تھے اس وقت قوال بھی حاضر ہوتے اور حمد و نعت اور انبیا و اولیاء کی مدح و ثنائیں سوز و گداز کے ساتھ اشعار گاتے تھے۔ کھانے کے بعد قوال رخصت ہو جاتے لیکن علماء حاضر رہتے تھے۔ اور کہیں نصف شب کے قریب حافظ الملک حرم سرا میں تشریف لیجا کر آرام کرتے تھے۔ حافظ الملک کا معمول تھا کہ شب و روز میں صرف تین گھنٹے شب میں اور تین گھنٹے دن میں کل پچھ گھنٹے سوتے تھے۔ بقیہ اٹھارہ گھنٹے کا دستور العمل وہی تھا جو اوپر بیان کیا گیا۔

معمولاتِ ماہِ صیام
وعید الفطر

رمضان المبارک کے مہینے میں سنتوں۔ تراویح اور نوافل میں چند ختم کلام اللہ کرتے تھے۔ جب سے کہ صاحبزادہ حافظ محمد باغیاں نے کلام پاک حفظ کر لیا تھا اول اُن سے کلام اللہ سنتے تھے اس کے بعد اور حافظ مامور کئے جاتے تھے۔ جماعت کثیر کے ساتھ تراویح ادا کرنے کے بعد دو تین حافظوں کے ہمراہ خلوت خانہ میں تشریف لاکر نوافل میں خود ایک منزل قرآن سناتے۔ ماہ رمضان کے عشرہ آخر میں حافظ الملک مسجد میں اعتکاف کرتے تھے اور عید کے دن تمام امیروں اور غریبوں کے ساتھ عید گاہ تشریف لے جا کر نماز ادا کرتے تھے۔ وہاں سے لوٹ کر دربار عام میں جلوس کر کے انعامات و تصدقات لوگوں کو عطا کرتے تھے۔

احترامِ عشرہ محرم

عشرہ محرم میں تیرہ تاریخ تک حکم تھا کہ کوہی لوگ نہ بجائیں۔ ہر قسم کا نا بجا نا ان ایام میں قانوناً ممنوع تھا۔ ہر روز ہزاروں کی تعداد میں فقر اور غریب حافظ الملک کے در و دولت پر حاضر ہوتے تھے اور انھیں صبح و شام نیاز و مہین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ بالخصوص ساتویں تاریخ سے دسویں تاریخ تک بہت اہتمام کیا جاتا تھا۔ سادات۔ علماء۔ مشائخ اور صلحا کی دعوت عام ہوتی تھی۔ اول سادات کو دیوان عام میں طلب فرما کر انواع و اقسام کے کھانے کھلاتے جاتے تھے۔ حافظ الملک اپنے ہاتھ میں لوٹالے کر ہر ایک سید کے ہاتھ خود دھلاتے اور ایک ایک شخص کے سامنے اپنے ہاتھ ہی سے کھانا رکھتے۔ کھانے کے بعد بطور نذر نذر نقد بھی پیش کیا جاتا تھا۔ جب سادات رخصت ہو جاتے تو علماء۔ صلحا۔ اُن کے بوسا کین اور نابینا

وینیم گولوں کو گروہ درگروہ باری باری سے طلب کیا جاتا۔ اور قسم قسم کے کھانوں سے انکی تواضع کی جاتی۔ اس کے بعد ملائے عام دیدی جاتی تھی۔ بیوہ عورتیں۔ فقیر اور غریب جس قدر بھی حاضر ہوتے انھیں کھانا اور کچھ کچھ زبر نقد دیا جاتا۔ الغرض سات سے دس تک مسلسل چار روز صبح سے لے کر پہر رات گزرے تک یہی معاملہ رہتا اور حافظ الملک نے شمار روپیہ صرف کر کے نہایت اہتمام و عقیدت کے ساتھ ہر سال حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب کی یادنازہ کرتے۔

حرمت ماہ ربیع الاول جس طرح حافظ الملک ماہ رمضان المبارک اور عشرہ محرم میں نذر و نیاز اور لاکھوں روپیہ کی خیر خیرات کرتے تھے اسی طرح ماہ ربیع الاول میں دسویں تاریخ سے بارہویں تاریخ تک محافل و مجالس منعقد کر کے بڑی دریادلی کے ساتھ تقسیم طعام و شیرینی وغیرہ کرتے تھے۔

سادات کے ساتھ عقیدت حافظ الملک کو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضور سلطان الاولیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو زبردست عقیدت و ارادت تھی اس کی وجہ سے سادات عظام کی بے حد عزت و توقیر کرتے تھے۔ اور ان کے پاس خاطر کو اپنے اوپر واجب و لازم سمجھ کر غایت حق شناسی سے سادات کا اس حد تک ادب بجالانے کا اگر سادات کے بچوں میں سے کوئی بچہ دربار عام یا دربار خاص میں چلا آتا تو دیکھتے ہی اس کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہو کر اس کو اپنے پہلو میں بٹھالیتے تھے اور پرسش احوال کر کے جب تک اس کا کام نہ ہو جاتا دوسرے کام کی طرف التفات نہ فرماتے۔ ہرگز اس امر کو گوارا نہ کرتے تھے کہ سادات میں سے کوئی فرد بے وجہ یا بوجہ بخجہ خاطر ہو۔ چنانچہ اسی سلیک کے باعث اطراف و اکناف عالم سے صحیح النسب سادات

۱۷ سرزمین روہیل کھنڈ میں موجود زمانے کی کسی دھوم دھڑکنے کی محرم داری میں باجے نہائے۔ نوبت و علم اور تحت تفریحوں و غزوے جلوس نکالے جاتے ہیں اس کا وہیلوں کے دور حکومت یا اس سے قبل کے زمانہ میں جہاں تک تحقیق کی گئی وجود نہیں ملتا۔ اس قسم کی تفریہ داری کا سلسلہ بعد شہادت حافظ الملک والیان او دھوکے بہت وسعت سالہ عہد سلطنت میں شروع ہوا۔ کالا امام باڑہ اور بریلی میں شیعہ حضرات کی دوسری مقدس عمارتیں بھی اسی زمانے کی یادگار ہیں۔

کے اکثر قبائلی اور صحیح النسب پرزادے دو پہل کھنڈ میں آکر سکونت پذیر ہو گئے اور حافظ الملک نے ان سب کو پیش قرار دینے سے جاکیز میں اور عیالیاں مرحمت کیں تاکہ کمال اطمینان سے بسر اوقات کریں۔ مذکورہ سادات کے مستند خاندانوں میں ایک خاندان سید احمد شاہ عرف شاہ جی بابا کا تھا جو سید علی ترمذی المعروف بہ پیر بابا کی اولاد میں سے تھے اور افغانستان سے بریلی تشریف لائے تھے۔ بڑے نیک خصلت۔ اہل باطن۔ عقل و دانش میں اسطوئے زمانہ اور تہور و مردانگی میں یگانہ روزگار تھے۔ افغانوں کے بہت بڑے سپر تھے۔ ان کا کچھ حال نواب قائم خاں بنگش والی فرخ آباد کی جنگ میں تحریر کیا جا چکا ہے۔ سید احمد شاہ کے ایک صاحبزادے سید مصوم شاہ صاحب تھے جن سے حافظ الملک کو کمال درجہ عقیدت تھی اور اسی عقیدت کی بنا پر ان کے ہاتھ پر بیعت تھی۔ سید صاحب کا بالعموم قلعہ نومحله واقع بریلی میں قیام رہتا تھا۔ اس قلعہ کا اب کوئی وجود نہیں ہے۔ صرف نومحله کی عظیم الشان مسجد ضرور باقی ہے جس میں حضرت شاہ جی بابا اور سید مصوم شاہ کے مزارات ہیں۔

حافظ الملک سادات کے فرقہ عالیہ کی جس درجہ تہر و منزلت کرتے تھے اس کا اندازہ ذیل کی چند معتبر حکایات سے ہوگا۔

حکایت اول۔ ایک سید صاحب سید خواجہ حسین نامی بر فاقہ نواب محبت خاں راول کھنڈ میں قیام رکھتے تھے۔ ایک روز سید صاحب کی حافظ الملک کے صاحبزادے نواب حرمت خاں سے کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ سید صاحب نے جلال میں آکر حرمت خاں کی گردن پر چھرا مار دیا۔ یہ خبر حافظ الملک کو معلوم ہوئی تو گھبرا کر پوچھا کہ۔

”حرمت خاں زندہ ہے یا مر گیا؟“

لوگوں نے عرض کیا کہ۔

سید صاحب ہوا خان بھادہ سردار محمد ایم داغ میں اس علم بریلی نے رقم تیر صرف کر کے بعد نومحله کی مرمت کرائی ہے۔

”زندہ ہے زخمی ہو گیا ہے“

اس پر حافظ الملک سجدہ شکر بجالائے اور فرمایا۔

”واللہم لئلا تدرک حرمات خاں بیچ گیا۔ ورنہ میں ہرگز ایک غلام زادے کا تھماں شاہزادے

سے نہ لیتا“

اور اس کے بعد اس واقعہ کا کبھی کوئی تذکرہ بھی سید صاحب مذکور سے نہ کیا۔

حکایت دوم۔ ایک روز ڈوڈا کوؤں نے پہلی بھیت کے قریب ایک مسافر کو قتل کر دیا اور اُس کا اسباب لوٹنے لگے۔ ہنوز غارتگری میں مصروف تھے کہ اُس نواح کے زمینداروں کو خبر ہو گئی۔ اور ان لوگوں نے آکر ڈاکوؤں کو پکڑ لیا۔ اور مقتول مسافر اور مجرموں کو حافظ الملک کے حضور میں لے آئے۔ مجرموں نے اقرار کر لیا اور حافظ الملک نے قصاص میں ان کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ جس وقت دونوں شخص قتل گاہ کو بھیجے جا رہے تھے تو زندگی سے مایوس ہو کر ان میں سے ایک نے یہ کہہ دیا کہ۔

”ہم سید ہیں“

یہ بات فوراً حافظ الملک کے گوش گزار کرائی گئی جس پر ارشاد ہوا کہ۔

”چونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو سادات سے منسوب کرتے ہیں ان کے قتل میں جلدی نہ کرنی چاہئے بلکہ حوالات میں بند کر دینا چاہئے“

حاضرین مجلس نے ان دونوں کو اس دعوے میں دروغ گو سمجھ کر عرض کیا کہ۔

معدادات سے ایسا فعل قبیح کب سرزد ہوا کرتا ہے اور رہزنی کا پیشہ سادات لوگ کب کیا کرتے ہیں محض جان کے خوف سے ان لوگوں سے سید ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ایسے شرارت پیشہ لوگوں کا قتل کرنا نہایت ضروری ہے“

حافظ الملک نے فرمایا کہ۔

”چونکہ میں ان لوگوں کے حسب و نسب سے واقف نہیں اور سوائے ذات علام الغیوب ان کے جھوٹ اور سچ کا کسی کو علم نہیں۔ اس لئے میں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مولا علیؑ کا کمترین غلام ہوں چھپر لازم ہو گیا کہ میں ان کی تعظیم و تکریم کروں۔ تاہم چونکہ ان سے بڑا بھاری گناہ سرزد ہوا ہے اس واسطے تھوڑے عرصہ کے لئے ان کو مجھ میں بھجوا ہوں تاکہ منہ ہو کر شاید اس پیشینہ ذمہ سے تائب ہو جائیں۔ میں نے محض ان کے اصلاح حال کے لئے یہ تجویز کی ہے ورنہ میری کیا مجال کہ ان کو سزا دے سکوں؟“

چنانچہ حسب الارشاد و مجرم نفل گاہ سے واپس لائے گئے۔ اور جیل خانے میں قید کر دئے گئے۔ ان لوگوں کو قید میں منکھل سے دو چار روز گزرے تھے کہ حافظ الملک نے ان کو اپنے حضور میں طلب کیا اور فرمایا کہ

”اپنے شیوہ نام رضیہ سے توبہ کیجئے۔ اگر تنگ دستی کی وجہ سے آپ ایسا کرتے تھے تو نوکری کر لیجئے۔ روپیہ کا لالچ اگر ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہو تو جس قدر چاہئے روپیہ لے لیجئے۔“

دونوں شخصوں نے تہ دل سے توبہ کر کے ملازمت اختیار کر لی اور جب تک زندہ رہے حافظ الملک کے لئے سرفروشی کرتے رہے حتیٰ کہ حافظ الملک کی شہادت کے وقت جو معدودے چند لوگ ان کے ہمراہ رہ گئے تھے ان میں یہ دونوں شخص بھی تھے۔

حکایت سوم۔ تھیں تھیل ضلع بریلی کے سادات زمانہ قدیم سے شاہی فراہم کی رو سے ایک ہزار بیگہ آراضی عام پر قابض تھے۔ حافظ الملک کے دور حکومت میں یہ تھیل ملک سید خاں خشک کے پاس مستاجری میں تھا اور اس کا نائب ملا خوشحال خاں اس کی طرف سے تحصیل وصول کرتا تھا۔ اس وقت سادات مذکور سات ہزار بیگہ آراضی اپنے پاس کاشت میں رکھتے تھے۔ اور اس کا لگان

بدستور سابق ادا کرتے تھے۔ ملا خوشحال خاں نے پیداوار زیادہ ہونے کے باعث نئے بند و بست کے بموجب کچھ زیادہ روپیہ طلب کیا تو سادات نے اس کے دینے سے انکار کر دیا۔ کس پر ملا خوش حال خاں نے ملک سید خاں کو لکھ کر درخواست کی کہ۔

”اگر حافظ الملک کا پروانہ خاص تصدیق کے سادات کے نام اس مضمون کا صادر ہو جائے کہ بند و بستِ حال کے بموجب اضافہ کار روپیہ بھی سرکار میں داخل ہوا کرے تو سیدوں سے روپیہ وصول ہو جائے گا“

اس درخواست کی بنا پر ملک سید خاں نے اس معاملہ کو حضور میں عرض کیا۔ ارشاد ہوا کہ۔
”جدید بند و بست کے موافق سیدوں سے روپیہ وصول کرنا، ہمیں منظور نہیں کیونکہ سادات کو اور لوگوں کے زمرہ میں کیونکر شریک کیا جاسکتا ہے“
ملک سید خاں نے پھر عرض کیا کہ۔

”خوش حال خاں اور مسلمانوں کے برابر ہی سادات سے روپیہ طلب کرتے ہیں اور یہ لوگ اس کے دینے سے بھی انکار کرتے ہیں“
حافظ الملک نے جواب دیا کہ۔

”سادات لوگ اور مسلمانوں سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ لہذا عام مسلمانوں کے برابر ان سے روپیہ وصول کرنا، یقین عقیدت و ارادت سے بعید ہے۔“
ملک نے عرض کیا کہ پھر جیسا ارشاد ہوا اس کی تعمیل کی جائے۔ حکم ہوا کہ۔

”سادات کے حق میں سادات ہزار بیگہ کاشت کی معافی کا پروانہ تحریر کر دیا جائے“

جب یہ حکم نامہ ملا خوش حال خاں کو اس کی امید کے خلاف موصول ہوا تو اس نے یہ پروانہ سادات کو نہ دکھایا۔ لیکن ساتھ ہی روپیہ کا مطالبہ بھی ترک کر دیا۔ اور جب سادات عام لوگ معمول کے موافق اس کے پاس روپیہ لے کر جاتے تو وہ لینے سے انکار کر دیتا اور کہہ دیتا کہ کچھ عرصہ کے بعد جیسی تھاری خواہش ہے اس کے موافق عمل میں آجائے گا۔ کئی مرتبہ یہی صورت پیش آئی تو سیدوں کو تنویر

ہوا اور آپس میں مشورہ کیا کہ زرنگان نہ لینے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ملا خوش حال خاں نے ہمارے معاملے کو حافظ الملک کے حضور میں رکھا ہو گا وہاں سے جیسا حکم آویگا اُس پر عمل کرے گا۔ ایسی حالت میں بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ بذات خود حضور میں پہنچ کر اپنے معاملات کو من و عن عرض کر دیں۔ یہ خیال اپنے دل میں مستحکم کر کے اس گروہ میں سے دو تین آدمی پہلی بھیت حاضر ہوئے اور وجہ کے دلچسپہ حافظ الملک جامع مسجد میں تشریف رکھتے تھے حضور میں باریاب ہوئے۔ حافظ الملک نے دیکھتے ہی ان سے دریافت فرمایا کہ۔

”آپ صاحبوں نے یہاں تک آنے کی کیسے تکلیف گوارا کی“

ان لوگوں نے عرض کیا کہ۔

”دوہم لوگوں نے کئی مرتبہ سابق کا زمرہ ملا خوش حال خاں کو دینا چاہا لیکن اُس نے لینے سے

انکار کر دیا۔ اُس کے اس فعل کا سبب ہم کو نہ معلوم ہو سکا۔ اور ہم نے خیال کیا کہ مبادا اُس نے ہمارے متعلق حضور میں کوئی تحریر بھیجی ہو تب ہم حاضر ہوئے ہیں تاکہ اپنے معاملات کو

خود حضور میں عرض کر دیں“

حافظ الملک نے ارشاد فرمایا کہ۔

”آپ کے یہاں آنے کی صرف اتنی ہی وجہ ہوئی یا اس کے سوا کچھ اور بھی ہے“

ان لوگوں نے جواب دیا کہ۔

”جو واقعہ تھا ہم نے عرض کر دیا“

فرمایا کہ۔

”اچھا تدبیرے دل میں پہلے ہی یہ بات گذری تھی کہ خوش حال خاں نے آپ کے معاملہ

میں کوئی مداخلت کی ہوگی جس کے باعث آپ نے سفر کی تکلیف اپنے اوپر گوارا کی۔

اب آپ وطن کو واپس تشریف لے جائیں اور خاطر جمعی کے ساتھ اپنے گھروں پر بیٹھ کر

سات ہزار بیگہ آرمی کو اپنی ملکوتہ بھیں اور ایک کوڑی کسی کو نہ ادا کریں۔ یہ سب

حافظ الملک کا یہ فرمان سن کر سادات دعائیں دیتے ہوئے خوش خوش اپنے اپنے مکانات کو واپس آئے۔ مذکورہ اوقات سے ظاہر ہوا ہو گا کہ حافظ الملک گروہ سادات کے ساتھ کس درجہ مراعات و ملحوظ رکھتے تھے اور ان کی قدر و منزلت میں کس قدر اہتمام کرتے تھے۔

مشائخ و صوفیہ کرام کے ساتھ اداوت ایک دوسرا گروہ جس سے حافظ الملک کو بہت زیادہ عقیدت و ارادت تھی وہ مشائخ و صوفیہ کا تھا۔ ہمیشہ فقرا اور عرفا کے متلاشی رہتے تھے اور جس شخص میں مقصود اصلی اور مطلوب حقیقی کی بُو پاتے اس سے حقائق کی سلسلہ جنبانی کرتے۔ چنانچہ حافظ الملک کے گرد بریلی و پہلی بھیت میں اکثر مشائخ مثل آخون فقیر صاحبؒ۔ حافظ شاہ جمال اللہ صاحب۔ شاہ ابوالفتح صاحب۔ حافظ صدیق صاحب۔ شاہ کلیم اللہ صاحب اور میاں شاہ عزت اللہ صاحب وغیرہم جمع ہو گئے تھے۔ شاہ عزت اللہ صاحب کو جو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد میں سے تھے حافظ الملک نے مبلغ چھ ہزار روپیہ سفر خرچ بھیجا کہ سرہند شریف سے بلایا تھا۔ شاہ صاحب کو حافظ الملک نے بریلی میں مقیم کیا۔ اور ان کے متعلقین میں سے ہر ایک کے لئے دریاہہ مقرر فرما دیا۔ اسی طرح حافظ الملک سید احمد صاحب۔ میرا حسن صاحب اور سید مصدوم صاحب کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ ان بزرگوں میں بعض مثل شاہ جمال اللہ صاحب اہل آخون فقیر صاحب

۱۷ گلستانِ رحمت۔

۱۸ آخون فقیر صاحب کا پورا نام آخون محمد زیارت خاں صاحب تھا شہداء میں بریلی میں انتقال ہوا۔ اور محلہ جولی میں دفن ہوئے۔ اُن کا مقبرہ اُن کی قبر میں جو آخون زادے کی مسجد کے نام سے مشہور ہے آج تک موجود ہے۔ مشہور ہے کہ اُن کو جناح نے دفن کیا تھا۔ اُن کے دو لڑکے تھے ایک آخون زادے ارادت خاں جلا دلہ فوت ہوئے۔ دوسرے آخون زادے عباس علی خاں افتد ارالدولہ مصہام جنگ بہادر جن سے ایک لڑکا اور چند لڑکیاں ہوئیں۔ ایک لڑکی جو اُن کی پہلی بیوی سے تھیں وہ علی مردان خاں ابن مظہر خاں ابن سعد اللہ خاں سے منسوب ہوئیں (مؤخر الذکر دونوں صاحب افغانستان سے اگر بریلی میں سکونت پذیر ہوئے تھے، جن کے بطن سے حافظ محمد عثمان خاں اور محمد عمران خاں پیدا ہوئے۔ ۴۴

ہر سبب اشتغال ذکر و فکر دائمی حافظ الملک کے پاس نہ آتے تھے۔ ان لوگوں کی خدمت میں حافظ الملک خود شریعت لے جا کر خاتون و معارف کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اہل اللہ کی اسی قسم کی صحبتوں اور بزرگانِ دین کی توجہاتِ باطنی و التفاتِ قلبی نیز ذاتی زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی بدولت حافظ الملک نے اس قدر سرمایہٴ باطنی حاصل کر لیا تھا کہ ان کے ایک کلمہٴ ارشاد و ہدایت سے بندہ ی منتہی ہو جاتا تھا۔ لیکن غایتِ حق طلبی و خدا جوئی سے اپنے آپ کو معمولی سالک کے طور پر تصور کرتے تھے۔ مذکورہ بالا بزرگوں کے علاوہ جو اور فقہ اور شائخِ روہیل کھنڈ کے جس گوشہ میں بھی تھے حافظ الملک ان کے حالات سے باخبر رہتے تھے اور ان کا سالانہ مقرر کر دیا تھا جو ان کے مقاموں پر پہنچایا جاتا تھا۔ روہیل کھنڈ سے باہر شاہ لال صاحب رائے بریلوی جن کا وطن و مسکن شجاع الدولہ کے علاقہ میں تھا باوصف بُعد مکانی اور عدم ادراک صحبت حافظ الملک کی سرکار سے ماہانہ و سالانہ وظیفہ پاتے تھے۔ حافظ الملک نے شاہ مسیح اللہ صاحب مارہروی کا بھی دور و پیہ پوہ مقرر فرمایا تھا۔ جو تاقیام حکومت روہیل کھنڈ جاری رہا۔ اسی طرح کئی ہزار روپیہ حضرت سلطان المند شیخ الشیوخ خواجہ بزرگ معین الملک والدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ فرید الملک والدین حضرت شیخ فرید شکر گنج۔ سلطان المشائخ مشیخ نظام الدین اولیا۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی۔ مشیخ سلیم چشتی۔ اور مشیخ بدیع الدین مراد۔ اور دیگر بزرگانِ دین کہ جو طول و عرض ہندوستان میں مدفون ہیں ان کے مزارات کے مجاورین کی خدمت میں بھیجتے رہتے تھے۔ فی الجملہ حضرات اولیاء اللہ کے ساتھ حافظ الملک کو جس قدر عقیدت و ارادت تھی اس کا بیان کرنا حدِ تحریر سے باہر ہے۔

ہم حافظ محمد عثمان خاں کے بیٹے محمد رفیع الشان خاں اور ان کے بیٹے محمد عظیم الشان خاں ہیں جن کا ذکر دہلی میں کیا گیا ہے۔ یہ امر کثرتِ واقعات سے پائے ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حافظ الملک نہایت زبردست اہل باطن اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔ جو لوگ اس نقطہ نظر سے ان سے عقیدت رکھتے ہیں ان کو ان کے فیوضِ روحانی سے بہت کچھ فیض پہنچ چکا ہے اور صدہا مجتہد مزارات میں پ حاضر ہو کر اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں۔

عورتوں کے ساتھ سلوک [حافظ الملک کے عہد حکمرانی میں عورتوں اور مردوں کے ساتھ مساویانہ سلوک ہوتا تھا۔ بلکہ اکثر اوقات عدالتیں عورتوں کی حمایت و طرف داری میں مردوں کے حقوق کو نظر انداز کر دیا کرتی تھیں۔ جو مرد اپنی عورتوں کے ساتھ بجا مظالم کرتے تھے انکو باز پرس کے بعد سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ محلہ محلہ لڑکیوں کے مدارس کھلے ہوئے تھے اور غیر مستطیع مستانیوں کو حافظ الملک کی سرکار سے وظیفے مقرر ہو جاتے تھے۔ سرکاری اخراجات میں ایک مایوسی بھی تھی جس سے غریب لڑکیوں کی شادی کے وقت ان کے والدین کو سامانِ ہینر وغیرہ کے لئے مدد دی جاتی تھی اور اس امداد کے پہنچانے میں اس قدر رازداری کو کام میں لایا جاتا تھا کہ کسی کو کانوں کا نغمہ نہ ہوتی تھی۔ حافظ الملک اپنی لڑکیوں کی شادی ہمیشہ شب کے وقت کرتے تھے اور سامانِ ہینر کو پوشیدہ کر کے دیتے تھے تاکہ غریب لڑکیوں کو حسرت و یاس نہ ہو۔ جنگ کے مواقع پر اہالیانِ فوج کو تاکید اکید کر دی جاتی تھی کہ عورتوں اور بچوں کو نہ ماریں اور نہ ان کے سامان کو ہاتھ لگائیں۔ حتیٰ کہ مفتوحہ علاقوں کی ان عورتوں کے لئے جن کے خاوند مارے جاتے تھے وظائف مقرر کر دئے جاتے تھے۔ چنانچہ اوائلِ شہِ اع میں پرگنائت داس کوہ کی فتح کے سلسلہ میں جب ایک مقام کھیرا گڑھ بھی فتح ہوا اور دوسرے مفتوحہ مقامات کی طرح حسبِ معمول اس مقام کی تمام بیواؤں کے نام بھی وظائف مقرر ہوئے تو گرد و نواح کے غیر مفتوحہ علاقوں کی مفلوک الحال عورتوں نے بھی اپنے آپ کو کھیرا گڑھ کی بیوہ کہہ کر اپنے نام لکھوا دئے اور ان کے نام بھی وظائف مقرر ہو گئے تو اس پر یہ مثل اب تک مشہور ہے کہ

دیکھیں کی مرے کھیرا کی راند،

خود اپنی فوج کے جو سپاہی مارے جاتے تو یہ قاعدہ مقرر تھا کہ ان کی بیواؤں کے خیال سے خالی شدہ آسامیوں پر ان کے بیٹوں کا تقرر کیا جاتا تھا۔ جن کے بیٹے نہ ہوتے ان کی بیواؤں سے باریگی طلب کر لئے جاتے تھے۔ جو عورتیں باریگیر بھی نہ دے سکتی تھیں ان کے نام بطریقِ خیرات وظائف مقرر کر دئے جاتے تھے۔

ہندوؤں کے ساتھ برتاؤ طرزِ حکمرانی اور ذاتی حالات کے ضمن میں ہم نے عام رعایا کے ساتھ حافظ الملک کے مَن سلوک اور ان کی عطا کردہ مراعات کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ مَن مسلمانوں کے لئے ہی مخصوص نہ تھیں۔ بلکہ ہندو بھی اُن سے مستفیض ہوتے تھے۔ شریعتِ اسلامیہ کے پتے اور پتے پر ہونے کے باعث اور اسلام کے پاک اصولوں کو صحیح طور پر سمجھنے کی وجہ سے حافظ الملک اپنی اُس رعایا کو جو امن پسند تھی اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں خلل اندازی نہ کرتی تھی ہر طرح کا آرام پہنچاتا اور اس کے لئے ترغیب کی راہیں کھولتا اپنا فرضِ ایمانی سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کو اپنے فرائضِ مذہبی کی ادائیگی میں پوری پوری آزادی حاصل تھی۔ آگے دن بڑے بڑے مندروں اور دوسری عبادت گاہوں کی تعمیر ہوتی تھی اور حکومت کبھی کبھی مزاحمت نہ کرتی تھی۔ مذہبی تیوہار بہستورِ قدیم بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے منائے جاتے تھے۔ اور مسلمانوں کی جانب سے کسی طرح کی روک ٹوک نہ ہوتی تھی۔ گائے۔ باجا اور محرم و رام لیلہ کے تھیوں کا وجود نہ تھا۔ اور روہیلوں کے ابتدائے زمانہ حکومت سے انتہا تک کسی ہندو مسلم خاد کا پتہ نہیں ملتا۔ پہلا ہندو مسلم ساداراکھوٹ بریلی میں ۱۳۷۷ء میں ہوا جبکہ روہیلوں کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

مخالف و موافق مورخین کی تمام مستند تاریخوں کی وزن گردانی کر جائیے لیکن کوئی ایک ایسا واقعہ نظر سے نہ گزرے گا جس سے یہ ظاہر ہو کہ ہندوؤں نے اس سرزمین میں اپنی غالب اکثریت کے باوجود دینِ حیاتِ انعمانِ مسلمان حکمرانوں کے خلاف کوئی مذہبی بغاوت کی جو۔ ہوسکتا ہو کہ طاقتور حکومت کا خوف اس امر میں مانع ہوا ہو لیکن ہنگامہ ۱۷۵۷ء میں نور و ہیلہ سلطنت کو زوال ہوئے عرصہ گزر چکا تھا پھر بھی جب حافظ الملک کے پوتے خاں بہادر خاں نے از سر نو روہیلہ حکومت قائم کرنا چاہی تو ان کی تہر بھڑا ساٹھ ہزار فوج میں بہت کثیر ہندو شامل تھے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ روہیلوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں کس قسم کا سلوک کیا ہو گا کہ سبکی خوشگوار یاد نے انھیں ایسا کرنے پر مجبور کیا۔

ملا۔ صوفیا اور مشائخ بطور خود مذہبی تبلیغ کرتے تھے لیکن تبلیغِ حکومت کے فرائض میں شامل نہ تھے۔

نہ حکومت کی طرف سے اس کام کے لئے روپیہ دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی اعلیٰ معاشرت کو پسند کر کے یا ان کے عمدہ مذہبی اصولوں کو بہتر سمجھ کر اگر کوئی ہندو اسلام قبول کرتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ خود ہندوؤں میں زمانہ حال کی طرح اُس زمانہ میں تبلیغِ مذہب کا طریقہ رائج نہ تھا۔ ورنہ اس کی یقیناً مانعیت نہ ہوتی۔ اور جس طرح عمدہ قدیم میں اسلامی حکومت سے پہلے ہندو راجاؤں نے اپنی اپنی ملکوتوں میں عرب کے مبلغِ مذہب تاجروں کو مسجدیں بنانے اور تبلیغِ اسلام کی اجازت دینے میں پس و پیش نہ کیا اسی طرح مسلمان حکمران ہندوؤں کو اپنا مذہب پھیلانے کی اجازت دیدینے میں مطلق تکلف نہ کرتے۔

اگر روپیلے زبردستی ہندوؤں کو مسلمان بناتے تو آج روہیل کھنڈ میں ہندوؤں کی نہیں مسلمانوں کی اکثریت ہوتی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ روہیل کھنڈ کے صدر مقام یعنی خاں ضلع بریلی اور دارالقامہ پہلی جھیت نامک میں ہندوؤں کی آج تک زبردست اکثریت ہے اور تمام ضعیف العمر ہندو اپنے تجربہ سے اور اپنے اسلاف کے اقوال سے یہی بیان کرتے ہیں کہ مسلمان اپنے غرض میں ہمیشہ غیر متعصب رہے ہیں اور انہوں نے کبھی ہندو کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا۔

مذہبی آزادی کے علاوہ ہندوؤں کو زراعت و تجارت میں بھی گراں قدر مراعات و حقوق حاصل تھے۔ بلکہ مسلمان قہم بالعموم فوجی ملازمت کو زیادہ پسند کرتے تھے زراعت و تجارت تمام و کمال ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں تھی۔ ہندوؤں کی بعض فوجیں مثل کھڑی ٹھاکر اور راجپوت فوج میں نوکری کرتے تھے۔ ویش خراجی کے عہدوں کے لئے سوزوں سمجھے جاتے تھے۔ اور کالیتھ اہل قلم ہونے کے باعث حکومت کے تمام دفاتر میں ملازم تھے۔ سفارت کے اہم اور نازک فرائض بھی بالعموم ہندو و معتمدین کے سپرد کئے جاتے تھے۔ چنانچہ حافظ الملک نے منشی ٹیک سنگھ اور منشی چتر بھوج کو بار بار بڑی بڑی اہم سفارتوں پر بادشاہِ دہلی، مرہٹوں، جاٹوں، سراج الدولہ اور انگریزوں کے پاس روانہ کیا۔

دیوان کا عہدہ جو مدارالمہام یا وزیر اعظم کے برابر سمجھا جاتا تھا خصوصیت کے ساتھ ہمیشہ ہندوؤں کے ہاتھ میں رہا۔ پہلے راجہ مان رائے حافظ الملک کے دیوان رہے اور ان کے بعد راؤ پہاڑ سنگھ اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے جن کی جاگیر میں کم و بیش ۱۰۴ گاؤں تھے۔ ان لوگوں کے حافظ الملک سے نہ صرف برادرانہ اور عزیز دارانہ تعلقات تھے بلکہ یہ لوگ ان کے جملہ مالی و ملکی معاملات میں سیاہ و سپید کے مالک اور غیر معمولی اختیارات کے حامل تھے حافظ الملک کی مجلس مشاورت جس میں اہم معاملات طے پاتے تھے اُس میں ہندو اعیان دولت بھی شریک ہوتے تھے جن کی موجودگی کے بغیر بالعموم کوئی مجلس انعقاد پذیر نہ ہوتی تھی۔ اور ان کی رائے کو بڑی وقعت دی جاتی تھی۔

حافظ الملک کی نظر میں اللہ کی تمام مخلوق یکساں طور پر عزیز تھی۔ جب وہ بذل و احسان کرتے تو یہ نہیں دیکھتے تھے کہ کون ہندو اور کون مسلمان ہے۔ شہرِ نیاہ پیلی بھیت کی تعمیر کا واقعہ لکھا جا چکا ہے۔ میوانیوں اور مارواڑیوں کے واسطے جن میں مسلمانوں سے زیادہ ہندو تھے محض وجہ معاش ہتیا کرنے کے لئے انھوں نے کس طرح ایثار و قربانی سے کام لیا۔ اسی طرح ۱۶۵۷ء میں آتش زدگی اور زلزلہ سے شہرِ بریلی پر تباہی آئی تو انھوں نے جو سلوک مسلمانوں کے ساتھ کیا وہی ہندوؤں کے ساتھ کیا۔ ایک اور واقعہ ہے کہ حافظ الملک جب صاحبزادہ ارادت خاں کی شادی کر کے شاہجاں پور سے لوٹ رہے تھے۔ تو پہلی منزل پر کسی رسالدار کا ایک ہندو ملازم کارپردازان رسد کے پاس آیا اور اس نے بیس سیر آٹا اور بیس سیر گھی طلب کیا۔ کارپردازوں نے اس سے دریافت کیا کہ تم تنہا ہو یا تنہا رہے ہو؟ ہمارے ساتھ بھی ہیں۔ تم کس امیر کے ملازم ہو اور کیا کام کرتے ہو۔ اس ہندو نے اپنے رسالدار کا نام بتایا اور کہا کہ میرے ساتھ دس اور آدمی ہیں اور یہ گھی رسالدار صاحب کے گھوڑوں کے واسطے لئے جاتا ہوں۔ میں خود رسالدار کے کماروں میں ملازم ہوں۔ اتفاقاً جس رسالدار کا نام لیا گیا اُس کے ملازم اُسی وقت تمام اشیاء مطلوبہ لجا چکے تھے۔ لہذا

کا پردہ ازلوں کے دل میں شک پیدا ہوا اور انہوں نے تحقیق احوال کے لئے ایک شخص کو اس رسالہ دار کے پاس بھیجا۔ تحقیق کے بعد اس ہندو ملازم کا بھوٹ اور فریب کھل گیا۔ چنانچہ اس کو فوراً پکڑ کر حافظ الملک کے حضور میں لے گئے اور تمام واقعہ عرض کیا۔ حافظ الملک نے حکم دیا کہ اس شخص کو پھیس سیر آنا اور پھیس سیر گھی دیا جائے۔ اور فرمایا کہ ”اس قسم کی تحقیقات سے جو غریب لوگوں کو واسطے موجب خجالت ہوتی ہے آئندہ پرہیز کیا جائے۔“

حافظ الملک کی اسی رحمدلی۔ بیدار مغزی۔ روشن خیالی۔ بے تعصبی اور انصاف پسندی کا نتیجہ تھا کہ ان کی ہندو رعایا نے بھی اپنے قابل احترام آقا کے لئے وفاداری کی مثال قائم کر دی۔ جس وقت تمام مسلمان عزیز و اقارب اور سرداروں نے حافظ الملک کی جان بچانے کے لئے روپیہ فراہم کرنے سے انکار کر دیا اس وقت دیوان ہار سنگھ کا چالیس لاکھ روپیہ کا پیش کش کرنا اور جب سخت بے سروسامانی میں حافظ الملک نے وطن عزیز کی خاطر جنگ آزادی کے لئے علم جہاد بلند کیا اس وقت جو جوق جوق راجپوتوں کا اگر شریک حال ہونا ایسے واقعات نہیں ہیں جن کو دنیا جلد فراموش کر سکے گی۔ یہ ایسے واقعات ہیں جن کو تاریخ عالم میں ہمیشہ آب زر سے لکھا جائے گا۔

سیرچشمی حافظ الملک کی ایک مشہور و معروف صفت سیرچشمی تھی جس نے ان کی شخصیت کو اپنے ہمعصر حکمرانوں میں بہت ممتاز کر دیا تھا۔ عام ملکی واقعات میں دوسروں کی خاطر انہوں نے اینٹار و قربانی اور سیرچشمی کی جو عظیم النظیر مثالیں قائم کیں ان کے دوبارہ اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ روزمرہ کے نجی معاملات میں ان کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی امیر یا فقیر اگر اپنی بڑی سے بڑی خواہش و ضرورت کو ان کے سامنے پیش کرتا تو سوائے حرف قبیل دوسرا کلمہ زبان سے نہ سنتا۔ ساتھ ہی لوگوں کی آرزوئیں پوری کرنے کے بعد ان کی یہ عادت تھی کہ حد درجہ ہندو خواہی کرتے اور جس پر احسان کرتے ان کا قدر احسان مانتے گویا کہ خود

ان پر اعلان کیا گیا ہے -

اپنے یہاں کی تقریبات میں ایسی الوالعربی اور سیڑھی کا ثبوت دینے کو دیکھنے والوں کو جیسرت ہوتی تھی بالخصوص لڑکوں کی شادیوں میں تمام ہندو مسلمان غریب و امیر اہل شہر کی دعوت کرنے اور جلسہ داروں اور اہل سپاہ اور ان کے ملازموں کو جن کی تعداد اکثر ایک لاکھ تک ہوا کرتی تھی ایک ایک مہینہ مہمان رکھتے تھے۔ اور اتنے کثیر آدمیوں کی اس طویل مہمانداری کے لئے اس قدر سامان خورد و نوش فراہم کرتے کہ صرف ہو جانے کے بعد بھی باقی بچ رہا کرتا تھا۔ مثلاً۔ صاف جزاۃ ارادت خاں کی شادی میں تقریباً ایک لاکھ براتیوں کے ساتھ شاہجہاں پور سے برات رخصت کرا کر واپس ہوئے اور پہلی بھیت کے قریب پہنچے تو کارپردازان مطیع سرکاری نے عرض کیا کہ سامان خورد و نوش میں جو ضیافت لشکر کے واسطے ہمراہ تھا اس میں سے بہت زیادہ مشیار باقی بچ رہی ہیں پہلی بھیت میں جو سامان ہیا ہو وہ اس کے علاوہ ہے۔ حافظ الملک نے حکم دیا کہ کل جب ہم پہلی بھیت میں داخل ہوں تو باقی ماندہ سامان کو اکٹھا کر کے یہیں دکھانا۔ بموجب حکم تعمیل کی گئی۔ اور دوسرے روز صبح کے وقت حافظ الملک سوار ہو کر اس جگہ جہاں سامان جمع تھا تشریف لے گئے۔ سامان مذکور کو ملاحظہ فرما کر اہل لشکر اور شہر میں منادی کرادی کہ ان ذخائر میں سے جس شخص کو جس قدر سامان ورکار ہوئے جائے۔ تمام اہل شہر و لشکر کی انبوه درانبوه ٹڈی دل کی طرح جملہ سامان پر ٹوٹ پڑے تمام دن لوٹ جاوی رہی۔ لیکن پھر بھی شام کے وقت پانچ ہزار بھڑ بھڑاں۔ کئی سو من آٹا اور اسی تناسب سے چاول۔ دال۔ گھی۔ شکر اور نمک سالہ وغیرہ بچ رہا۔ لوٹے لوٹے تھک گئے مگر سامان ختم نہ ہوا۔

شادیوں کے موقع پر محل خاص کی بیگمات کی مجالس بالعموم نصف شب تک رہا کرتی تھیں اس کے بعد جب بیگمات وہاں سے اٹھ کر آرام کرتی تھیں تو خدامت فرش اٹھا کر تقسیم سے بھیجی ہوئی الاپچی اور سپاری وغیرہ جمع کر لیتی تھیں۔ اور یہ سامان اس کثرت سے ان کے پاس جمع ہو جاتا

تھا کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے پختہ عمارتیں اور طلائی زیورات تیار کرالیا کرتی تھیں۔
حافظ الملک کی سیر چٹھی اور ان کے زمانہ سعادست اقران کے دراصل ہی وہ فوائد تھے جنہوں نے مخلوق کے دلوں میں ان کی یاد کو زندہ جاوید کر دیا ہے۔
مسٹر الیٹ حافظ الملک کی شہادت کے چالیس سال بعد بریلی میں کچھ عرصہ قیام کر کے کہتے ہیں کہ۔

”یہاں حافظ رحمت خاں کو لوگ انتہائی عزت و احترام کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔“

زندہ جاوید گشت ہر کہ کو نام ز بیست

کز عقیقش ذکر خیر زندہ کند نام را

شجاعت و شہامت معمر کہ ہائے حرب و میدان کارزار میں حافظ الملک سے جو شجاعت و شہامت ظہور میں آتی تھی۔ اس کا مختلف لڑائیوں کے بیان میں بالتفصیل ذکر آچکا ہے۔
حافظ الملک کی دلیری و مردانگی ضرب المثل تھی اور وہ اپنے زمانہ میں ہندوستان کے سب سے زیادہ بہادر سردار خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک مستند حکایت ہے کہ سرسند کے معرکوں میں جب اُن سے غیر معمولی بہادری ظہور پذیر ہوئی تو جمال خاں بالیری نے جو رستم پنجاب کے لقب سے مشہور تھا اپنی تلوار کو سرسند کے کھول کر حافظ الملک کے سامنے رکھ دی اور عرض کیا کہ۔

”میں نے اس وقت تک اس مرتبہ کی شجاعت کسی شخص میں نہیں دیکھی پس اپنے ہاتھ

سے میری کمر سے تلوار باندھ دیجئے تاکہ آپ کے دست مبارک کی برکت سے

میں بھی شجاعت کے اس درجے کو پہنچوں جس سے آپ ممتاز ہیں۔“

ایک اور معتبر حکایت ہے کہ ایک مرتبہ حافظ الملک بریلی سے پٹلی بھیت تشریف لے جاتے تھے۔ چند مخصوص اہل صحبت اور کچھ اہل فوج بھی ہمراہ تھے۔ اتفاقاً برکاری ہاتھیوں میں

سے ایک باہمی جو سرکشی اور بے کشتی ہیں اپنا نظیر و ثانی نہیں رکھتا تھا اور بہت سے فیل باؤں اور دوسرے لوگوں کو ہلاک کر چکا تھا کسی گاؤں سے پہلی بھیت کو آ رہا تھا۔ دریائے دیوہاکے کنارے حافظ الملک کی سواری سے اس کا مقابلہ ہو گیا۔ فیل بان نے بہت ہوشیاری سے اسکو سواری خاص سے ایک تیر کے فاصلہ پر کر لیا اور نیچے نیچے چلنے دیا۔ اس حال میں تھوڑا ہی رستہ طے ہونے پایا تھا کہ باقی مذکور نے سرکشی پر آمادہ ہو کر بدغویٰ اور سرتابی شروع کر دی اور حافظ الملک کی سواری کی طرف رخ کیا۔ فیل بان نے ہر چند چاہا کہ اس کا منہ کسی اور طرف پھیر دے مگر نہ پھیر سکا اور وہ بدست آنکس کے بکثرت زخم کھا کر بھی اپنی کج روی سے باز نہ آیا۔ مجبوراً فیل بان نے چلا کر آواز دی کہ یہ دیو صفت بدخصلت میرے قبضہ و اختیار میں نہیں رہا ہے سب لوگوں کو اپنی اپنی جان بچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس آواز کو سنتے ہی حافظ الملک کے تمام ساتھی پیادے اور سوار اس کوہ رداں کو دیکھ کر جس کا جدھر کو منہ اٹھا فرار ہو گئے۔ پالکی خاص کے کمار بھی پالکی لے کر بے عجلت تمام ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔ ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ باقی پالکی کے قریب آ گیا اور کمار لوگ بھی پالکی کو زمین پر رکھ کر بھاگ گئے۔ اس حال کو مشاہدہ کر کے حافظ الملک جو اب تاک بہت اطمینان اور سکون سے پالکی کے اندر تشریف فرما تھے نہایت تکلیف و وقار کے ساتھ پالکی سے برآمد ہوئے۔ بڑا اصفہانی چھڑا ہاتھ میں تھا جس کا قبضہ مضبوط پکڑے ہوئے تھے۔ ایک پاؤں پالکی میں اور ایک پاؤں باہر زمین پر جا کر نیم قد سینہ ابھار کر کھڑے ہو گئے تاکہ باقی حملہ کرے اور وہ اس کے سر سے بھیجا نکال لیں۔

ادھر وہ فیل مست پالکی سے چار بانچ گز کے فاصلہ پر آ کر ٹھہر گیا۔ ایک دومنٹ حافظ الملک کو غور سے دیکھا پھر منہ پھیر کر کسی دوسری طرف کو چنگھاڑیں مارتا ہوا بھاگ گیا۔

اس عرصہ میں حافظ الملک بڑے استقلال کے ساتھ تنہا اسی شان سے نیم قد کھڑے رہے۔ اس موقع پر صرف یار محمد خاں خشک حافظ الملک کے پاس اس طرح ٹھہرا ہوا کہ اس کے اوپر باقی کے درمیان پالکی حامل تھی۔ حافظ الملک نے پہلی بھیت پہنچ کر یار محمد خاں خشک کو پیادوں کے

زمرہ سے نکال کر محمد اری کے منصب پر سرفراز کیا۔ اور ایک گھوڑا خاص عنایت کیا۔
علمِ فضل عام مورخ حافظ الملک کی علمی قابلیت کے بارے میں خاموش ہیں۔ گلستانِ رحمت سے ضرور اتنا پتہ چلتا ہے کہ حافظ الملک ذہین و ذکی تھے طبع رسا رکھتے تھے۔ اور سائل ضروریہ فقہ پر مدتِ قلیل میں عبورِ کلی حاصل کر لیا تھا۔ ایٹیاپی مورخین کی اسی افسوسناک موٹی کا نتیجہ ہے کہ بعض یورپین مستشرقین اور محققین نے ان کو سرے سے جاہل مطلق ہی سمجھ لیا۔ اور جب ہیڈسٹنگز پر انگلستان واپس ہونے کے بعد اس کے ہندوستانی مقام کی بنا پر پارلیمنٹ میں مسٹر برک وغیرہ نے مقدمہ چلویا تو اس کے وکیل مسٹر لائل نے ہیڈسٹنگز کی صفائی میں جو تقریر کی اُس کے دوران میں نہ صرف حافظ صاحب کی شاعری سے انکار کیا بلکہ اُن کو جاہل مطلق ثابت کرنے میں کسر اٹھانہ رکھی اور اُن کو شاعرانہ والوں کے دعوے کی یہ کھکر تغلیط کی کہ حافظ رحمت خاں سے جو اشعار منسوب کئے جاتے ہیں وہ اُن کے نہیں بلکہ حافظ شیرازی کے ہونگے۔ مسٹر لائل فرماتے ہیں۔

”و حافظ رحمت خاں پر مظالم کا خاص طور پر اظہار افسوس کیا گیا ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ کوئی خاندانی شاہزادہ تھا بلکہ اس وجہ سے کہ وہ بہت بڑا بہادر تھا۔ اپنے پس پامیانہ صفات رکھتا تھا اور متاع تھا۔ میں نے حال ہی میں اس موضوع پر ایک دلچسپ لہ پڑھا ہے۔ جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ تمام مشرق میں نہ صرف اپنی بہادری بلکہ اپنی پاکیزہ شاعری کے لئے بھی مشہور تھا۔ حافظ شیرازی ضرور ایک بہت بڑا شاعر تھا لیکن پینض حافظ رحمت خاں شاعر تو شاعر اگر وہ صلیحانہ (شاہ آباد) پر دستخط نہ کرتا تو مجھے شبہ ہوتا کہ آیا اُس کو اپنا نشان انگوٹھا بھی لگانا تھا یا نہیں؟“
 اسی طرح حافظ الملک کے ”حافظ“ ہونے میں مسٹر لائل نے اپنا شبہ ظاہر کیا ہے کہتے ہیں۔
 ”وہ حافظ اس وجہ سے کہلاتے تھے کہ اُن کو نواب علی محمد خاں نے اپنے لڑکوں کا حافظ (گرجین) مقرر کیا تھا۔“

حافظ الملک کے حافظ قرآن ہونے سے انکار کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے وہ صرف برائے نام حافظ نہ تھے بلکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں ہر سال ماہ صیام میں تراویح میں کلام مجید سناتے تھے۔ اب رہی اُن کی شاعری کی بحث اس کے متعلق برک جیسے محقق کے اس فرمانے پر کہ ”روہیلوں کا وہ مقتدر سردار..... جس نے اپنی ادبی تصنیفات اور لطیف شاعری

سے حافظ کا نام زندہ کیا۔“

مسٹر تالا کا یہ کہنا کہ حافظ رحمت خاں شاعر نہ تھے بلکہ یہ شاعر حافظ شیرازی تھے ایک مفحکہ خیز نظریہ ہو حافظ شیرازی کا زمانہ چودھویں صدی عیسوی کا ہے اور اُن کا کلام اس قدر مشہور و معروف ہو اور اُن کا ایک ایسا مخصوص رنگ ہے کہ کوئی معمولی عقل و فہم کا شخص بھی اُس کو کسی اور کا کلام نہیں کہہ سکتا حافظ الملک کا زمانہ اٹھارویں صدی عیسوی کا زمانہ ہے اور جس قدر ان مافطین کے عہد میں تفاوت ہے اُسی نسبت سے اُن کے کلام میں بھی امتیاز ہونا لازمی ہے۔ افسوس کہ ہمیں حافظ الملک کا کچھ کلام دستیاب نہ ہوا ورنہ ہم چودھویں صدی اور اٹھارویں صدی کے ان ہر دو شاعروں کے کلام کا موازنہ کر کے مسٹر تالا کی عقل سلیم کی داد دیتے۔ لیکن یہ ایک مسلمہ تاریخی واقعہ ہے کہ حافظ الملک پشتو اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔

سر جان اسٹریچی نے اپنی کتاب ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا واریں ”حافظ رحمت بحیثیت ایک شاعر، ایک باب لکھا ہے جس میں مذکور ہے کہ۔

”ایم ڈارمس بیٹر اپنے رامپور جانے کی کیفیت اس طرح بیان کرتا تھا کہ جب وہ وہاں سے

رخصت ہو رہا تھا تو اُس کو ایک روہیلے نے حافظ رحمت خاں اور دوسرے روہیلا

سرداروں کا ایک قلمی مجموعہ کلام دیا۔ یہ مجموعہ جو اس کو رامپور میں دیا گیا اور جواب برٹش

عجائب خانہ کے مشرقی زمستہ جات میں محفوظ ہے اس میں بہت سے دوسرے افغان

سرداروں کی غزلیات کے علاوہ پشتو زبان کی ایک نظم حافظ رحمت خاں کی بھی ہے

جس کا مضمون پٹھانوں اور مغلوں کی موروثی عداوت ہے۔ یہ شبہ کرنے کی کوئی وجہ

نہیں معلوم ہوتی کہ یہ حافظ رحمت خاں ہی کی تصنیف ہے اس نظم کے علاوہ ایم ڈاؤس ٹیٹر نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ۔

”مگر حافظ رحمت خاں کا دیوان میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا لیکن تعلیم یافتہ افراد میں یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ وہ ایک دیوان چھوڑ مرے تھے۔ مجھے امید ہے کہ وہ دیوان اب بھی ہندوستان میں ہوگا لیکن خود مجھے نہ مل سکا۔ راپور اور بریلی میں تو اب اس کے وجود تک کا لوگوں کو علم نہیں ہے۔“

سر جان اسٹریچی لکھتے ہیں کہ۔

”بہر حال جب یہ کتاب پریس میں جا رہی تھی تو مجھے ہندوستان سے چار فارسی کی غزلیں موصول ہوئیں جن کی بابت یہ لکھا گیا تھا کہ وہ حافظ رحمت خاں کی ہیں۔ بحالت موجودہ میں اس بیان کی صحت و عدم صحت کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن وہ لوگ جن کی رائے اس بارے میں بہت وقعت رکھتی ہے کہتے ہیں کہ بہت ممکن ہے یہ غزلیں منائع شدہ دیوان کا ایک جزو ہوں۔“

ان تاریخی شہادتوں سے یہ صریح نتیجہ نکلتا ہے کہ حافظ صاحب صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ خود جس شخص کا یہ قول ہی نہیں بلکہ عقیدہ ہو کہ

”ایک سردار با سپاہی کی شہرت اُس وقت تک نامکمل رہتی ہے جب تک وہ صاحبِ دیوان نہ ہو“

تو پھر یہ کیسے یقین کر لیا جائے کہ انھوں نے اپنا دیوان نہ چھوڑا ہو۔ حافظ الملک نے جو زمانہ پایا تھا اُس عہد کی یہ خصوصیات تھیں کہ اُس زمانہ کے اہل سیف اہل قلم بھی ہوتے تھے اور اُن کا قلم نہ صرف ملکی و مالی گتھیوں کے سلجھانے کے لئے وقف ہوتا تھا بلکہ علم و ادب کے نکات (شاعری کو جس سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا) حل کرنے میں بھی مدد ملنے رکھتے تھے۔

ہر شخص جس کو علم تاریخ سے تھوڑا سا لگاؤ ہے جانتا ہے کہ احمد شاہ درانی

جیسا بہادر شاعری کا بھی مرد میدان تھا اور صاحبِ دیوان تھا۔ اُس کے اکثر جانشین بھی شاعر تھے جن میں شاہ شجاع کا نام زیادہ مشہور ہے۔

سرجان اسٹریچی حافظ الملک کے اہل ذوق اور اہل علم ہونے پر مزید روشنی اس طرح ڈالتے ہیں کہ۔

”حافظ رحمت خاں کے پاس ایک بڑا ذخیرہ کتب تھا جس کو ان کی شکست و شہادت کے بعد شجاع الدولہ کھنڈ لے گئے اور جو بعد کو شہان اودھ کے شاہی کتب خانہ کی زینت بنا۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے ان کتابوں کی فہرست مرتب کی تھی جس کی ایک جلد ۱۸۵۷ء میں شائع ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ ’مجھے اسلحہ خانے میں چالینس صندوق خراب و خستہ حالت میں رکھے ہوئے ملے اُن میں حافظ رحمت خاں کا تمام علمی خزانہ موجود تھا۔ کتابوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بعض پشتو کی تصانیف تھیں جو بڑی کاوش کے ساتھ کمالِ حسن و خوبی بہادر اور صاحبِ علم و فضل روہیلہ دردار کے لئے لکھی گئی تھیں؛ شاعر کے ہنگامہ میں کھنڈ کا کتب خانہ ٹٹ لٹا کر برباد ہو گیا لیکن پھر بھی کافی تعداد میں اس کی کتابیں وقتاً فوقتاً دستیاب

ہوتی رہی ہیں“

حافظ الملک کی کتابوں میں ایک کتاب ’سٹے بہ خلاصۃ الانساب‘ ہے۔ جو مولف اوراق ہذا کو بڑی کوشش سے دستیاب ہوئی۔ اس کتاب میں مصنف نے اپنے بزرگوں کے نام و نسب و غیرہ کے تفصیلی حالات تحقیق کر کے لکھے ہیں۔

اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم لندن میں بھی محفوظ ہے۔ ایک اور کتاب ’موسوم بہ تواریخ رحمت خانی‘ ہے۔ جس میں یوسف زائیوں کے کابل پر قبضہ کرنے اور ہندوستان آنے کے تاریخی واقعات مفصل اور مترجح طور پر درج ہیں۔ یہ کتاب ابتداء ۱۲۶۲ھ میں

پشتو زبان میں لکھی گئی تھی اور اس کا حافظ الملک نے شائع میں آسان اور با محاورہ فارسی میں ترجمہ کرایا تھا۔ اب یہ کتاب انڈیا آفس لائبریری لندن میں مل سکتی ہے۔ ہندوستان میں بھی اس کی بہت پرانی نقول خدا بخش لائبریری پٹنہ اور ہمارے ایک دوست سید عترت علی صاحب کے پاس آگرہ میں موجود ہیں۔

(۳۹)

خلاصہ کلام

حافظ الملک حافظ رحمت خاں جن کی ہایت نواب صفدر جنگ کا یہ قول تھا کہ میں نے طابیت افغان کے لوگوں میں کبھی کوئی شخص اس لیاقت و فہمید کا نہیں دیکھا اور جن کو بزرگ جیسے مشہور عالم عالم و معن نے اپنے عہد کا سب سے بہادر انسان تسلیم کیا تھا۔ ایک مطلق العنان حکمران ہونے کے باوصف عوام میں روح آزادی کو برقرار رکھنے کے حامی تھے۔ انصاف کے برتنے میں اپنے پرانے کا امتیاز جائز نہ رکھتے تھے۔ زراعت و تجارت کی ترقی کو رعایا کی خوش حالی کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ عمارات کا نہایت شوق تھا اور اپنے اس شوق کو پورا کرنے میں نواب عقیلی اور نفع رسانی خلائق کے دو گونہ مقاصد مد نظر رکھتے تھے۔ شادی بیاہ اور مذہبی تعاریب میں جو کچھ خرچ کرتے اُس سے نفرا سخر با۔ یمیں اور بیواؤں کی امداد مقصود ہوتی تھی۔ اور علوم و فنون کی ترقی کی غرض سے طلباء اور علماء و فضلاء کی امداد میں بکمال دریا دہی لاکھوں روپیہ صرف کرنا اُن کی عادت میں شامل تھا۔

انظام ریاست سے قطع نظر کے ایک انسان کی حیثیت سے اُن کی زندگی اتقا۔ پرہیز گاری۔ پاکبازی سیرت سخی اور رحم و کرم کا نمونہ تھی۔ مذہبی حیثیت سے وہ ایک سچے اور پکے مسلمان تھے۔

سادات کے ساتھ عقیدت اور اُن کا احترام اعتدال سے بڑھا ہوا تھا۔ مشائخ و صوفیائے کرام کے ساتھ ارادت اُن کی خدا طلبی کی دلیل تھی۔ صنف نازک کے ساتھ حسن سلوک اُن کا مخصوص شیوہ تھا۔ غیر مسلم رعایا کے ساتھ رواداری۔ نئے تعصبی اور انصاف پسندی اُن کے بہت بڑے کارنامے ہیں۔ شجاعت و بہادری کی مثالیں اُن کے عہد کے معرکوں سے ظاہر ہیں۔ علم و فضل کے متعلق صرف یہ کہنا کافی ہے کہ حافظ الملک علم دوست اور علم پرور ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ شاعر۔ ادیب اور زبردست عالم تھے۔



ضمیمہ نمبر ۱ خاندانِ حافظِ الملک کی اسیری و رہائی اور عطائے وظائف و معافیات

ایامِ اسیری حافظِ الملک کے جلاؤں خاندانِ زن و مرد خورد و کلاں باستثنائے نوابِ محبت خاں۔ ذوالفقار خاں اودا مادست خاں قطعہ آباد میں قید کر دیئے گئے تھے۔ ان کے ہمراہ ان کے متعلقین کے علاوہ بکثرت علما۔ فضلا اور شرفاء و وہیل کھنڈ بھی مجبوس تھے۔ شجاع الدولہ کی وفات کے بعد جب آصف الدولہ مسند نشین ہوئے تو انہوں نے وہیل کھنڈ کے کچھ مسکین قیدیوں کو بطور تصدق قید سے رہا کر دیا مگر حافظِ الملک اور نواب دوندے خاں موجودہ متعلقین کو بدستور قید و بند میں بسلا رکھا۔ اسی طرح نامور شاہپر و سردار ان وہیل کھنڈ مثل عرب خاں بھڑیج۔ خان محمد خاں کمال زائی۔ رحمت خاں۔ عالم خاں غرغشی۔ ملاحس خاں۔ ملا عالم خاں۔ ملا عبد الواسع خاں۔ قاضی محمد سجد خاں۔ منو خاں خانساماں اور اختیار خاں چلیہ کو بھی رہا نہ کیا اور چاہا کہ ان کے ذریعہ پہلے ان کے متعلقین سے روپیہ وصول کر لیا جائے۔ اپنے جلوس کے چند ماہ بعد آصف الدولہ نے نوابِ محبت خاں کو بھی الہ آباد بھیج دینا چاہا لیکن سالار جنگ کے بھائی مرزا علی خاں نے سفارش کی اور کہا کہ۔

”بادشاہ اور امیر لوگ جلوس کے وقت قیدیوں کو رہا کیا کرتے ہیں۔ بے گناہوں کو قید

نہیں کرتے اگر آپ کو اپنے والد مرحوم کے موافق محبت خاں کے ساتھ نیک سلوک

منکر نہیں ہے تو کم از کم بدسلوکی ہرگز نہ کرنی چاہیے“

مرزا علی خاں کا یہ انتہاء موثر ہوا اور آصف الدولہ اپنے امداد سے باز رہے۔ لیکن پھر بھی بعض حسد پیشہ

مصاحبوں کے اغوا سے پریشانیدہ طور پر حافظ الملک کے صاحبزادوں اور تعلقین کی تخریب و ایذا رسانی کے درپے رہے۔ محبت خاں کا جو دریاہ بہہ مقرر تھا بند کر دیا گیا۔ الہ آباد کے قیدیوں پر بھی پابندیاں اور پھنسیاں بڑھا دی گئیں۔ اور نواب خجاع الدولہ کے وقت سے جو سوڑو پیہ پیہ قیدیوں کو خوراک کے واسطے ملتا تھا اس میں عذرات چند در چند پیش کر کے کاٹ پھانٹ شروع کر دی۔ مختصر یہ کہ قیدیوں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا حتیٰ کہ پچیس^{۲۵} سے زیادہ قیدی تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے۔ ارکانِ دولت میں سے کسی کی مجال نہ تھی کہ ان گرفتارانِ ہلاک ذکر بھی کر سکے سفارش تو بڑی بات تھی۔ رہائی لیکن اس حال میں کچھ زیادہ زمانہ نہ گزرنے پایا تھا کہ قدرت نے اسیرانِ روہیل کھنڈ کی رہائی کا خود بخود ایسا انتظام کر دیا کہ جن کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا یعنی حکومتِ اودھ کی حلیف۔ گورنمنٹ انگریزی اپنی مخصوص مصلح کی بنا پر ان کی ہمدردی پر آمادہ ہو گئی اور جو لوگ کل تک دشمن تھے آج دوست نظر آنے لگے۔

انگریزوں کی اس غیر متوقع عنایت کی وجہ یہ ہوئی کہ روہیل کھنڈ فتح ہو جانے کے بعد اب ان کی 'باریک ہیں' محابوں کو انڈیا کے نقشہ پر ریاستِ اودھ ایک 'بدنادر' معلوم ہونے لگی تھی اور انھوں نے 'ہندوستانی مفاد' کے لئے اپنا یہ فرض سمجھا کہ جس طرح بھی ہو اس بدنادر، کو جلد از جلد مٹا دینا چاہئے۔ چنانچہ اس نیک مقصد کی تکمیل کے لئے خلع الدولہ کا انتقال ہوتے ہی آصف الدولہ کو ایک 'پیامِ محبت و مودت' بھیجا گیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ۔

”آپ کے والد خجاع الدولہ کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے حکومتِ اودھ سے ہم اپنے تمام

سابقہ مطہرات کو کا عدم ترار دیتے ہیں صرف مندرجہ ذیل امور کا ضرور کاٹ کر رکھا جائیگا۔

نمبر ۱۔ تمام پھلے فرضے وصول کئے جائیں گے۔

نمبر ۲۔ انگریزی فوج متعینہ اودھ کے اخراجات میں پچاس ہزار روپیہ ماہوار کا احنا ذخیرہ جائے گا۔

نمبر ۳۔ راجہ جیت سنگھ کی ریاست بنارس بجائے تمھارے ہماری سرپرستی میں رہے گی

اور راجہ سے بائیس لاکھ روپیہ سالانہ تمھاری بجائے ہم وصول کیا کریں گے ۱۴

آصف الدولہ کو اپنے 'محسن' انگریزوں کے اس پیامِ محبت کو قبول و منظور کیے بغیر چاہے ہی کیا تھا۔ کیا وہ اس پھوٹے سے مطالبہ کے واسطے اُن سے لڑتے اور اگر لڑتے بھی تو ان کے پاس کیا اپنا توپ خانہ تھا جس سے مقابلہ کرتے یا ہار و سرفروش روہیلوں کا وجود باقی تھا جو ہر قسم کی زیادتیوں کے باوجود محض جذبہٴ اخوتِ اسلامی سے سحر ہو کر مدد کو آ جاتے۔

آصف الدولہ کی انہیں کمزوریوں کو پیش نظر رکھ کر اُن سے مطالبات کئے گئے اور یہ یقین کر کے کئے گئے کہ وہ باسانی منظور کر لئے جائیں گے۔ لیکن ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ اس قسم کے اقدامات کرنے وقت سرکارِ کمپنی ہار کا اُس زمانہ میں بالعموم یہ طرزِ عمل رہتا تھا کہ وہ والیانِ ریاست کے جذبات کا تو نہیں۔ ہاں اُن کی رعایا کے جذبات کا ضرور پاس کرتی تھی۔ اور ان کی تالیفِ قلوب کا تھوڑا بہت سامان پہلے سے ہتیا کر لیا کرتی تھی۔ چنانچہ اس موقع پر بھی راعی کو تکلیف دینے والے تین مطالبات کے ساتھ ہی ساتھ دو مطالبے رعایا کی پسند کے بھی شامل کر لئے گئے جو حسبِ ذیل تھے۔

اولیٰ۔ یہ کہ آصف الدولہ نے اپنی والدہ کو بہت تنگ دست کر رکھا تھا اور اس سے اہالیانِ اودھ بہت ناراض تھے لہذا آصف الدولہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے باپ کا دو ملین اسٹرلنگ کے قریب خزانہ اور کچھ قیمتی اضلاع جاگیر میں ان کے حوالے کریں ۱۵

دوم۔ یہ کہ اسیرانِ روہیل کھنڈ کی بحالی اور ان کے مصائب نے رعایاے اودھ و روہیل کھنڈ میں غم و غصہ کی ایک عام لہر دوڑادی تھی اس لئے آصف الدولہ کو طوعاً و کرہاً اس امر پر اصرار کیا گیا کہ وہ انکو قید سے رہا کریں اور ان کے واسطے وظیفے مقرر کریں ۱۶

۱۴ ہیڈنگز: اینڈ دی روہیلا وار صفحہ ۲۷۱۔

۱۵ ہیڈنگز: اینڈ دی روہیلا وار۔

۱۶ راجِ سیلانی۔

آخر الذکر مددوائی میں ایک فائدہ یہ بھی متصور تھا کہ آصف الدولہ کے مقابلہ میں خاندان حافظ الملک کے ساتھ انگریزوں کی طرف سے احسان و سلوک ہونا علاقہ روہیل کھنڈ کو آئندہ حکومت انگلشیہ میں شامل کرنے وقت بوقت ضرورت "کام آئے گا۔ چنانچہ کام آیا اور کئی عرصہ میں انگریزوں نے روہیل کھنڈ کو اودھ والوں سے لے لیا تو نہ صرف حافظ الملک کے اہل خاندان نے بلکہ تمام اہالیان روہیل کھنڈ نے بھی اپنے آقا زادوں کے ساتھ سلوک کرنے والوں کو احسان کا بدلہ احسان سے دیا۔ بغیر کسی ہزیمت کے اور بلا پس و پیش انگریزی حکومت کو قبول کر لیا اور اس کو ابر رحمت بھگت اس کے زیر سایہ آ گئے۔

اسیران روہیل کھنڈ کی رہائی ساٹ شعبان المعظم ۱۱۸۵ھ مطابق ۱۷۷۷ء کو بروز شنبہ محل میں آئی اور یہ سب لوگ پہلے الہ آباد سے کھنڈ لائے گئے جہاں ان مصیبت زدوں کی ملاقات نواب محبت خاں ارادت خاں اور ذوالفقار خاں سے دریاے گومتی کے کنارے برٹش ریزیڈنٹ کی کوشی میں ہوئی۔

ملاقات کا منظر نہایت درد انگیز اور ساتھ ہی بہت مسرت بخش تھا۔

خوشاوت سے دھرم روزگار سے

کہ یکسر بخوردار وصل یار سے

وٹھا دھماکت چند روز کے بعد برٹش ریزیڈنٹ نے حافظ الملک اور نواب دوندے خاں کے اہل خاندان

کو آصف الدولہ کی جانب سے آزادی کامل کے احکام اور ایک لاکھ روپیہ سالانہ کے وظیفے کی خوشخبریاں سنائیں۔ وظیفے کی تقسیم اس طور پر کی گئی کہ سپنٹھ ہزار روپیہ حافظ الملک کے خاندان کے لئے اور پندرہ ہزار نواب دوندے خاں کی اولاد کے لئے مقرر ہوئے۔ دوندے خاں کے بیٹوں نے اس طویل رسم کو قبول نہ کیا اور نواب فیض اللہ خاں کے پاس رامپور چلے گئے جنہوں نے ان کی تحوا میں مقرر کریں۔ حافظ الملک کے لڑکوں نے باسٹنٹائے نواب غفلت خاں - حرمت خاں اور اکبر خاں اپنے اپنے حصہ کے روپے لینے میں کوئی عذر نہ کیا اور جس نے جہاں چاہا سکونت اختیار کر لی۔ نواب محبت خاں اور دیدار خاں نے لکھنؤ میں قیام کر لیا۔ ارادت خاں نے شاہجان پور میں اور باقی سب بریلی میں جا کر بس گئے۔

ششہ ۱۶ عہدِ نوابِ سعادت علی خاں میں روہیل کھنڈ انگریزی حکومت میں آگیا تو حکومتِ انگلشیہ نے خاندانِ حافظِ الملک کی پرورش کے واسطے نہ صرف مذکورہ بالا پینسٹھ ہزار روپیہ کے وظیفے کو جاری رکھا بلکہ کچھ عرصہ کے بعد ششہ ۱۲۲ھ مطابق ششہ ۱۶ میں ان لوگوں کی وفاداری پر اطمینان کر کے مبلغ تیس ہزار پانچ سو تیرہ روپیہ کا اس میں اضافہ منظور کیا۔ علاوہ بریں یہ بھی حکم ہوا کہ اس وجہ معاش کے سوا اور جو کچھ روپیہ نقدی اور جاگیرات وغیرہ جو دلیان اودھ یا ان کے عال نے عطا کی ہوں اور ان میں سے جس قدر کہ حافظِ الملک کے اہل خاندان - سرداروں اور متوسلوں کے تصرف میں ہوں وہ ہمیشہ کے واسطے بحال و برقرار رہیں گی اور کبھی کوئی ان پر متصرف نہ ہوگا۔ چنانچہ اس ذریعہ سے حافظِ الملک کے خاندان میں وسائلِ معاش میں وسعت ہوگئی اور یہ لوگ خاصی خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

ملہ خاندانِ حافظِ الملک میں یہ خوشحالی کچھ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہی کیونکہ جب وظیفوں اور معانی کی جاگروں کی اولاد در اولاد ترقی نہ ہوئی تو ان لوگوں نے اپنی بڑھتی ہوئی ضروریات و مجبور ہو کر جاگوں کو فروخت کرنا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ جائیدادیں نکلتا شروع ہو گئیں۔ اس عہد میں اس سے متاثر ہو کر سلطانِ اعظم خاندان بعض شہزادوں نے لوگوں نے بحث و لڑائی اور جزیں - سر - ای - کول - بک کی صوفت جاگیرت کو محفوظ رکھنے کی بابت گورنر جنرل کے پاس ممبریل بھیجے ان ممبریل کا مقصد یہ تھا کہ جو اور کسی شہزادہ کو بغیر اہلیانِ ہوسلطان خاندان کی تمام جائیدادوں پر بالگرداری صاف کر دی گئی اور ان کو خاندان ہی میں قائم رکھنا منظور کیا۔ ششہ ۱۷۱۱ء میں اس حکم کی بناء پر نقدی جو اس پر عملدرآمد شروع ہوا ششہ ۱۷۱۱ء میں کوئٹہ کے معانیات کو دو دہائی قرار دے کے بارے میں ایسے احکامات کی دو بابہ تجویز کی لیکن اس کے باوجود ۱۲۰۰ جولائی ۱۸۱۲ء کو مسٹر ریکارڈر کا کلر بری نے معانیات کی تصفیات کے نتیجے میں سنٹرل گورنمنٹ کو اپنی جو تفصیل پر رپورٹ پیش کی اس سے ظاہر ہوا کہ بہت کافی جائیدادیں فروخت ہو چکی ہیں اور جو باقی ہیں وہ غیر محفوظ ہیں۔ مسٹر کلارک نے یہ بھی لکھا کہ اس صورت حال سے غیر ذرا غریبی پھیل رہی ہے اور معانیات کی حفاظت حافظِ الملک کی گذشتہ اوقات کا مساسلہ نظر نہ آجائے۔ مسٹر کلارک کی رپورٹ پر سنٹرل گورنمنٹ نے فوراً توجہ کی اور جزیں ششہ ۱۷۱۱ء کے وہ مشہور احکامات صادر ہو جن کی رو سے تمام جاگوں نامہ داران و معانی داران واسطے دوام بحال کی گئیں۔ تاہم ان معانیات سے جو جاگوں کے لئے حاجی دیا گیا اور قرار دیا گیا کہ یہ جاگوں کے لئے بعد معانی کے بعد کافی خرچہ کی غیر ضرورت نہیں ہے گی۔ اور اہلکاران رکاب جائزہ داروں کے جس میں حسبِ شریعہ اسلام اس کی حق رسائی کر دینے لیکن ان معانیات و معروضات احکامات کے ہوتے ہوئے نہ معلوم کیوں ششہ ۱۷۱۱ء سے علان کوئٹہ نے ان معانیات کے معاملات میں دخل اندازی چھوڑ دی اور ششہ ۱۷۱۱ء میں عدالتوں نے خلاف فیصلے دینے کے بعد جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عدالت کے ساتھ معانیات کی فروخت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ ششہ ۱۷۱۱ء میں یہ حکم صادر ہوا جس میں عدالتوں نے شرکت کے باعث ان لوگوں کی طرف سے کوئٹہ کی بے نیازی اور بڑھتی ہوئی رقم ۷۰ سال بعد یعنی ۱۲۷۱ء ششہ ۱۷۱۱ء کو خاندان کے دفاتر رکلا لوگوں کی کوئٹہ سے جواب خط لکھا بریلی ۱۸۷۱ء - ۱۸۸۱ء ششہ ۱۷۱۱ء کا اصل پنجاب روڈ آف رونیو تجارت کش صاحب بریلی صادر ہوا جس کا یہ غرض تھا کہ جنگل ششہ ۱۷۱۱ء کا معانیات پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے اور ششہ ۱۷۱۱ء کے احکامات - کوئٹہ سے فرار ہیں۔ لیکن ششہ ۱۷۱۱ء کی عام تباہی و بربادی نے ان لوگوں کو اس قابل نہ رکھا تھا کہ ان جائیدادوں کو کوئی ان کے اولاد کی سلاسل پر پیش دانی کے واسطے عطا کرے تھیں اور جو گردش زمانہ سے کوئٹہ کے سرل دومردوں کے قبضہ میں پہنچ گئی تھیں مقدمات اور کرکے واپس لیتے۔ تاہم ششہ ۱۷۱۱ء سے کوئٹہ کو معانیات خانہ کو حاصل کر کے ان کے لئے کھال پیدا ہو گیا ہے اور دو تین ضروریات کا کام یہ بھی ہو چکا ہے۔ حال ہی میں ابتدائی عدالتوں کے ماتحت کے بعد ایک اہم مقدمہ کا عدالتِ عالیہ کی کورٹ الدار سے خطاب باوجود اللہ صاحب کی توجہ پر بریلی کے حق میں فیصلہ ہوا ہے۔ اس فیصلے سے ایک عہدِ بدرفتار قائم ہوگئی کہ ششہ ۱۷۱۱ء کے احکامات متروک فرما دیں اور ان کی بنیاد پر معانیات کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ اس مقدمہ کی بروسی نوٹک مولوی اکرام اللہ صاحب وکیل بدایوں مال بریلی نے کی تھی اور ان کے پاس تمام ضروریات کا عدالت کی تعزلی و دفعی مرجو دیں اس لئے مولوی صاحب موصوف سے معانیات کے بارے میں مدد پر بالا جمال کی تفصیل طلب کی تھی اور گرفتار کا رشتہ اس کا جس میں باوجود مدعا کوئی حسبِ دعوہ کامیابی نہ ہو سکی۔ معانیات کی تہذیب اہل بریلی مراد آباد اور بریلی جہیت میں تقریباً ۱۹۱۲ء کی تقریبین میں ملے ہیں اور ان کی نسبت کا اندازہ ساٹھ لاکھ روپیہ کے قریب کیا جاتا ہے اگر کسی طرح یہ قیمتی جائیداد خاندانِ حافظِ الملک کو واپس لگئی تو امید ہے کہ شاید ایک دفعہ ان لوگوں کی موجودہ بدشان حالی کسی قدر خوشحالی سے تبدیل ہو جائے۔

ضمیمہ نمبر ۲

حافظ الملک کی ازواج و اولاد

حافظ الملک کی ازواج حافظ الملک نے پہلی شادی ملک شادی خاں ابن شہزاد خاں ابن محمود خاں غفر
موتی بابا کی صاحبزادی کے ساتھ کی تھی ان کے بطن سے صرف دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں بعد ازاں دوسرا عقد
ملک خداداد خاں کی صاحبزادی سے کیا جن سے عنایت خاں - محبت خاں اور عظمت خاں تین فرزند پیدا ہوئے
زودہ نانیہ کا انتقال ہوا تو ان تینوں فرزندوں کو زوجہ کلاں نے پرورش کیا باقی تمام لڑکیاں اور لڑکے ہندوستانی
بیویوں سے تولد ہوئے۔ ہندوستانی بیویوں کی صحیح تعداد اور نام نہ معلوم ہو سکے۔

حافظ الملک کی زوجہ کلاں جن کا ایک درد انگیز خط اس سے قبل درج کتاب کیا جا چکا ہے نہایت قوی پٹھانی
تھیں جب کسی کینیز یا خواص سے ناراض ہوتیں تو ایک ہاتھ سے اس کا منہ یا گردن پکڑ کر زمین سے
اٹھا لیتی تھیں اور غصہ میں فرماتیں کہ۔

”کیوں۔ نہر مانی کجخت اب تجھے زمین پر پٹاک دوں۔“

بجز ان الفاظ کے اور کسی قسم کا بُرا بھلا کہنا مطلق نہ جانتی تھیں۔

ایک مرتبہ حافظ الملک سے کہا کہ۔

”خان مجھے کچھ روپیہ دے دو۔“

حافظ الملک نے فرمایا کہ۔

”اچھا ہے لو لیکن جس قدر کہ ایک مرتبہ تم اٹھا کر بالا خانہ پرے جا سکو۔“

چنانچہ سات ہزار روپیہ ایک لگن میں بھر کر بیگ صاحبہ بے تکلف بالا خانہ پر اٹھا کر لے گئیں۔

ان کا ایک اور واقعہ ہے کہ دورانِ سفر میں رات کے وقت دو چور کسی صورت سے غمہ کی فحاش چاک کر کے
اندر آ گئے۔ ایک پلیٹ پر حافظ الملک اور دوسرے پر بیگ صاحبہ آرام فرما تھیں چور جو بیہمی میں داخل ہوئے تو

بیگم صاحبہ کی آنکھ کھل گئی فوراً ان کے پیچھے دوڑ پڑیں ایک چور تو فحاشی میں سے باہر نکل گیا دوسرا اغٹا چاہتا تھا کہ بیگم صاحبہ نے جھپٹ کر اس کی گردن پکڑ لی ہر چند تڑپا پھڑکا لیکن بھلا ان کی گرفت سے کب آزاد ہو سکتا تھا اسی دار و گیر میں حافظ الملک بھی مبدار ہو گئے یہ تماشا دیکھ کر بہت لطف اندوز ہوئے اور بہ مشکل بچا پڑے چور کو بیگم صاحبہ کے ہاتھ سے چھڑا کر سپاہیوں کے حوالے کیا۔

بیگم صاحبہ کا اس شہ زوری کے ساتھ بھولے پن کا یہ عالم تھا کہ جب خواصوں اور کنیزوں کو روپیہ چرانے منظور ہوتا تو ان سے یہ عرض کرتیں کہ۔

”محض برسات کی وجہ سے روپیہ سیل کر خراب ہوا جاتا ہے اگر حکم ہو تو دھوپ دیں۔“
حکم ہوتا کہ اچھا دھوپ دے دو۔ چنانچہ ترازو سے تول کر روپیہ چھتوں پر دھوپ میں ڈال دیا جاتا تھا۔
قریب شام دوبارہ تول کر صند دقوں میں رکھا جاتا تو اس تول کے وقت سیروں کم ہوتا اس پر کنیزوں پر خفا ہو کر دریافت فرماتیں کہ یہ روپیہ کم کیوں ہو گیا۔
کنیزیں عرض کر دیتیں کہ۔

”محض روپیہ سیلا ہوا تھا دھوپ میں خشک ہو گیا۔“
اس جواب سے بیگم صاحبہ مطمئن ہو جاتیں اور پھر کچھ باز پرس نہ فرماتیں۔

حافظ الملک کے چودہ صاحب زادے

حافظ الملک کی تمام بیویوں سے اولاد کی مجموعی تعداد تیس تھی بھلہ ان کے چودہ لڑکے تھے جن میں سے دو یعنی نواب عنایت خاں اور نواب ہمت خاں کا تو ان کی زندگی ہی میں انتقال ہو چکا تھا۔ اور بارہ اپنے والد کی شہادت کے بعد بقید حیات رہے جنہوں نے حوادث روزگار اور نیرنگی لیل و نہار کا مشاہدہ کیا۔

نواب عنایت خاں

عنایت خاں نے جو سب میں بڑے اور سب میں نامور تھے اور جن کا حال جا بجا کتاب ہذا میں مذکور ہو چکا ہے ۱۱۷۷ھ مطابق ۱۷۷۷ء میں بھرتیس سال انتقال کیا اور بریلی میں جانب غرب مدفون ہوئے ان کی قبر حافظ الملک کے مقبرہ سے جنوب و مغرب میں سڑک پار واقع ہے اس مقام پر ایک باغ ہے جو باغ عنایت خاں کے نام سے موسوم ہے۔ باغ کی بریلی مشہور ہیں۔ حافظ نیاز حسین صاحب موجودہ متولی کی خاص نگرانی کی وجہ سے قبر اب تک محفوظ ہے۔

عنایت خاں کی شادی نواب فیض اللہ خاں کی حقیقی ہمیشہ کے ساتھ ہوئی تھی جس کا دلچسپ حال گلستانِ حیات میں اس طرح درج ہے کہ۔

”آنحضرت کی رائے عالم آرائے جو قیام سنت جناب رسالت تھی اس کا اقتضا ہوا کہ اپنے بڑے صاحبزادے عنایت خاں بہادر کی جن کا سن بارہ سال کا ہو گیا تھا کسی عفت منہ و روش صاحبزادی کے ساتھ شادی کر دیں۔ بعد فکر ملیح اس دولت گرامی کا قریعہ نواب علی محمد خاں مرحوم و منغور کی صاحبزادی کے نام پڑا۔ اہلکاروں کو حکم دیا کہ اس جشنِ خجستہ آئین کی تیاری کریں اور خوش ملیح کر کے جس قدر جلد ممکن ہو انتظامات مکمل کریں۔ کار پر داران عقیدت کیش نے تمام لوازمات شادی میا کر لئے تو آنحضرت سے عرض کیا۔ آنحضرت نے بشورہ تھناؤ و سادات۔ علما و فضلا ساعت سعید مقرر فرما کر بطریق شاہان و لاشکوہ صاحبزادہ عالی تبار کو ہاتھی پر سوار فرمایا تمام سرداران فوج و ارکان دولت ہمراہ رکاب ہوئے۔ آنحضرت خود بھی برفس نفیس اس فخرانہ آئینہ شہ کی سواری کے آگے آگے ایک دو سرے ہاتھی پر روانہ ہوئے بریلی کا ہر ایک کوچہ و بازار و طرفہ چرخاں سے جس کو بطرز عجیب و غریب ترتیب دیا گیا تھا روضہ

منور تھا۔ مشعلوں کی کثرت سے دن اور رات میں تمیز نہیں ہو سکتا تھا۔ زمین روشنی کی کثرت سے روز و روشن کی طرح چمکتی تھی اور آسمان و نور آنش بازی سے کرۂ آفتاب سے زیادہ تاباں و درخشاں تھا۔ مطربان خوش نوا مبارکباد کے ترانے گاتے ہوئے اور وادنا طو و انسا طو بیتے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے۔ نفاۃ تہنیت کی آواز سے فضا کے آسمانی گونج رہی تھی۔

اس شان و شوکت اور عظمت و اہمیت کے ساتھ بارہا رات قلعہ سے دیوان مان رائے کی چوبلی میں پہنچی جہاں آنحضرت نے نواب علی محمد خاں مرحوم کے متعلقین کو آؤلہ سے بلکرا کر مبارک تقریب کے واسطے مقرر کیا تھا۔ طرف ثانی سے اس کا رفیق میر سامانی نواب فیض اللہ خاں کر رہے تھے۔ مکلف دعوت کے بعد نصف شب کے قریب بموجب شرع شریف اس مسطورہ طالع منہ سعادت پیوند کو اس نہال برومند گلشنِ حشمت کے عقد نکاح میں دیا اور صبح کے وقت مبارکی و فرخندگی کے ساتھ واپس ہو کر قلعہ میں داخل ہوئے۔ اس جشن مبارک کے موقع پر کثیر التعداد فقراء۔ غریبا۔ مساکین اور محتاجین کو ان کی خواہش اور نمانے کہیں زیادہ نقد و جنس عطا کیا گیا اور اکثر باریا فنگان انجن سرور اور اکثر ان امرا و عاقل کو جو دولتِ حضور سے دور تھے حسب مراتب خلعت و منصب عطا ہوئے۔

نواب عنایت خاں کے دو بیٹے بھی خاں اور زکریا خاں ہوئے ان لوگوں کو بعد زوالِ سلطنتِ روہیل کھنڈ وظیفہ سرکاری میں سے کچھ بدل سکام صرف جاگیرات و معافی کے کچھ حصے سے بسر اوقات کرتے تھے۔



۱۵ عنایت خاں کی اولاد میں ایک صاحبِ نواب اقبال علی خاں ابن علی عمران خاں ابن علی مردان خاں ابن یحییٰ خاں سخت عمرت و تنگ دستی کی حالت میں بریلی میں رہتے ہیں اور باز اہر میں گشت کر کے جفت فروشی کرتے ہیں۔

نواب عنایت خاں کا بایا ہوا ایک محلہ بذریعہ عنایت گنج شہر کمند بریلی میں موجود ہے۔

نواب ہمت خاں

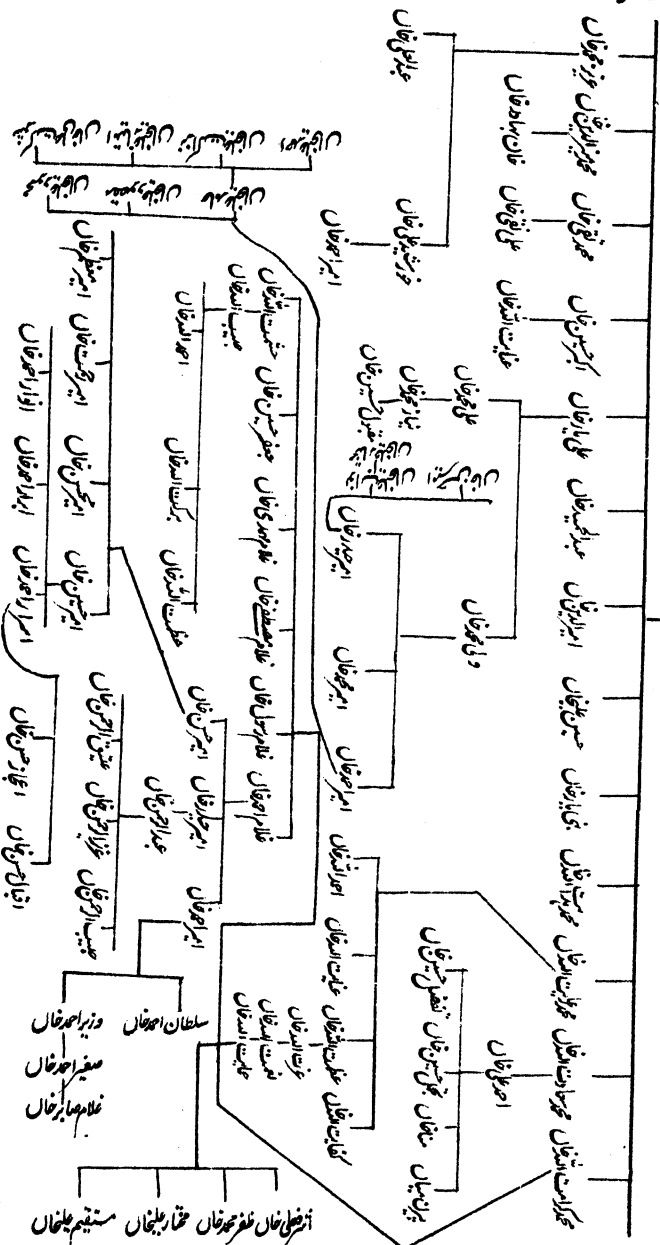
ہمت خاں نواب عنایت خاں کے بعد سب بھائیوں میں بڑے تھے ۱۷۴۷ء مطابق ۱۲۷۷ھ میں بھرمارہ سال کہ ہنوز شادی بھی نہ ہونے پائی تھی انتقال کیا اور پہلی بھیت میں مدفون ہوئے۔ حسن صورت میں نے نظیر اور تہذیب و اخلاق میں یکتا تھے۔ باوجود خرد سالی آثار رشد و بزرگی ان کی پیشانی سے ظاہر و باہر تھے۔

نواب ارادت خاں

حافظ الملک کی شہادت کے وقت چوبیس سال اور چند مہینے کے تھے اور اس کے بعد پچیس سال اور نو مہینے اور زندہ رہ کر دسویں ماہ رمضان المبارک روز و شنبہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۸۱ء بمسٹھ سال اور چند ماہ وفات پائی اور شاہجہان پور میں دفن ہوئے۔ مکالم آداب۔ محاسن اوصاف۔ فتوتِ جبلی اور مرآتِ ذاتی کے مالک اور بہت صاف دل تھے۔ نمود و نمائش کے امور سے منفر رہتے تھے۔ کردار موافقِ گفتار و افضل موافقِ قول تھا۔ علم مجلسی میں شہرہ آفاق اور فنِ تاریخ میں ہمارا تمام رکھتے تھے۔

نواب عبداللہ خاں حاکم شاہجہان پور کی لڑکی کے ساتھ شادی ہوئی تھی۔ اس تقریب میں جانبین سے اس قدر اولوالعزمی کو کام میں لایا گیا تھا کہ نواب عبداللہ خاں نے تو اپنا سارا اندوختہ خرچ کر ڈالا اور ایک سو باج گاؤں لڑکی کو ہیز میں دئے۔ حافظ الملک نے بھی لاکھوں روپیہ صرف کر دیا تھا۔ کڑے کی لڑائی میں عبداللہ خاں نے شجاع الدولہ کا ساتھ دے کر ارادت خاں کی حفاظت جان و مال کا وعدہ لے لیا تھا جس کے باعث وہ قید و بند سے محفوظ رہے۔ انقلابِ حکومت کے بعد ۱۲۷۲ھ ہزار چھ سو چوبیس روپیہ چھ آنہ سالانہ سرکار کمپنی کے خزانہ سے ملتا تھا۔ آراضیات معافی اور دیہات اس کے علاوہ تھے۔ نواب ارادت خاں کے چودہ لڑکے تھے۔ جن میں بریلی میں اور بعض نے شاہجہان پور میں سکونت اختیار کی۔

سید رنیل نواب الادب خاں



نواب محبت خاں

غایت خاں کے حقیقی بھائی تھے۔ اور والد کی شہادت کے وقت جو بیس سال کے تھے۔ پینتیس سال اور زندہ رہ کر اسی سال کی عمر میں ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۵ء بمقام کھنڈ وفات پائی متصل وزیر باغ قریب کشور گنج دفن ہوئے۔ ان کو سترہ ہزار ایک سو اکیس روپیہ چند آنے وجہ مقررہ سے اور دس روپیہ یومیہ اس کے علاوہ رزیدنٹ کھنڈ کے خزانہ سے ملنے تھے۔ آٹھ ہزار چھ سو چالیس روپیہ سالانہ حافظ الملک کے سرداروں کا بھی انہیں کے اختیار و تصرف میں تھا۔ حافظ الملک کی یمن توجہات سے علوم عربیہ میں جلد علماء عصر سے گئے سبقت لے گئے تھے فارسی میں سہادہ کے استاد تھے نیز زبان سنسکرت میں کافی مہارت رکھتے تھے۔ ذہن و ذکا اور طبع رسا میں عظیم النظیر تھے اہل استعداد ہمیشہ ان سے اساتذہ متقدمین کا کلام سمجھنے آیا کرتے تھے۔ عربی۔ فارسی۔ پشتو اور اردو میں بکثرت کلام یادگار چھوڑا جو ہر گامہ ۱۸۵۷ء میں تلف ہو گیا کہیں کہیں شعراء کے تذکروں میں اس کا پتہ ملتا ہے۔ ان کی ایک شہنی 'اسرار محبت' بہت مشہور تھی۔ فارسی قواعد کا ایک 'آمدنامہ' اور ایک بہت بڑی لغت بھی ترتیب دی تھی۔

نواب محبت خاں محبت کی طبع موزوں اور قابلیت ملی کا کسی قدر اندازہ ان کے کلام سے ہوگا جس کا ضروری انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے۔

کلام اُردو

ہوتا ہے ابھی حاصل سب کام محبت کا دے اسکو خداوند توجہام محبت کا

تجھ کو چھوڑا کہتے مغرور نہیں جانے کا باؤل تو پر مجھے مقدور نہیں جانے کا
روزِ ٹھہر جاوے یہ وہ شوخ یوں ہی دم دیکر ابھی آتا ہیں میں کچھ دُور نہیں جانے کا

دکڑ کر ناہیِ خفا غارت کہ جس گردیکہ لیا آہ اُس ترک نے اب یہ بھی نگر دیکھ لیا
یارِ وفات گردل وہ نگہ نہاں ہے چور توجہ سے چھاپاں نے ہی پر دیکھ لیا

بولتا جو وہ نہیں مارو کسی کی بات پر یہ نہ سمجھو تم تکبر سے نہیں دیتا جواب
بسکہ تنگی کے سبب اس کا دہن ہلتا نہیں جیسا ناپیدا ہاں ہو دیا ناپیدا جواب
اس کے در پہ تھی محبت کی یہ قدر و منزلت جب گیا حجرے کو در پر دھکی تھا جواب

بٹھے نہ ایک ساعت گھر کو چلے ابھی سے اتنا تو جلد مت تم گھر آؤ میرے صاحب
کامل میں ہے کہ خط میں پیارے دلِ محبت کس جا پھیرا کھا ہے بتلاؤ میرے صاحب

بہت آیا ہوں تنگ اس دل کے میں فریادِ و نالے سے کسی کو حق نہ ڈالے ہمدردی سے صحبت
ہوا صحبت سے بلبل اور گل کی جھپ پوٹ ظاہر نہ مفلس کی بنے ہرگز کسی زر دار سے صحبت
شبِ فرقت کا مجھ سے حال مت پوچھا کرو یارو کبھی تنہی ہو درسے اور کبھی دیوار سے صحبت
خدا جتنا پچا دے سچ اس کو تو غنیمت ہے محبت کو پر پی ہو اک بہتِ خوشوار سے صحبت

نے زہر ہماں نہ زور نہ یار آشنا کا نام رکھتے ہیں اپنے پاس صنم ہم خدا کا نام
ظالم کموں میں یا کہ ستمگاز ہم دبو کیا پوچھتے ہو مجھ سے تم اس بیوفاکا نام

کلامِ عربی

إِذَا الْمُبْتَلَىٰ فِي الْإِسْلَامِ آثَارُ جَرَىٰ مِنْ مَّقْلَبٍ دَمْعٌ كَانْهَارُ
جب اسلام میں کوئی نٹائی باقی نہ رہی میری آنکھوں سے سیلابِ اشک جاری ہوا
فَقُلْتُ لَهَا قِفْ مَنْ يَظْهَرُ الدِّينَ فَجَاءَ الصَّوْتُ سُلْطَانُ الْبَهَائِدَارِ
تو میں نے کہا کہ اب دین کو کون ظاہر کرے گا پس آواز آئی کہ سلطانِ بہانداری

کلام فارسی

ز سوزِ سینہ من دیدہ گریاں شود پیدا تعجب زینِ تنورِ مہستِ گر طوفاں شود پیدا
بہر اے محبت از تو در دیوانگی افزوں کمی داشت اے مجنوںِ محبتِ خاں شود پیدا

بہت آں گلِ خداں نہ رسد تا کہ در گریہ چو شبنم نہ مشوی
سوخت پروانہ محبت بر شمع در محبت تو از و کم نہ مشوی

ہر چہ در کارِ مستِ حاضرِ جانِ من جانِ من حاضر اگر در کارِ تست
از تپِ خورشیدِ محشرِ فارغِ من بر سرِ من سایہ دیوارِ تست
تو محبتِ طوطیِ خوشِ لہجہ خلقِ شیریں کام از گفتارِ تست

چشمِ تابِ روزِ مرہ ملکِ جاں گرفت کشور بہ تیغِ نازِ بلے میتواں گرفت
دنیا و آخرت ہمہ خال و خط گرفت آں ایں جہاں گرفت و ایں آں جہاں گرفت

اہلِ خرابہ را بہ تماشایِ چہ احتیاج ویراں دلے چو ہست بصرِ اچہ احتیاج
نفع و ضرر نہ ماند بہ بازارِ ادبِ مرا سودِ مزیل شدہ است بہ سودِ اچہ احتیاج

مست شوقم گر جنسِ سوئے گریباں می رود چاک ہر دم از گریباں تا بداماں می رود
بیچ و تا بم از جنوںِ گرفتِ خاکِ من چرا گردِ بادِ بے می شود سوئے بیاباں می رود

غزیم دارد آں یوسف کہ گوید کسے شاید کہ خوابے دیدہ باشد

چشم اے ماہ شب و روز زمیں گریان است خلق گویند کہ اسال عجب باران است
در محبت تو مرا آہ ندانی صادق با وجودیکہ کہ مرا نام محبت خان است

دل ز خود رفتہ براہ طلبت تا برخواست باز نہ نشست دے تاکہ زوئیابرخواست
چوں تو برخواستی از بہر علاج جانوں شور افتاد بہ عالم کہ سیجا برخواست
بسکہ گر دید فزون گرمی و اشک و آہم آب شد آتش و دود و از دل دریا برخواست
یار وجود در آغوش نمی بیند کس اے محبت ز جہاں دیدہ دنیا برخواست

زیر گذشت محبت ز ہر کہ پرسیدم بہ عارض اشک پیالے چکید و بچ نہ گفت

رفتی ز دیدہ لیک غائی بہ چشم من از بسکہ نقش روئے تو ام از نظر نہ رفت

تاکہ ز بردل فگارم ہست یادگار تو در کنارم ہست

تا نگلوئے عشق ترا گوش کردہ ایم در یاد ہر چہ بود فرا موش کردہ ایم
تا چشم باوہ نوش تو ستانہ دیدہ ایم خود را خواب و بچہ و مدہوش کردہ ایم

گر ندل غافل آدم نہ شوی واقف از جام نہ جسم نہ شوی
عنم بہ گرد تو نہ گرد و گرد گز گر شد شادی و خرم نہ شوی

رؤیم ہمیں شگفتہ کہ در بین خستہی چوں گل ہزار چاک شود پیراہن مرا

میا در زلفِ جُد اگشتہ ام چہ عجم از خونِ خود قرض شدہ رشکِ ہم مرا

قاصد از شہد و شکر بستہ می گوید زان کہ حرف از لبِ شیریں دہن می گوید
دلم از سینہ پُر داغِ حدیثی دارد بلبے حرفِ بے ارچنہ می گوید
گلِ فشاں آمدہ ہر وقتِ محبتِ بکلام زانکہ ہر دم سخنِ گلبدنہ می گوید

غویشِ بگر کنند لبِ حلّ تولالہ را ساز و ایہ چہ شہم غزلتِ غزالہ را
در یادِ شامِ زلف تو و صبحِ روعے تو تاکہ ز دل کشم شب و روز آہ و نالہ را

بر سرِ سرین گذارِ پائے سرِ سرین بہ پائے تو دردِ دل و دیدہ ام بیا اے دل و دیدہ جائے تو
خوئے تو جانِ زبا فاد و لبریتِ بومد سرا جان و دلم بہر کہ بادِ جان و دلم فدائے تو

گر کششِ من افزے داشتے یارِ بسویم گزرے داشتے
آنکہ جہاں را بہ نگہ زندہ کرد کاشش بہ ماہم نظرے داشتے
زیستے نے تو اگر مثلِ تو ما درِ گیتی پسے داشتے
دانہٗ مہر را بدش سر زدے نخلِ امید دمِ ثمرے داشتے
گر رختِ از پردہ بروں آمدی شامِ محبتِ سحرے داشتے

اُردو شاعری میں نواب محبت خاں قلندر بخش جہاں آرے کے شاگرد تھے اسی بنا پر

جہاں آرے ہمیشہ نواب صاحب کے ملازم رہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ۔

سکہ گلیں تھے سدِ اعشق کے ہم ہستان کے ہوئے نوکر بھی تو نواب محبت خاں کے

علم و ادب میں فضیلت رکھنے کے علاوہ نواب محبت خاں فنونِ سپہ گری کے ماہر بھی تھے علمِ موسیقی کا بھی نہایت شوق تھا اور لکھنؤ کے بعض مشہور گویئے ان کے پاس ملازم رہتے تھے۔ زیادہ بلند آواز سے گفتگو اور تیز رفتاری کی عادت نہ تھی۔ اکثر نواب آصف الدولہ ان کو دور ہی سے دیکھ کر فرماتے کہ آذربادہ اور لیکن نواب محبت خاں اس پر بھی اپنی معمولی رفتار کو قائم رکھتے اور اپنا قدم جلد جلد اٹھاتے۔ ایک روز آصف الدولہ نے سید خواجہ حسن صاحب سے شکایت کی کہ میں نواب محبت خاں کو دیکھ کر دور سے پکارتا ہوں لیکن عجب آدمی ہیں کہ اپنا قدم تیز نہیں اٹھاتے۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ۔

”آپ دونوں وضع دار ہیں آپ ان کو ہمیشہ دور ہی سے دیکھ کر آواز دیتے ہیں

اور وہ ہر حال میں اپنی ایک سی رفتار رکھتے ہیں۔“

نواب محبت خاں - وجہ - شکیل اور انتہا درجہ کے بالباقت تھے۔ مولف سیر المتاخرین کا بیان ہے کہ

”میں نے آصف الدولہ کی آغاز حکومت میں حافظِ رحمت خاں اور دوندے خاں کی اولاد کو اکثر لکھنؤ میں دیکھا اور ان کی کیفیتِ خود مشاہدہ کی۔ اس جماعت میں سب سے بہتر محبت خاں ابنِ حافظِ رحمت خاں ہے جو عنایت خاں کا چھوٹا بھائی ہے یہ شخص صورت و سیرت دونوں کے اعتبار سے حکومت اور سرداری کی لیاقت رکھتا ہے لیکن اس سفلہ پر در زمانے میں اس کے لئے بہت تھوڑی معاش جو ننگ و عار کا موجب ہے مقرر کی گئی ہے۔ اس چرخِ جفا کار کی سفلہ پروری کا بیان حیطہ تحریر میں لانا مشکل ہے“

مولف عمار السعدت بھی لکھتا ہے کہ -

”نواب محبت خاں جیسا باغیرت و صاحبِ لیاقت رئیسِ بہت کم نظر سے

گذرا ہے“

اسی طرح میرٹھ صاحب نے جن کا انتقال گذشتہ دو تین سال قبل ہوا تھا مولف تاریخِ سلیمانی سے بے غم نہ رہا۔

”میں نے از محمد نواب آصف الدولہ نا ایندم محبت خاں کا ساخو بصورت آدمی

نہیں دیکھا“

نواب محبت خاں کی وجاہت و لیاقت پر ایک اور واقعہ دلالت کرتا ہے کہ ایک مرتبہ جہاندار شاہ دہلی سے لکھنؤ تشریف لائے۔ نواب آصف الدولہ نے محبت خاں کو بھی ان سے ملاقات کرنے کا موقع دیا۔ جہاندار شاہ محبت خاں کی وجاہت دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ بڑی تعریف و توصیف کی اور خطابِ نواب مظفر الدولہ شہباز جنگ سے سرفراز کیا۔ ایک روز تخلیف میں بھی طلب کیا اور فرمایا کہ۔

”بادشاہ عالم نابینا اور بیکار ہو چکے ہیں۔ امورِ سلطنت درہم برہم ہو گئے اور

ہوئے جاتے ہیں لہذا میرا قصد ہے کہ فوج کشی کر کے ان کو قید کر لوں اور خود تخت

نشین ہو جاؤں۔ تم چار ہزار افغان روپے لکھ کر سے طلب کر لو اور میرے ساتھ چلے چلو

انشاء اللہ بروقت تخت نشینی خدمتِ وزارت تمہارے سپرد کر دینگا“

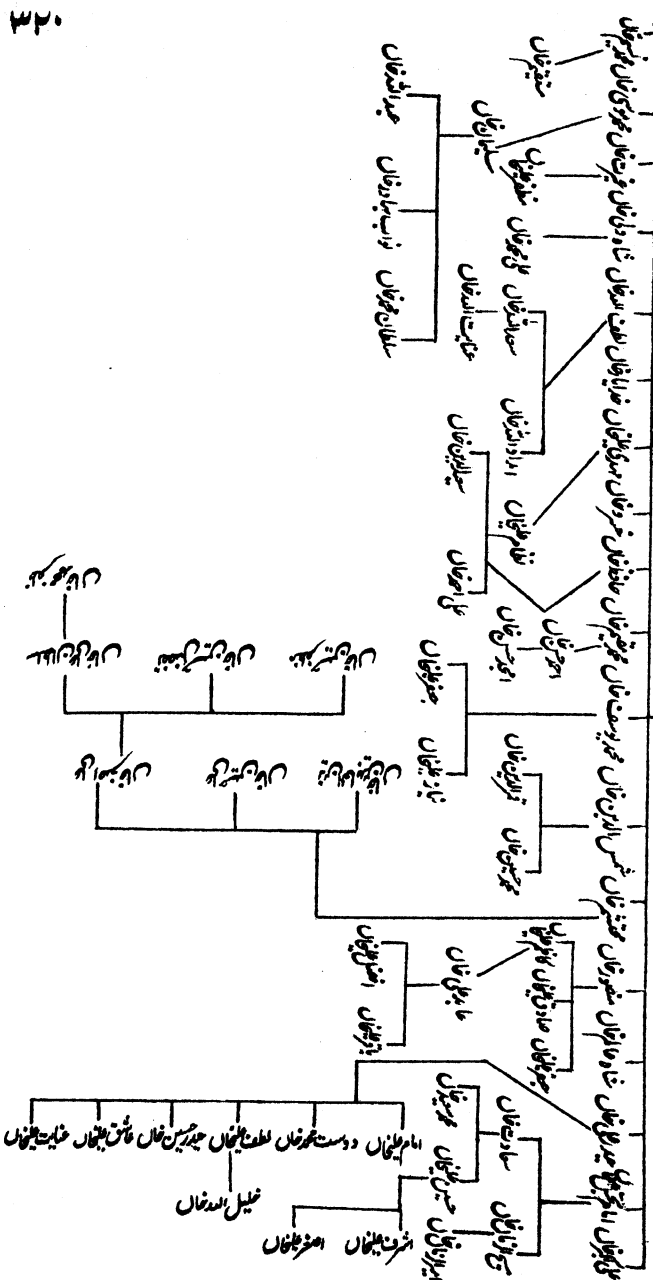
لیکن محبت خاں نے جواب اپنا سب کچھ کھو کر امن پسندی کے عادی ہو گئے تھے اس گرا گرم تجویز کو بہ لطافتِ الجمل ٹال دیا۔

نواب محبت خاں کی شادی تحصیلِ فرید پور ضلع بریلی میں عبدالستار خاں کمال زائی کی صاحبِ زادی کے ساتھ حافظ الملک کی حیات ہی میں ہوئی تھی۔ نہایت کثیر الاولاد تھے علاوہ لڑکیوں کے اٹھارہ لڑکے اپنی یادگار چھوڑ گئے۔

۱۔ نواب محبت خاں کے صاحبزادوں میں محمد منصور خاں تہر اور محمد مقیم خاں مقیم۔ پوتوں میں محمد حسین خاں ضیا۔

احمد حسن خاں جوش اور محمد سلیمان خاں آسہ (مولف تاریخِ سلیمانی) پر پوتوں میں عابد علی خاں خورشید۔ اور محمد علی خاں قمر وغیرہ بہت اچھے شاعر گزرے ہیں۔

حیات حافظ رحمت خاں



ان کی عمر بھی حافظ الملک کی شہادت کے وقت چوبیس سال کی تھی لیکن نواب حافظ محمد یار خاں

اب تک یعنی ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۱ء تک بغیر حیات ہیں اور عمر ۸۳ سال سے تجاوز ہو گئی ہے۔

لیکن بزرگ صنعت و نقاہت بولانہ پیرانہ سالی ہے تو اسے فاطمی دباطنی میں اور کوئی دخل واقع نہیں

ہوا ہو۔ سماعت و بصارت اب تک بدستور قائم ہیں۔ اکثر دانت بھی موجود ہیں۔ خدا ان کو طبیعت

تک پہنچائے کہ تمام خبر و برکت اور حافظ الملک کے خاندان کی نام و عزت انھیں کی ذات سے باقی ہو

و جہرِ میشت ملاوہ کچھ راضیات معافی مبلغ آٹھ ہزار ایک سو اٹھادون روپیہ سالانہ سرکار سے مقرر ہو

جو غزانہ بریلی سے وصول ہوا کرتا ہے،

حافظ کلام اللہ تھے حافظ الملک کے زمانہ میں ایام رمضان المبارک میں تراویح میں نہایت خوش الحانی کے ساتھ

قرآن شریف سناتے تھے۔ تنہا اندازی میں بچانہ روزگار تھے اور بہن کے شکار کا بہت شوق تھا۔

پیشگاہِ شاہ عالم بادشاہ سے ان کو خطاب نواب معظم الدولہ حشمت جنگ۔ منصب پنج ہزاری و دو ہزار سوار۔

خلعت گراں بہا۔ پاکلی بھالدار اور ایک پاٹھا فیل عطا ہوا تھا۔

طریقہ نقشبندیہ میں میاں ہمدی صاحب سے جو حضرت شاہ لعل صاحب رائے بریلوی کے فرزند و خلیفہ تھے

بعثت تھے۔

محمد خاں کمال زانی کی صاحبزادی کے ساتھ جو خاں ولایت میں سے ایک نامور سردار تھے موضع 'اہرو'

میں شادی ہوئی تھی۔ چند لڑکیاں اور لڑکے اپنی یادگار چھوڑ گئے۔

نواب سعادت یار خاں حافظ محمد یار خاں کے نو صاحبزادوں میں سے ایک گل رحمت کے مولد نواب سعادت یار خاں

تھے۔ شاعر تھے اور صاحبِ تخلص فرماتے تھے آخر عمر میں حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے اثنائے راہ میں بڑودہ میں انتقال فرمایا

اور وہیں دفن ہوئے۔ عبدالغادر خاں اور عبدالغزیز خاں دو صاحبزادے یادگار چھوڑے۔ اول الذکر بنگالہ شہ ۱۳۵۷ء

میں اپنا کل مال و منال بریلی میں چھوڑ کر صرف شیخ شہاب الدین المعروف بہ کوٹا بابا۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں

۴۴ اور حافظ محمد یار خاں کی نصیب ویرا اپنے سینہ سے لگا کر رام پور کو چلے گئے تھے۔ رامپور میں ایک شکستہ مکان کی کھیت پر ایامِ روپوشی گزارتے تھے اور موسمی ضروریات کے لئے بھی بیچے اڑتے تو نصیب ویر کو اپنے سے جدا نہ کرتے تھے اُن کے اسی اشارہ کی بدولت یہ نادر نصیب ویر موجودہ زمانہ میں ہم تک پہنچیں اور اس کتاب کی زینت بنیں۔

نواب عبدالعزیز خاں [آخر الذکر نواب عبدالعزیز خاں جن کا سنہ ۱۲۹۷ مطابق ۱۸۹۱ء میں انتقال ہوا باعتبار علم و فضل علامہ وقت اور بلحاظِ دو سخا حاتمِ دوراں تھے۔ زمانہِ قدر سے اس وقت تک خاندانِ حافظ الملک میں اس لیاقت و فہمیدگی کو کوئی دوسرا شخص پیدا نہ ہوا۔ اُن کی پیدائش کے متعلق یہ عجیب واقعہ مشہور ہے کہ ایک بنگالی مسلمان زیارتِ حرمین الشریفین کو گیا تھا اتفاقاً واپسی میں قافلہ سے جدا ہو کر پاکستانِ عرب میں رہتے بھول گیا۔ ہر چند ہڑن مارا مارا پھر اگر منزل مقصود کا پتہ نہ چلا۔ بالآخر فریبِ شام جب وہ بدحواسی کے عالم میں اپنی زندگی سے یابوس ہو چکا تھا تو اُس کو ایک سہمت سے کچھ سوار آتے دکھائی دئے یہ بھی اُن سواروں کے پیچھے ہو گیا تھوڑی ہی مسافت طو کی تھی کہ ایک عالی شان عمارت دکھائی دی جس کے قریب پہنچ کر سوار اور اُن کا سردار نظروں سے غائب ہو گئے۔ مسافر بہ حالِ دیکھ کر سخت تعجب ہوا اور خود بھی اُس عمارت کے پھاٹک کے پاس جا کر زمین پر سو گیا۔ علی الصبح آنکھ کھلی تو ایک وحیدہ و تنکیل بزرگ کو اپنے قریب پایا۔ ان بزرگ نے مسافر کو ہاتھ کے اشارہ سے اُس کا راستہ بنایا۔ اور کچھ تال کے بعد اُس کو گلاب کا ایک پھول دیکر فرمایا کہ جب تم ہندوستان پہنچو تو بریلی جا کر یہ پھول ہمارے پوتے سعادت یار خاں کو دے دینا اور کہنا کہ تمہارے دادا اُنے دیا ہے۔

چنانچہ حسبِ ہدایت یہ شخص ہندوستان آکر دارِ بریلی ہوا اور نواب سعادت یار خاں کی خدمت میں پہنچ کر وہ پھول پیش کیا ساتھ ہی کل واقعہ بھی بیان کیا۔ پھول اُس وقت تک تر و تازہ تھا نیز بزرگ مذکور کا جو حلیہ اُس نے بتایا وہ حافظ صاحب کے حلیہ سے ملتا جلتا تھا۔ اس واقعہ کے ۹۷ سال بعد نواب عبدالعزیز خاں پیدا ہوئے خاص پیدائش کے روز مسافر کا لایا ہوا پھول جواب تک نہیں سوکھا تھا خود بخود غائب ہو گیا۔ جس سے یہ قیاس کیا گیا کہ پھول سے مراد واصل نواب عبدالعزیز خاں تھے جنہیں حافظ الملک حافظ رحمت خاں شہید نے اپنے تھڑ باطنی سے بطور تحفہ اپنے خاندان میں بھیجا تھا اور جو آگے چل کر فخر خاندانِ نابت ہوئے۔

نواب عبدالعزیز خاں ابتدائے عمر سے نہایت ذکی و ذہین اور صاحبِ عقل و فراست تھے۔ چھ سات ۴۴

سال کے سن میں مکتب میں اپنے سے اعلیٰ جامعہ کے بچوں کا سبق یاد کھیتے اور دوسرے دن اگر کوئی بچہ اپنا سبق بھول جاتا تو اس کو سبق یاد کر دیتے تھے۔

مکتبِ دسمید ابتدا میں مولوی اللہ یار خاں سے مقبول و منقول مولوی یعقوب علی خاں اور علامہ مفتی عنایت احمد صاحب سے پڑھیں۔ اور اپنے زورِ ذہانت سے عالمِ تہذیب بن گئے۔ فارسی و عربی کے فنی ہونے کے بعد منسکرت کاشوفی ہوا تو قلیل مدت میں بڑے بڑے پندتوں سے گھومے سنت لے گئے۔ اور اس طرح عنفوانِ شباب ہی میں جامعِ علوم ہو گئے۔ ایک مرتبہ مجمعِ احباب میں سورہ یوسف کی تفسیر شروع کی و وہاں ایک سلسل چار چار پانچ پانچ گھنٹے کی محبت میں اپنے بیان کو جاری رکھا۔ تھوڑی اور فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دئے۔ حافظ کا یہ عالم تھا کہ جس کتاب کو ایک مرتبہ دیکھ لیا عام عمر یاد رہی۔ ایک روز بسبیلِ تذکرہ فرمایا کہ قرآنِ عظیم کو اگر کوئی شخص چاہے اور جرأت کرے تو ماہ دو ماہ میں حفظ کر سکتا ہے اسی اثنا میں ماہ رمضان المبارک آگیا دوستوں سے ذکر کیا کہ ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس مرتبہ ہم بھی میں قرآن سنائیں چنانچہ یکرمضان سے جمع کے وقت ایک پارہ دیکھ لینے اور دوبارہ سہ پہر کو تلاوت فرما کر شب کے وقت سجد نواب ایوب خاں میں راز و مخ میں سننا آتے ۲۸- کو قرآن شریف ختم کر دیا اور اس روز بڑے اہتمام سے مسجد میں چراغاں اور تقسیمِ شیرینی کرائی۔

نواب عبدالعزیز خاں مرحوم اردو فارسی کے زبردست ادیب تھے ہر روز باؤں کی ایسی عبارت لکھنے میں یہ طبعی رکھتے تھے کہ جس کے ہر ہر فقرے سے مادہ تاریخ نکلتا ہو۔ نواب صاحب کی تصانیف میں 'سبیلِ بخشش'، 'آئینہ آخرت'، 'جزر و مد' اور مجالس العلوم، بہت مقبول ہوئیں۔ آخر الذکر کتاب میں چالیس مختلف علوم پر نہایت عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔

نواب صاحب کا فارسی اور اردو کا ایک متوسط مطبوعہ دیوان بھی موجود ہے۔ شاعری میں ابتدا مولوی عبدالملک ممتاز بریلوی سے تلذذ رہا نام کی مناسبت سے عزیزِ تخلص اختیار کیا اور اس فن میں ہیرت انگیز ترقی کر کے ایسی شہرت پائی کہ بریلی میں کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہ ہوئی۔ بڑے بڑے شعرا سمیت یہاں اور مقابلے رہے مگر کبھی کسی نے ان کے کلام پر نکتہ چینی نہ کی۔ کلام کا نمونہ حسبِ ذیل ہو۔

نہ سو آغوشِ گل میں دن چڑھے تک عنادل سے تو اے شبِ نیم جا کر

عزیزِ جاں بلب کی جاتی ہے جہاں تھیں لے لوہوں سے لب ملا کر

دلہ

جلوہ ابرو کا ہے اس دیدہٴ مخمور پہ یوں جس طرح سر پر کسی مست کے ہو جامِ نگوں
پایا برجستہ جو یاں ناز و ادا کا مضمون کی رقص کا تب تقدیر نے بیت موزوں

خیم ابرو نے زمانے کو کیا ہے تسخیر
صید کرتی ہے دلوں کو یہ کمانِ نئے تیر

دلہ

یا خدا دل میں غم یار کی ہمسائی ہے شرم رکھ لے کہ بہت بے سرو سامانی ہے
راستے اور بھی ہیں ملکِ عدم کے لیکن بے گھاٹ اُتر جانے میں آسانی ہے
عشق سینے میں بنا سوز تو آنکھوں میں شرمک طرفہ شے ہو کہ کہیں آگ کہیں پانی ہے
خرمنِ غنچہ دگل سینہٴ بلب ہے عزیز کزبتِ زخم ہے پھالوں کی فراوانی ہے

نواب صاحب نہایت متعفی و پرہیزگار۔ عابد و زاہر تھے اور خدمتِ خلق اللہ کو ذریعہٴ نجاتِ آخرت سمجھتے تھے۔
شرفاً و اناؤں پروردی اُن کا دن رات کا مشغلہ تھا۔ اکثر و بیشتر اپنی ضرورتوں کو بند کر کے دوسروں کی حاجت
براری و دستگیری کرتے تھے۔ بڑے مہمان نواز تھے ہمیشہ دو چار مسافروں کا مخصوص عرب لوگ مہمان رہتے تھے۔

ہنگامہٴ خدمتِ عسکری سے خاندانِ حافظ الملک پر بالخصوص اور عام مسلمانوں پر بالعموم جو تباہی و بربادی آئی
اُس سے نواب عبدالعزیز خاں صاحب بھی بہت بے چین ہوئے۔ لیکن ہنگامہٴ فروہونے پر چونکہ نواب صاحب
باعتی قرار نہیں پائے اس لئے اُن کی جائداد اور مکانات وغیرہ اُن کو واپس مل گئے جن کی آمدنی سے وہ جب
مسئول سابق خوشحالی کی زندگی بسر کر سکتے تھے مگر عام مخلوق خدا کی امداد کرنے کے خیال نے انہیں وکالت کا پیشہ
اختیار کرنے پر مجبور کیا جس کے ذریعہ وہ دو تین ہزار روپیہ ماہوار کماتا اُن شرفا کی امداد کرتے رہے جن کو خدا نے
نادار و مغلوک الحال کر کے گوشہ نشین ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ وکالت کا پیشہ نواب صاحب نہایت
بامعاری اور دیانت داری سے انجام دیتے تھے کبھی کسی جھوٹے مقدمہ کی پیروی نہیں کی۔ اسی دیانتداری

کے باعث تمام مدائیں بے حد احترام کرنی تھیں غیر معمولی مبلغِ علم اور قانون دان کی وجہ سے ہم پیشہ ویکلوں میں بھی اتنا خصوصی حاصل تھا۔ کبھی کوئی کاغذ یا دستاویز شاہی عدالت میں آجاتی تو اُس کے پڑھنے کے لئے نواب صاحب ہی بلائے جاتے تھے۔

نواب صاحب کے انتقال کو اگرچہ چالیس سال سے زائد زمانہ گزر چکا ہے مگر آج بھی سرزمینِ بریلی میں انہیں عزت و احترام کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ اُن کی قبر مقبرہ حافظ الملک میں ہے اور اُس پر جو قطعہ تاریخ کندہ ہے اس کا مصرعہ تاریخ خود انہیں کی ایک غزل کے مقطع سے مولوی قاسم علی خاں صاحب خواہاں بریلوی نے نکالا ہے وہ بیت جس میں مصرعہ تاریخ ہے حسب ذیل ہے۔

ابرارِ آید و بر تربتِ من گرید و گوید ایں گورِ عزیز است کہ از بادہ کشاں بود

نواب عبدالعزیز خاں نے صرف ایک صاحبزادے سے نواب عبدالرشید خاں صاحب اپنی یادگار چھوڑے۔ جنہوں نے ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء کو بریلی میں انتقال کیا۔ انہوں نے ابتداءً وکالت کا پیشہ اختیار کیا تھا لیکن چونکہ کثیر الاحباب اور بامروت تھے اس لئے اکثر مقدمات بلا مختلانا لڑانا پڑتے تھے۔

بمہر اُلا ملازمت اختیار کی پہلے تحصیلدار اور بعد عرصہ تک ڈپٹی کلکٹر رہے اپنی ملازمت میں نہایت نیک نام تھے۔ زمانہ ملازمت میں جن لوگوں کا ان سے واسطہ رہ چکا ہے اُن کی شرفاوازی۔ خوش خلقی۔ سماں نوازی اور دیانت داری کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ اپنے عالی مرتبت والد کی طرح یہ بھی ذی علم تھے اور اُن کا مذاقِ ملی بہت ہنسہ گیر تھا۔ مدتِ العمر میں جو کچھ پڑھا حرفِ بحر یا درکھا اسی وجہ سے جس مسئلہ پر بھی گفتگو کرتے تو نہایت گہری معلومات کا ثبوت دیتے تھے۔

فائبا ۱۲۹۵ھ ع میں نواب عبدالرشید خاں صاحب نے مقبرہ حافظ الملک کی مرمت کا کام آپنا ہاتھ میں لیا تھا اور تقریباً پانچ ہزار روپیہ جمع کر کے مرمت میں صرف بھی کیا لیکن بعض ذاتی موافقات کے باعث اس کام کو جس وسیع پیمانہ پر انہوں نے شروع کیا تھا جاری نہ رکھ سکے۔ امید ہے کہ اُن کے لائق صاحبزادگان عبدالحمید خاں۔ عبدالقادر خاں۔ عبدالحاجد خاں۔ عبدالکبیر خاں۔ عبدالعقیم خاں۔ عبدالماجد خاں اور عبدالحکیم خاں جو سب کے سب بفضلِ صاحبِ حیثیت مریض الحال اور ذی حوصلہ

ہیں اس ضروری خدمت کو جب کبھی بھی اُن سے ممکن ہوگا انجام دینے کی امکا نی تند اپرا اختیار کریں گے۔
 نواب نیاز احمد خاں ہوش نواب حافظ محمد یار خاں کی اولاد میں حکیم مولوی نیاز احمد خاں عرف بنے میاں
 انھوں نے ہوش بریلی کے ایک مشہور شاعر اور صاحب تصانیف گزرے ہیں۔ فن شعر میں اُستاد تھے
 اور اس فن کو اچھی طرح جانتے تھے۔ کثیر التعداد لوگوں کو ان سے فخر تلمذ حاصل تھا۔ اور بریلی کے علاوہ اطرا
 وجو انب میں دور و دراز ان کی خوب شہرت تھی۔

فارسی کی تحصیل خلیفہ امیر الدین آزاد مرحوم بریلوی سے کی کتب و رسمہ مقتول و منقول مختلف علما سے پڑھیں۔
 فن لب لکھنؤ میں حکیم مولوی محمد ابراہیم سے حاصل کیا۔ اور شاعری میں ابراہیم لکھنوی کی شاگردی اختیار کی۔
 تیرہ چودہ سال کی عمر میں حدیث نعت تصنیف کیا۔ قصیدہ۔ رباعی۔ غزل۔ سلام سب کچھ کہتے تھے
 زمانہ ناہنجار جو ہمیشہ سے اہل کمال کا دشمن رہا ہے ان کے ساتھ بھی نامساعد رہا۔ شاعر کے بعد سے پھرتین
 نہ پایا۔ بہت سے شہروں کی سیاحت کی۔ مدت تک لکھنؤ میں قیام پذیر اور وہاں کے جلسوں اور محبتوں
 میں شریک رہے۔

تاریخ رو پہل کھنڈ۔ کلیات ہوش۔ ثنوی ترانہ ہوش اور حدیث نعت (مولود نامہ)
 ان کی مطبوعہ تصانیف میں سے یادگار باقی ہیں۔ مرحوم کے چند اشعار بطور نمونہ درج
 ذیل ہیں۔

سردیا سودا دیا پاؤں دے صحرا دیا کیا بتائیں دینے والے نے ہمیں کیا کیا دیا

مرنے کے بعد ہوش یہ رتبہ بڑھامرا میں تھا سوار ساتھ زمانہ پیادہ تھا

تصویریں بُرخ رنگیں کے میں نے جب پئے آنسو تو ہر دیدہ خزانہ بن گیا حوض گلستاں کا
 عجب کیا مردم چشم اس کے اس جانب جو پھرائیں کہ انساں سے نکلتا ہو جاں میں کام لیاں کا

روبروتیرے اگر آجائے اسے گل آفتاب
کھائے گل جل کر بدن پر سیکڑوں گل آفتاب
زلفیں لٹکادیں جو رخ سے دن میں اُس نے ایو نکاح
آگیا زلف آفتاب موائے کا گل آفتاب

بام پر بیٹھے جو منہ دھوئے کو وہ ہنگام صبح
آفتاب بن کے آئے بے تامل آفتاب
کیوں نہ اس گل سے گل خوشید رکھے دلیں خار
حسن میں جس کی قبا کا ہو ہر گل آفتاب

زل جیں کا خال دونوں آنکھوں کے صفر وہاں
چاریہ نقطے ہیں جیسے نقطہائے آفتاب
صحن رخسارِ جاناں کا نہ ہمسر ہو سکے
لاکھ صورت سے اگر صورت بندے آفتاب

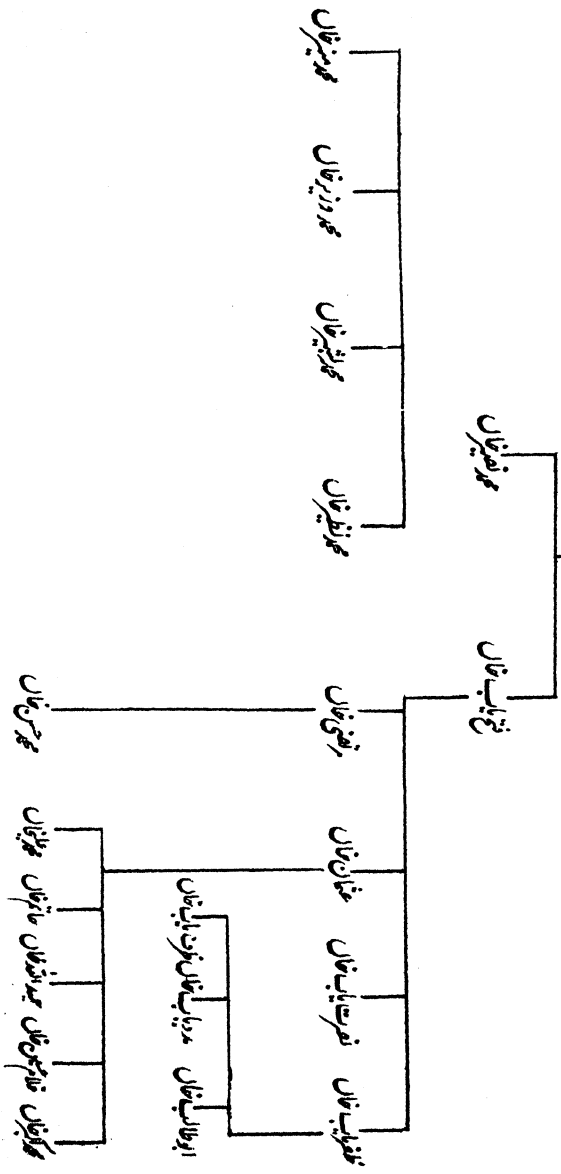
۶
نواب محمد دیدار خاں

محمد دیدار خاں الملقب بہ مکمل خاں والد کی شہادت کے وقت بائیس سال اؤ
چند مہینے کے تھے۔ اور ان کے بعد بیستیس سال چند ماہ اور زندہ رہ کر ماہِ شوال

۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۰۸ء بمصر ۵۸ سال رحلت کی اور لکھنؤ میں مدفون ہوئے۔ چار ہزار ایک سو سولہ روپیہ
خزانہ لکھنؤ سے ملتا تھا اور وہیں نواب محبت خاں کی رفاقت میں جن سے انھیں انصاف و
دکھتے تھے۔ صدقِ مقال۔ ستودہ صفات و شجاعت و سخاوت میں مشہور تھے۔ اپنے اوقات شب و
روز کو ثوابِ اخروی حاصل کرنے میں مصروف رکھتے تھے۔ باغیرت و با محبت تھے اور جو دو اکرام انکی
ذات سے جاری رہتا تھا۔ شرفِ شریفِ نبوی کے نہایت تتبع اور مذہبِ حنفی پر ثابت قدم تھے۔ اکثر نماز
باجامعت ادا کرتے تھے۔ فنِ شیرازادی میں یگانہ وقت تھے۔

ان کی شادی محمد میر خاں بابر کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ محمد میر خاں بابر وہی تھے جو عنایت خاں
کی ہمرابی میں جنگِ پٹنہ میں توپ کے گولے سے مارے گئے تھے اور جنہوں نے میر گنج تحصیل بریلی کو
آباد کیا تھا۔ مطابق وصیت ان کی لاش پٹنہ سے میر گنج لا کر دفن کی گئی تھی۔ قبر کا نشان اب تک موجود ہے۔
نواب محمد دیدار خاں صاحبِ اولاد نہ تھے۔

سلسلہ نواب محمد بدیع خان



۷
نواب ذوالفقار خاں

حافظ الملک کی شہادت ہوئی تو ان کی عمر بائیس سال کی تھی۔ چوبیس سال اور خیر

میں اور زندہ رہ کر پھر پچاس سال روز چار شنبہ ۴۔ رمضان المبارک ۱۲۱۲ھ

مطابق ۱۲۹۷ھ بمقام کفن و فساد پائی۔ چند ماہ بعد ان کی نعش بریلی لا کر حافظ الملک کے مقبرہ میں دفن کی گئی۔

نوبار ۹۹۶۲ء میں روپیہ سالانہ۔ پانچ روپیہ یومیہ۔ دو گادول اور کچھ آرائشیات معافی کی انہیں ملی ہوئی تھیں جن سے اپنا خرچ چلاتے تھے۔

تقویٰ و ورع سے آراستہ اور عبادۂ شریعت پر مستحکم تھے۔ کبھی مہنیا کے مرتکب نہیں ہوئے شب ہائے تبرک شل شب جمعہ اور شبِ دوشنبہ کو نوافل و وظائف اور تلاوت قرآن مجید میں تمام تمام رات معروض رہتے تھے۔ نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ ہمیشہ باجماعت ادا کرتے اور اکثر و بیشتر عبادت شاقہ میں مصروف رہتے تھے۔ موسمِ سرما ہو یا گرما۔ سفر ہو یا حضر ایامِ بیض کے روزے کبھی ترک نہیں کرتے تھے۔ طریقہ عالیہ قادریہ میں حضرت شاہ جمال اللہ سے بیعت کرتے۔

نواب ذوالفقار خاں کی شادی قصبہ کٹرہ ضلع شاہپاں پور میں کمال زانی خاں کی صاحبزادی کے ساتھ ہوئی تھی۔ چند لڑکیاں اور دنش لڑکے اپنی یادگار میں چھوڑے۔

۱۷ ذوالفقار گنج باب شہادت گنج کہلاتا ہے نواب ذوالفقار خاں کے نام پر بسایا گیا تھا بریلی کا ایک مشہور بازار ہے۔

۱۷ ہر مہینے چاند کی ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵ تاریخوں کو ایامِ بیض کہتے ہیں۔ بیض بمعنی سپیدی۔

۱۷ نواب ذوالفقار خاں کے اکثر لڑکے مشہور ہوئے۔ جن میں خان بہادر خاں بہنگامہ ۱۷۵۷ء میں روپل کھڈ کے نواب بنائے گئے تھے خاص طور پر بہت ممتاز و نامور ہوئے۔ ایک اور صاحبزادے نواب احمد یار خاں نامی تھے جو ریاست فرخ آباد میں نواب بن گئے تھے ان کے زمانہ میں بہمدہ نیابت منازقتے۔ نہایت قابلِ ادا ذی علم تھے۔ اردو فارسی کی چند کتابیں تصنیف کیں۔ فارسی کا ایک مطبوعہ مولود شریعت موجود ہے۔ ۴۴

۴۴۱ ان کی بیعت ملی کا ذکر مولوی فیض الدین جن مصنف مصدر فیوض نے اپنی کتاب میں کیا ہے ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں حیدرآباد کے دن غازیہ میں انتقال فرمایا۔ چھ ماہ کے بعد لاش فرخ آباد سے بریلی لائی گئی اور حافظ الملک کے مقبرہ میں دفن کی گئی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بھلہ چار لڑکوں کے دو یعنی نواب مظفر حسین خاں اور جتینا رام مدد تنک فرخ آباد ہی میں مزار عہدوں پر فائز رہے۔ پوتوں میں نواب حیدر حسین خاں ابن حافظ یار خاں نہایت عالی مرتبت اہلِ باطن میں سے گزرے ہیں۔ چالیس سال تک مسلسل مرث وہی کے ہانی پر گزر کی اسی وجہ سے وہی والے میاں کے نام سے مشہور ہیں۔ آخر عمر میں ترک غذا اور ریاضت شافہ نے انہیں ایسا نحیف و نزار بنا دیا تھا کہ ان کی شکل ایک زندہ انسان کی سی نہ معلوم ہوتی وہ سوکھی ہڈیوں کے ایک درخت کی مانند معلوم ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک روز ایک چڑیا آکر ان کے سر پر بیٹھ گئی تو فرمائے گئے۔

”دیکھو ری چڑیا کیا تو نے مجھے انسان نہ سمجھا“

حضرت شاہ محمد شیرمیاں صاحبِ پہلی بھیتوی جو شمالی ہند میں بڑے زبردست اولیا اللہ سے گزرے ہیں نواب صاحب کی بابت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ۔

”میاں وہ اپنے وقت کے آفتاب ہیں“

حضرت شاہ جی میاں صاحب نے ایک روز صبح اٹھ کر حاضر خدمت لوگوں سے فرمایا۔

”رات خواب میں دیکھا کہ میں اور نواب صاحب ساتھ کھانا کھا رہے ہیں ہونہو“

اُن کا وصال ہو گیا۔

ادریہ واقعہ تھا کہ اُس روز نواب صاحب کا بریلی میں انتقال ہو چکا تھا۔ شاہ جی میاں جب کبھی بریلی روفیہ افروز ہوتے تو نواب صاحب سے ضرور ملاقات کر کے آیا کرتے تھے اور یہ اکثر دیکھا گیا کہ اس قسم کے مواقع پر خلافت معمول اپنے مکان واقع گلی نوابان میں نواب صاحب بغیر کسی پہلے کی اطلاع کے کواڑوں کی کنڈی پکڑے شاہ جی میاں کے انتظار میں کھڑے نظر آتے تھے۔

نواب صاحب کو حضرت شاہ دانا ولیؒ سے بہت عقیدت تھی اکثر مزار اقدس پر تشریف لے جاتے اور یہ شہ

خوب واقف ہے مرے حال سے شاہِ دانا

عرض حاجت تری درگاہ میں نادانی ہے

نواب صاحب نے ایک میلاد نامہ لکھا تھا جس کی نقلی نقول بعض اصحاب کے پاس موجود ہیں۔ تصوف اور
صفت میں ان کا کلام بہت مقبول تھا۔ حیدر تخلص کرتے تھے۔ افسوس ہے کہ اب ان کا کلام نایاب ہو چکا ہے
کی زبانی جو چند اشعار سننے میں آئے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

کس کو قہی میکدہ کون میں آنے کی خوشی جھکنا سن نہ میں دم دے کے تفضالائی ہے

میں ترکِ فرائض میں خدا کا ہوں چور اور ترکِ سنن میں مصطفیٰ کا ہوں چور
دم یوم الست میں چرایا میں نے حیدر بخدا میں کس بلا کا ہوں چور

محمد سرِ قدرت ہے کوئی رمز اس کی کیا جانے شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے
خدا نے مصطفائی کی محمد نے خدا کی کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے

نواب صاحب مقبرہ حافظ الملک میں مدو د گنبد کے باہر جانبِ جنوب مد فون ہیں۔ ان کی قبر کا کچھ مختصر ذکر
تصویر میں بھی آگیا ہے۔

نواب ذو الفقار خاں کی اولاد میں نواب علی خاں المعروف پٹنن میاں صاحب بھی نہایت ذکی و دینی
اور با وضع شخص تھے۔ حافظ خاص طور پر بہت اچھا تھا۔ ان کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک روز سید
عبدالحمن صاحب کی صحبت میں جو عجیب و غریب صفات کے اہل باطن میں سے گزرے ہیں شریعت
رکھتے تھے۔ ایک خوش کلام شاعر شریف لائے اور نیس بتیس شعر کی اپنی ایک تازہ لکھی ہوئی غزل سن کر
اہلِ صحبت کو محفوظ و سرور کیا۔ جب وہ سنا چکے تو گلن میاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہ غزل تو میری ہے
آپ کو کہاں سے ہاتھ لگی۔ تمام لوگ گلن میاں کے اس فرمانے سے حیرت زدہ ہو گئے بالخصوص شاعر

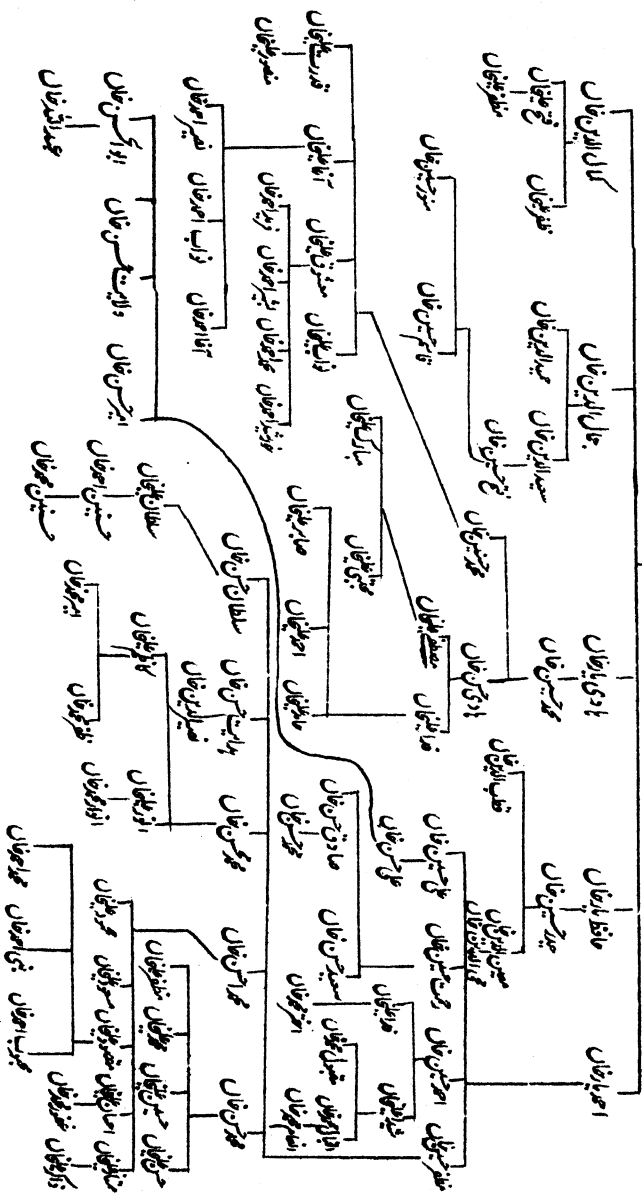
م م صاحب کا استعجاب دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ سوال کیا گیا کہ اس کا ثبوت۔ جواب دیا کہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ مجھے پوری غزل یاد ہے۔ لوگوں نے کہا سنائیے۔ اس پر نواب صاحب نے بلا تکلف تمام اشعار سنائیے اور ثابت کر دیا کہ غزل مذکور انہیں کی لکھی ہوئی تھی۔

شاعر صاحب بیچارے بہت غل و شرمندہ ہوئے اور عنقریب محبت سے اٹھ کر جانے والے تھے کہ نواب گلن میاں کو ان کے حال پر رحم آگیا اور فرمایا کہ۔

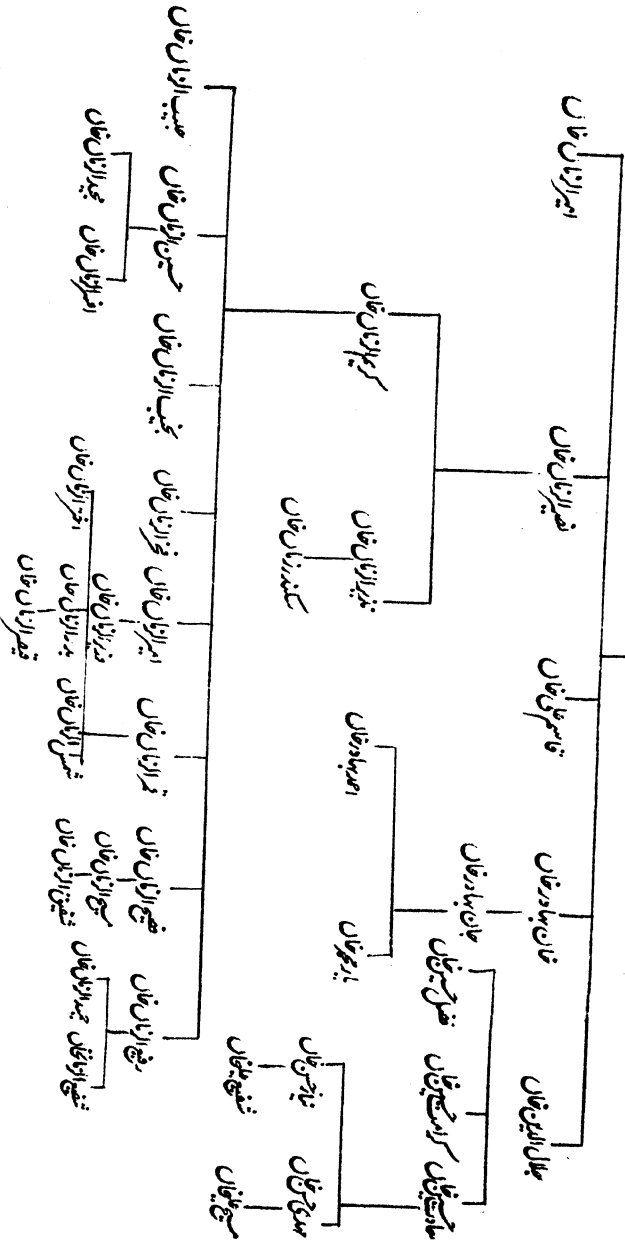
”د بھائی معاف کرنا دراصل غزل تمہاری ہی ہے تم نے جو سنائی تو مجھے یاد ہو گئی“

سب لوگوں نے نواب صاحب کے حافظہ اور مذاق لطیف کی بہت داد دی۔ اللہ اللہ کیا مجتہدین تھے! کیسا دل آویز ان کا مذاق تھا۔

سلسلہ نواب ذوالفقار خاں



سلسلہ نواب ذوالفقار خاں

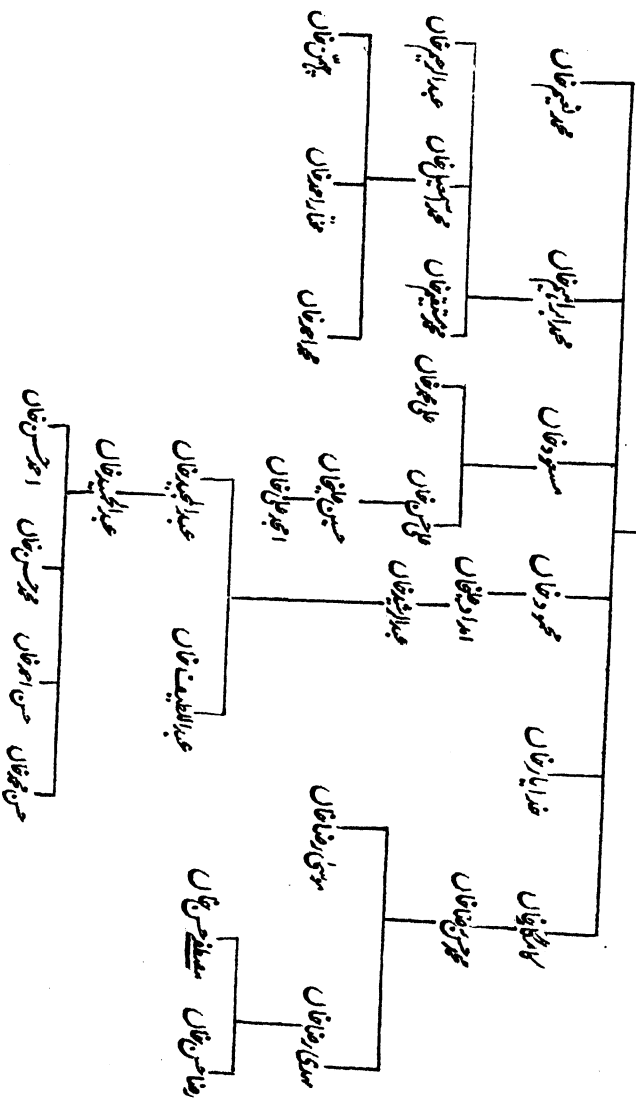


نواب اللہ یار خاں

حافظ محمد یار خاں کے حقیقی بھائی تھے اپنے والد کی شہادت کے وقت اکیس سال کے تھے ساٹھ سال اور چند ماہ اور زندہ رہ کر نویں ماہ شعبان ۱۲۸۷ھ بمطابق

۱۸۳۲ء کو بھر کیا اسی سال اور چند ماہ وفات پائی۔ ان کو علاوہ دیہات و آراضیات معانی چھ ہزار تین سو نوڑیسھ روپیہ سالانہ وثیقہ ملتا تھا۔ اخلاق حسنہ اور عادات تحسنہ کے مالک تھے۔ متین اور سنجیدہ مزاج ہونے کے باوصف ظریف طبع بھی اس قدر تھے کہ اگر ان کے لطائف و ظرائف کو جمع کیا جائے تو ایک علیحدہ کتاب مرتب ہو جائے۔ شکار کا بہت شوق تھا اور ہندوؤں کا نشانہ بہت صحیح لگاتے تھے۔ سلسلہ قادریہ میں حضرت سید علی اکبر مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ عالم و محقق بھی تھے انھوں نے پشتو اور ہندوستانی زبان کی ایک مبسوط لغت تیار کی تھی جو اب دستیاب نہیں ہوتی۔ صاحب اولاد تھے اور چھ لڑکے اپنی یادگار چھوڑے۔

سلسلہ نواب الشاہ خاں



۹
نوابِ عظمتِ خاں

محبتِ خاں اور عنایتِ خاں کے حقیقی بھائی تھے۔ حافظِ الملک کی شہادت

کے وقت اکیس سال کے تھے صرف پانچ سال اور زندہ رہ کر پندرہ بیس سال

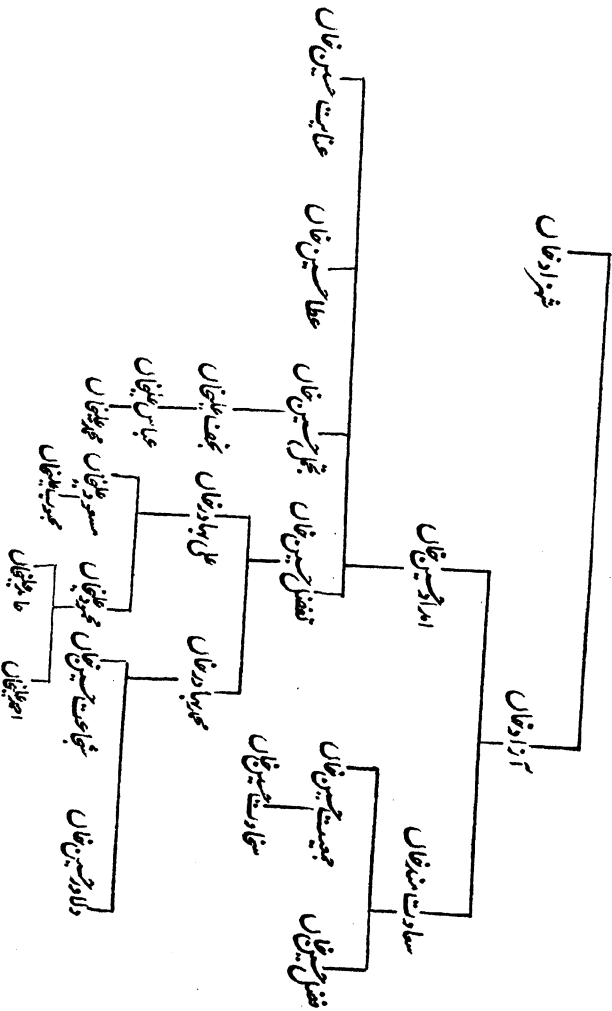
۹۳ھ مطابق ۱۵۷۹ء میں مسلول ہو کر بریلی میں وفات پائی۔ نوابِ عنایتِ خاں کے قریب

دفن ہوئے۔ تین گاؤں کچھ آراءِ ضیاء معانی۔ کسی تھریو میہ اور مبلغ و دہزار سات سو چھتر روپیہ

سالانہ وثیقہ و جہدِ معاش تھی۔ ان کے دولہ کے آزاد خاں اور شہزاد خاں نامی تھے۔



سلسلہ نواب غلامت خان



نوابِ حرمتِ خاں

حافظ الملک کی شہادت کے وقت اُنیس سال کے تھے پینتالیس سال اور زندہ رہ کر پھر جونہی سال ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۶ء بقامِ مراد آباد وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ عطار اضافہ کے وقت سے تین ہزار چھ سو اکتھار و پیر سالہ بطور وثیقہ کے ملتا تھا کیونکہ ہم کچھ لکھتے ہیں کہ انھوں نے پہلی تقسیمِ ولیفہ کے وقت کچھ لینے سے انکار کر دیا تھا۔ نہایت شجاع و دلیر تھے۔ شہسوار اور نیزہ بازی میں بے مثل تھے۔ عنایتِ خاں کے بعد تمام بھائیوں میں تنویر اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ اپنے بڑے بھائیوں کی کوتاہ اندیشی کی بدولت دوسرے اہلِ خاندان کے ساتھ گرفتار ہونے کو تو ہو گئے لیکن قطعاً الہ آباد سے رہا ہوتے ہی ایک دن چھین سے نہ بیٹھے اپنے خاندان کی تباہی و بربادی اور اپنے پدر والا نشان کے خونِ ناحق نے ان کے قلب کو مجروح اور جگر کو ننگا کر دیا تھا اس لئے والی اودھ سے انعام لینے اور روہیل کھنڈ پر دوبارہ قبضہ کرنے کے ارادہ سے پہلے مراد آباد اور پھر بریلی آئے۔ ہر چند پُرانے سرداروں اور اہلِ فوج کو تلاش کیا مگر کسی کا پتہ نہ ملا۔ خیال گزرا کہ کچھ لوگ رامپور میں ہوں گے لہذا رامپور گئے۔ نواب فیض اللہ خاں نے بہت آؤ بھگت کی مگر جب حرمتِ خاں نے عرض مدعا کیا تو کسی قسم کی مدد دینے سے صاف انکار کر دیا۔

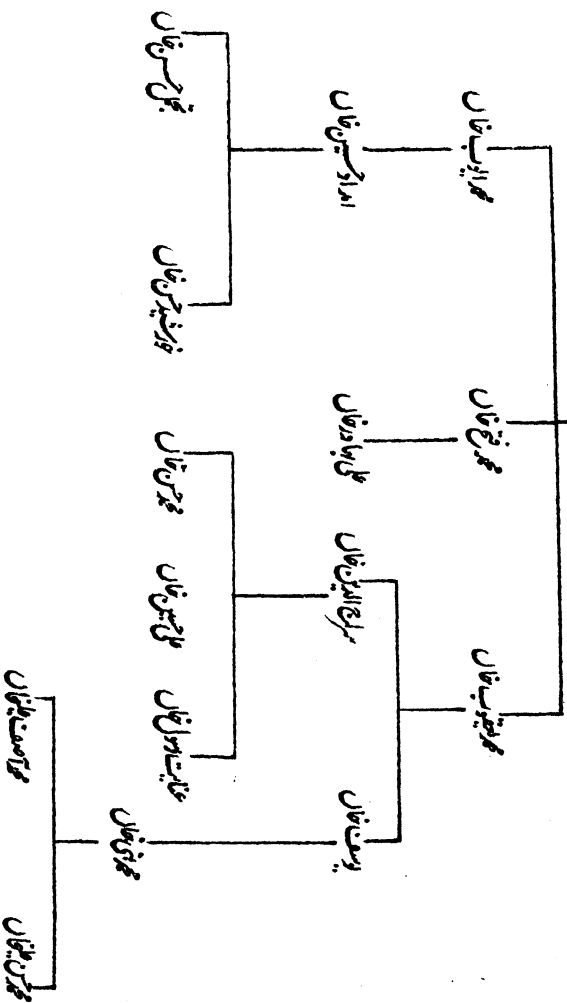
حرمتِ خاں نے نواب فیض اللہ خاں سے ناراض ہو کر رامپور چھوڑ دیا اور قریب کے دیہات میں چلے گئے وہاں حافظ الملک اور ان کے اہلِ خاندان کے کچھ روپوش فداہیوں سے ملاقات ہوئی۔ حرمتِ خاں نے سب لوگوں کی ہمت بندھائی اور اپنے گرد جمع کیا اور جب ان فداہیوں کی تعداد کئی سو سے تجاوز ہو گئی تو سب کو ساتھ لے کر پہلی بحیثیت پر حملہ کر دیا لیکن فوج کی قلت کے باعث شکست ہو گئی، مجبوراً دارالسلطنت دہلی کا رخ کیا اور شاہِ عالم بادشاہ کی ملازمت اختیار کی بادشاہ نے ان پر بہت کچھ عنایات مبذول کیں چند ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ اور کئی ہزار سوار اور پیادوں کی رسالہ داری سے بھی سرفراز کیا لیکن روہیل کھنڈ پر حملہ کرنے کی اجازت نہ دی اس پر انہوں نے دل برداشتہ ہو کر ملازمت شاہی چھوڑ دی اور نواب ضابطہ خاں کے پاس چلے آئے۔ ضابطہ خاں نے بہت دلدہی و خاطر داری کی معقول و ولیفہ مقرر کیا لیکن جب تسخیرِ روہیل کھنڈ میں مدد دینے کا سوال درمیان آیا تو اپنی معذوری ظاہر کر دی۔ نوابِ حرمتِ خاں یہاں سے بھی مایوس و ناامید ہو کر ماواچی سینڈھیا کے پاس جا کر

طالب امداد ہوئے۔ ہماواجی سیندھیانے نہایت عزت و توقیر کی کچھ عرصہ لیت و لعل میں رکھا اس کے بعد فتح روہیل کھنڈ میں ساتھ دینے سے معذوری ظاہر کر دی۔

ایک ایک کر کے شمالی ہند کے تمام حکمرانوں نے حرمت خاں کی امداد و اعانت کرنے سے گریز کیا تو انھوں نے تن بہ تقدیر افغانستان کا رخ کیا اور تیمور شاہ ابن احمد شاہ دُرانی کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی اور اپنے خاندان کی بربادی کی فریاد کی یہ بھی بادشاہ کو یاد دلایا کہ کس کس طرح اور کن کن نازک مواقع پر احمد شاہ دُرانی نے اپنے ہندوستانی ہم قوموں کی دست گیری کی نیز حافظ الملک مرحوم سے ان کے کیسے خصوصیت کے تعلقات تھے۔ تیمور شاہ نے حرمت خاں کے ساتھ حد درجہ مہربانی کا سلوک کیا اور وعدہ کیا کہ جلد از جلد ہندوستان پر حملہ کیا جائے گا۔ لیکن اس وعدہ کے ابغا میں ایسے ایسے موافقات پیش آئے کہ آخر کار شاہ موصوف کو بہت کچھ معذرت کے بعد حرمت خاں سے مدد دینے کے معاملے میں اٹکا رہی کرنا پڑا۔

شاہ افغانستان سے بھی مقصد برآری نہ ہوئی تو حرمت خاں کی مکر بہت ٹوٹ گئی۔ اپنی سی بہت کوشش کی لیکن جب مقدر ہی باوری نہ کرے تو انسان کیا کر سکتا ہے۔ مجبوراً حرمات نصیب حرمت خاں دل شکستہ ہو کر ہندوستان واپس لوٹ آئے۔ ناکام و نامراد عرصہ دراز کی بادیہ پائی کے بعد بنگال آباد اپنی خسران میں وارد ہوئے۔ سرزمین وطن میں قدم رکھا تو ان کی ہیئت کدائی پر مٹی کے ہاتھوں میں چوڑیاں اور بدن پر زنا نہ لباس تھا۔ جب کسی سے بات کرتے تو طرز کلام عورتوں کا اختیار کرتے۔ سنا ہے کہ اپنی بقیہ عمر اسی حال میں گزاری اور مارے غیرت کے نہ کبھی مردوں کی سی صورت بنائی اور نہ کبھی مردانگی کا دعویٰ کیا۔ لوگ ان کو دیکھ کر ہنسنے اور مذاق اڑاتے تھے اور ان کی بابت یہ خیال کر لیا گیا تھا کہ ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ چنانچہ اکثر کتابوں میں کہ گل رحمت میں ان کے جنون و دیوانگی کا ذکر ہے۔ لیکن یہ جنون و دیوانگی وہ تھی جس کو اہل نظر کمال خرد سے تعبیر کرتے ہیں۔ کاش ایسی دیوانگی حافظ الملک کے دوسرے صاحبزادوں میں بھی ہوتی تو ان کا ملک طبعہ اغیار اور ان کی اولاد نذر فلاکت نہ ہوتی۔

سلسلہ نواب حرمت خاں



عالم
نواب غلام مصطفیٰ خاں

حافظ الملک کی حیات میں پندرہ سال کے تھے پندرہ سال اچھا دہا اور زندہ رہ کر روز پنج شنبہ ۲۷۔ ذیقعدہ ۱۲۰۳ھ مطابق ۱۸۸۷ء میں بتریس سال وفات کی۔ زیر دیوار غری

مقبرہ حافظ الملک میں دفن ہوئے۔ کچھ آراضیات معافی کی اور دو ہزار چار سو ساٹھ روپیہ سالانہ وثیقہ ملتا تھا۔ ذہن عالی اور طبع موزوں کے مالک تھے۔ بہت بڑے فارسی داں تھے۔ اور ہندی کے بلند پایہ شاعر تھے۔

مست تخلص تھا خط نسخ کھنے میں بے مثل تھے اور اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ سلسلہ حشیشہ وقادریہ میں حضرت سید علی اکبر دودی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ حافظ الملک کو اپنی تمام اولاد میں ان کے ساتھ سب

سے زیادہ محبت تھی۔ سفر و حضر میں اکثر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ مین عالم جوانی میں مدقوق و مسلول ہو کر انتقال کیا۔ اپنی وفات سے ایک مہینہ قبل غراب میں دیکھا کہ ایک بزرگ نورانی صورت سپید ریش

شریعت کا بھرا ہوا ایک پیالہ ان کے سامنے لائے اور کہا کہ یہ شریعت حضرت امام حسین علیہ السلام کی نیاز کا ہر نوش کیجئے۔ انھوں نے لے کر پی لیا ہنایت لذیذ تھا۔ آنکھ کھلی تو زبان پر اس کی لذت محسوس ہو رہی تھی۔

جن لوگوں کے سامنے اس خواب کو بیان کیا انھوں نے تعبیر دی کہ انشاء اللہ آپ محبت باب ہو جائیں گے لیکن خود انہوں نے باوجودیکہ اس وقت تک مرض میں شدت نہ ہوئی تھی اپنے صفائے باطن سے

معلوم کر لیا کہ اس سے مراد سفر آخرت ہے۔ وفات سے پندرہ روز قبل تک اگرچہ حرکت کرنے کی طاقت نہ رہی تھی تاہم چار پائی سے نیچے اتر کر باقاعدہ نماز ادا کرتے تھے۔ اس محنت شاقہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہر نماز کے

بعد کسی کئی گھنٹے بے ہوش رہتے گئے۔ اس پر مولوی عبد الباسط۔ مولوی محمد انور اور مفتی محمد ریاض صاحب نے فتویٰ دیا کہ حرکت کرنے کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں چار پائی پر نماز جائز ہے لیکن وہ چھٹی

پٹنگ کے نیچے مصلے ہی پر نماز ادا کرتے رہے۔ وصال سے چار روز قبل میاں مکارم صاحب عبادت کے واسطے تشریف لائے تو ان سے دریافت کیا کہ لفظ "ہو" اسمائے الہی سے ہے یا نہیں۔ انھوں

نے فرمایا کہ اکثر علماء سلف اس کے قائل ہیں کہ "ہو" اسمائے الہی سے ہے بلکہ اسمِ عظم ہے کتابا بخار الانبیاء میں بھی اس کا ذکر ہے۔ میاں مکارم نے اس استفسار کا سبب پوچھا تو کہا کہ سرعت نفس اور دل

کی دھڑکن کی وجہ سے لفظ "اللہ" کی بجائے لفظ "ہو" آسانی سے ادا ہو سکتا ہے۔ اب میں اسی لفظ

کو اختیار کرتا ہوں تاکہ آخر وقت تک میرا ہدم رہے۔

شب چار شنبہ چھبیسویں ذیقعدہ کو نئے فراری زیادہ ہو گئی چار پانچ خادم ہر وقت سر ہانے بیٹھے رہتے تھے۔ نصف شب گزری تو تین بار بے نکرار فرمایا کہ خداوند! میں نے بہت تکلیف اٹھائی اپنے فضل و کرم سے میری مشکل کو جلد آسان کر دے۔ دوسرے دن صبح کو ناز فجر سے فراغت کے بعد غش طاری ہو گیا جب ہوش میں آئے تو محرم سے پوچھا کہ ناز نظر کا وقت ہو گیا۔ اس نے کہا کہ ابھی چار گھڑی دن چڑھا ہے۔ فرمایا مجھے ناز نظر کی فکر ہے ایسا نہ کہ بیہوشی کے غلبے میں نماز قضا ہو جائے۔ اس کے بعد بے اصرار فرمایا کہ آج سو امیرے بھائیوں کے اور کوئی شخص میرے پاس نہ آئے۔ غالباً اس سے یہ مطلب ہو گا کہ اس خضوع و خشوع میں جو ان کو اپنے خالق بے نیاز کے ساتھ تھا کوئی فتور اور قصور سرزد نہ ہو۔ مولوی مکالم اور مفتی محمد عوض صاحب کے فتوے کے مطابق ناز مغرب و عشاء جمع کر کے ادا کی اور دو آدمیوں کو حکم دیا کہ خبردار رہو اگر شدت غش سے میری نازیں کوئی سہو واقع ہو تو جھکنا اطلاع دینا تاکہ جلد سہو ادا کر لوں۔ نواب سبجباب خاں مصنف گلستانِ رحمت جو اپنے بھائی کی تیمارداری کر رہے تھے انتقال کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ۔

”غروب آفتاب کے قریب بے ہوش ہو گئے جب بے ہوشی نے طول کھینچا تو ہم سمجھے کہ اب ان کا وقت قریب آگیا۔ ہم نے ان سے کہا کہ ناز کا وقت ہو گیا۔ تکلیف نام کے ساتھ آنکھیں کھول کر کہا کہ میرا ہاتھ پانی سے پاک کرو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور تیم کے واسطے مٹی کا ڈھیلہ پیش کیا گیا ہر چند چاہا کہ ڈھیلے کو ہاتھ لگا دیں مگر ممکن نہ ہوا۔ اپنی دلی توبہ سے پھر ارادہ کیا لیکن پھر کامیابی نہ ہوئی۔ تب ہم نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ڈھیلے پر لگایا اور انہوں نے اس پر اپنا ہاتھ ملکہ منہ پر پھیرا۔ چونکہ ہر لمحہ حالتِ دگرگوں ہوتی جاتی تھی پھر دوسری مرتبہ ڈھیلے پر ہاتھ نہ پہنچ سکا میں نے اپنے ہاتھ سے ان کا ہاتھ پکڑ کر ڈھیلے پر ملا لیکن غلط بیقراری اور غلبہ گریہ و فراری سے تیم نے ترتیب کرایا۔ اس پر انہوں نے تم کھینچ لیا۔ ہم سمجھ گئے کہ نئے تیمی کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا چنانچہ ترتیب کے ساتھ

نیم کرگران سے کہدیا کہ اب تیم طہیک ہو گیا اور انہوں نے نماز مغرب کی نیت باندھی۔
 ہاتھوں کو پوری قوت کے ساتھ جس کو کہ قوت روحانی کہتا چاہئے کانوں تک لے گئے
 پھر چھاتی پر لاکر نماز شروع کی۔ رکعت اول بھی طرح ادا کی دوسری رکعت میں لفظ ”اللہ“
 باور بلند زبان سے نکلا اور انشغال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔“

نواب مصطفیٰ خاں نے اپنی یادگار میں کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ لہٰذا وہ فوت ہوئے۔ نواب محبت خاں
 نے ان کی حسب ذیل تاریخ وفات لکھی ہے۔

آدم از یافتن جاں بر شکر	گشت آمادہ بلفظ احمد
مصطفیٰ خاں ز کف ساقی موت	خورد چوں بادہ بلفظ احمد

۳ ۰ ۱۲ھ

از میاں جی کریم خاں شاہجامہ پوری۔

مصطفیٰ خاں کہ درمنار و نیاز	برو سجادہ چوں بطاقِ جنان
بانگ زد دل بہن کہ تار بخشش	ہو قد مات فی الصلوٰۃ بخوان

۳ ۰ ۱۲ھ

از حکیم احمد اللہ ساکن گڑھ مکیشہ۔

افسوس دلا کہ مصطفیٰ خاں	در کف بقا گزید عزلت
تاریخ وفات گفت ہاتف	در حال مناز کرد رحلت

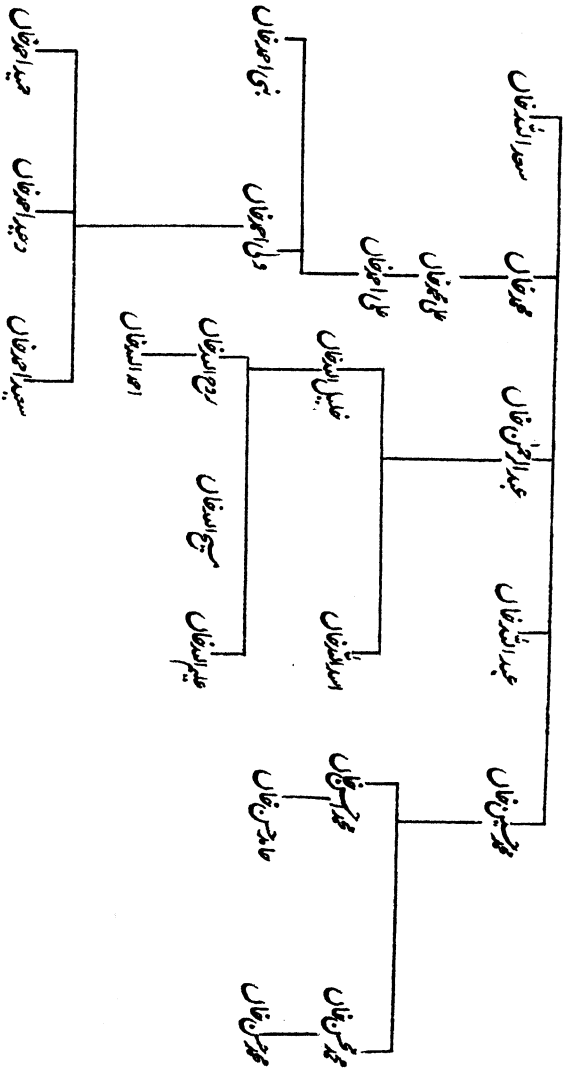
۳ ۰ ۱۲ھ

نواب محمد عمر خاں

حافظ الملک کی شہادت کے وقت چودہ سال اور چند ماہ کے تھے۔ باون سال چار مہینے اور زندہ رہ کر روز و شنبہ پچیسویں جمادی الثانی ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۶۲ء بمصر ۴۶ سال وفات پائی اور بریلی میں اپنے مکان کے پائیں باغ میں دفن ہوئے۔ انکو علاوہ آراء و خیالات معانی اور دیہات استمرا ایک ہزار تین سو تریسٹھ روپیہ سالانہ سرکاری خزانے سے ملتا تھا۔

نہایت حلیم و شریف۔ بردبار و باوقار اور صاحب فتوت و مروت تھے۔ ان کا ظاہر و باطن۔ لطف عیم۔ خلق عظیم اور شان ہمزب سے آراستہ تھا ظلم تاریخ سے بہت شغف تھا۔ ابتدائے ریعان بہار شباب سے ان کی کسی وقت کی نماز قضا نہ ہوئی۔ حافظ محمد یار خاں کی طرح ان کو بھی ہرن کے شکار کا بہت شوق تھا اور برق اندازی میں بڑے باکمال تھے۔ طریقہ عالیہ قادریہ میں سید علی اکبر الودودیؒ سے بیعت تھی۔ پانچ لڑکے اپنی یادگار چھوڑے۔

سلسلہ نواب محمد عرفان



نوابِ ستجباب خاں

حافظ المکاک کی شہادت کے وقت تیرہ سال اور چند ماہ کے تھے۔ ساٹھ سال آٹھ مہینے اور زندہ رہ کر روزِ دو شنبہ دوسری شوال ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۳۲ء کو بھرچوہتر سال بریلی میں وفات کی اور اپنے باغِ موسوم بہ 'باغِ نوابِ ستجباب خاں' میں دفن ہوئے۔ عربی فارسی اور پشتو زبان کے زبردست ماہر اور اپنے وقت کے بہت بڑے ادیب تھے۔ حافظ المکاک کے حالات میں مشہور و معروف کتاب گلستانِ رحمت ان کی قابلِ قدر یادگار ہے۔ یہ بیش بہا کتاب کیا با اعتبارِ صحت و اقحاط اور کیا با اعتبارِ زبان و انشا پر دانی کا بہتر نمونہ ہے۔ مصنف نے صحیح اور سچے واقعات کی تحقیق و تفتیش میں جو کاوش کی ہے وہ اپنی آپ نظر ہے۔ نوابِ ستجباب خاں نے یہ کتاب لکھ کر نہ صرف روہیلوں کے نامور سردار بلکہ ایک پوری کی پوری قوم کو زندہ جاوید کر دیا۔ اگر خدا نخواستہ یہ کتاب نہ لکھی جاتی تو آج دنیا اس بھادر قوم اور نیک سرفروش سردار کے صحیح حالات جاننے سے محروم رہ جاتی۔ یہ کتاب مصنف نے فارسی زبان میں لکھی تھی۔ جس کی کچھ نقلی نقول دو ایک پڑائے کتب خانوں اور بعض علم پرور خاندانوں میں آج تک محفوظ ہیں۔

نوابِ ستجباب خاں باوجود کمالِ علم و فضل نہایت منکسر المزاج تھے کہتے ہیں کہ۔

”ایں کمترین سراسر ذنوب سرا پا عیوب کہ نہ بھیج صفت موصوف است نہ بھیج اوصاف معروف“

اپنے دوسرے اہلِ خاندان کی طرح سنی المذہب اور راسخ العقیدہ تھے چنانچہ فرماتے ہیں۔

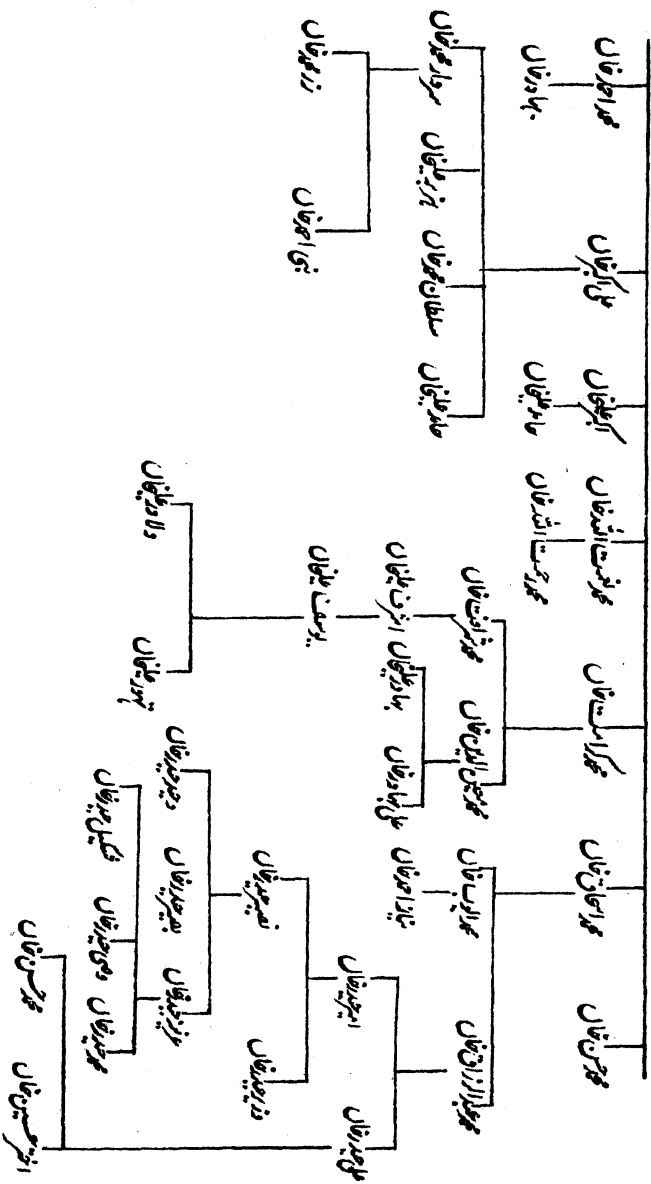
”اگر تہذیبِ محمدیہ نہ تھی نہ کہ برہنہ آبا و اجداد کہ ساک ساک صراطِ مستقیم اہل سنت و جماعت بودند راسخ دم وثابت قدم است“

سید علی اکبر دودی رحمۃ اللہ علیہ سے سمجھتے تھے۔ صاحبِ اولاد تھے۔

۱۔ نوابِ ستجباب خاں کا باغ جس میں انکی قبر آج تک موجود ہے لبِ ملکہ قلعہ متصل شیشی سٹیشن جانب شمال واقع ہے۔ یہ باغ اب اہلِ خاندان کے قبضہ میں نہیں رہا جو کسی وجہ سے قبر کو جو خیرِ خاندان میں نہیں ہے۔ ضرورت ہو کہ روہیلوں کا ایک طبقہ یا یہ سورج کی اس یا لگا کر قائم و دائم رکھنے کے لئے کچھ کوشش کی جائے۔

۲۔ اولاد میں نواب محمد عبدالرزاق خاں صاحب صاحبِ تعالیٰ تھے۔ منت میں ان کا دیوان موجود ہے۔

سلسلہ نواب محمد ساجد خاں



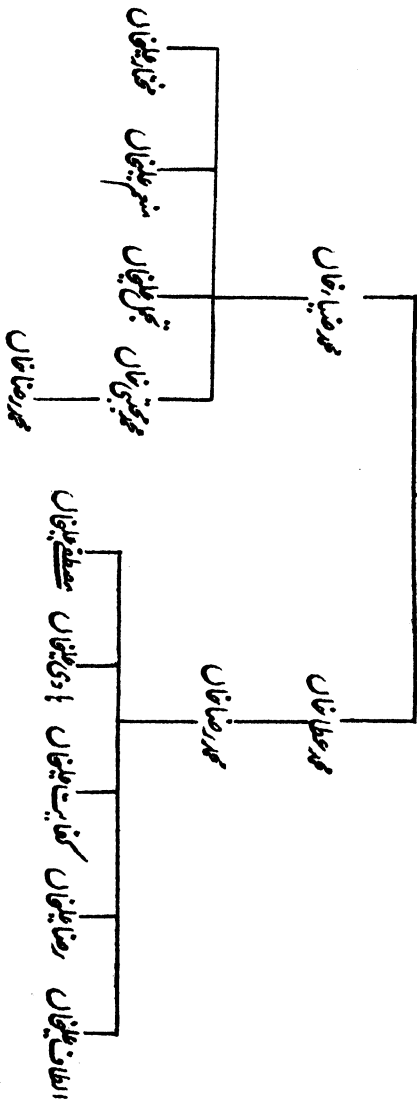
نواب محمد اکبر خاں

حرمت خاں کے برادرِ حقیقی تھے اپنے والد کی شہادت کے وقت بارہ سال اور چند مہینے کے تھے اور ان کے بعد اٹھاون سال اور نو مہینے زندہ رہے۔ سہ شنبہ کے روز چھٹی ذیقعد ۱۲۶۶ھ مطابق ۱۸۳۳ء کو اکثر سال کی عمر میں انتقال کیا اور رامپور میں دفن ہوئے علاوہ اُن مواجب کے جو ریاست رامپور سے ان کو وصول ہونے لگے تھے مبلغ ایک ہزار سات سو چھتر روپیہ سالانہ وظیفہ اضافہ وظیفہ کے وقت سے خزانہ بریلی سے ملتا تھا۔

بہت متقی و پرہیزگار۔ مناہی شرعیہ سے بیزار اور افعالِ شنیعہ سے خنفر تھے۔ آغازِ جوانی سے آخرِ عمر تک صوم و صلوة کے نہایت پابند رہے۔

فنِ انشا پر دازی میں بہترین خطوط نویسی کرتے تھے خط شکست کے بہت بڑے ماہر تھے۔ طریقہ قادیبہ میں حافظ شاہ جمال اللہ صاحب سے جو رامپور میں مدفون ہیں بیعت تھے۔ نواب محمد اکبر خاں نے دو صاحبزادے اپنی یادگار چھوڑے۔

سلسلہ نسل نواب محمد اکبر خاں



حافظ الملک کی نو صاحبزادیاں

چودہ نامور صاحبزادوں کے علاوہ حافظ الملک مرحوم کی نو

عفت مآب صاحبزادیاں تھیں۔ جو اپنے باکمال بھائیوں کی طرح

ذیور علم سے آراستہ تھیں۔ روہیلہ قوم میں چونکہ گھر تعلیم کا چرچا اور رواج تھا۔ بڑی بڑی عالمہ فاضلہ

آستانیاں مکاؤں کی چہار دیواری میں اسلامی شرعی پردے کی تمام قیود کی پابندی کرتے ہوئے درس

دیا کرتی تھیں اس لئے حافظ الملک نے اپنی صاحبزادیوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا بھی بہترین انتظام

کیا تھا اور ان کی یمن توجہ سے سب کی سب عالمہ اور فاضلہ بن گئی تھیں۔

ان صاحبزادیوں کے نام نہ معلوم ہو سکے کیونکہ اس زمانہ کے انتہائی غیرت مند لوگ اپنی مستورات اور

لڑکیوں کے نام دوسروں پر ظاہر کرنا میعوب سمجھتے تھے اور اگر ان کا کچھ پتہ نشان دینے کی ضرورت ہوتی

تو شادی شدہ مستورات کو ان کے خاوندوں کے حوالے سے اور غیر شادی شدہ کو ان کے والدین کے

سلسلے سے ظاہر کرتے۔ چنانچہ اسی قاعدہ کی رو سے حافظ الملک کی صاحبزادیوں کا حال بھی ان کے

خاوندوں کی نسبت سے گلستانِ رحمت اور گلِ رحمت میں درج ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ

گلستانِ رحمت یا کسی دوسری کتاب سے کسی صاحبزادی کی تاریخِ پیدائش اور سالِ وفات بھی معلوم نہ ہو سکی۔

حافظ الملک نے صاحبزادیوں کی شادی کبھی غیر کفو لوگوں میں نہیں کی بلکہ اس معاملہ میں حتیٰ الوسع اپنے نیک

جدی افرادِ خاندان کو ترجیح دیتے تھے اسی بنا پر ہمیں یاد ہے کہ انھوں نے روہیل کھنڈ میں تنقل سکونت

اختیار کرنے کا وعدہ کرنے وقت نواب علی محمد خاں سے بھی یہ شرط کر لی تھی کہ وہ اپنی لڑکیاں کسی غیر کو

نہیں بیاہیں گے۔ لڑکوں کی شادی میں انہیں اس امر پر اصرار نہیں تھا۔

پہلی صاحبزادی

حافظ الملک کی بڑی صاحبزادی ان کی پہلی بیوی کے بلغن سے افغانستان میں پیدا

ہوئی تھیں انھوں نے بہت عمر ہو کر وفات پائی۔ ان سے ایک بیٹے غلام محی الدین خاں پیدا ہوئے جو

تھہرہ سہریلی میں رہتے تھے خزانہ بریلی سے دو ہزار چار سو ساٹھ روپیہ سالانہ ملتا تھا۔ ان کے شوہر نامہ انھوں

ابنِ نعمت خاں ابنِ حسن خاں ابنِ محمود خاں المعروف بہ موتی بابا حافظ الملک کی زندگی ہی میں فوت

ہو گئے تھے دوسری شادی نہیں کی۔

دوسری صاحبزادی بھی مذکورہ بالا ولایتی بیوی ہی سے پیدا ہوئی تھیں انہوں نے بہت عمر پائی۔ فتح اللہ خاں ابن نواب دوندے خاں ابن حسن خاں ابن محمود خاں

عرف موتی بابا کے ساتھ شادی ہوئی تھی کوئی اولاد اپنی یادگار نہ چھوڑی۔

تیسری صاحبزادی ہمشیرہ حقیقی حافظ محمد یار خاں کی تھیں۔ ان کی شادی حافظ الملک کے بھانجے سید محمد خاں کے ساتھ ہوئی تھی انہوں نے دو بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑ کر وفات کی۔

چوتھی صاحبزادی ان کی شادی جشان خاں ابن مبارز خاں ابن شادی خاں ابن شہزاد خاں ابن محمود خاں عرف موتی بابا کے ساتھ ہوئی تھی۔ چند لڑکیاں اپنی یادگار چھوڑیں۔

پانچویں صاحبزادی نواب محمد عرفان کی حقیقی بہن تھیں ان کی شادی اکبر شاہ خاں ابن مرزا خاں ابن شاہ مردان خاں ابن آزاد خاں ابن محمود خاں عرف موتی بابا کے ساتھ ہوئی تھی لا ولد انتقال کیا۔

چھٹی صاحبزادی ہمشیرہ نواب محمد دیدار خاں المعروف بہ منگل خاں ان کی نسبت احمد خاں المشہور بہ کلو خاں بن شہامت خاں بن خالد خاں بن حسن خاں بن محمود خاں عرف موتی بابا سے ہوئی تھی احمد خاں حافظ الملک کی شہادت کے دو سال بعد انتقال کر گئے۔ کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔

ساتویں صاحبزادی دن مست خاں ابن بلند خاں ابن اکبر خاں ابن آزاد خاں ابن محمود خاں عرف موتی بابا کی اہلیہ تھیں حافظ الملک کی شہادت کے تیسرے سال ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا کوئی اولاد نہ تھی۔

آٹھویں صاحبزادی بہت خاں مرحوم کی حقیقی بہن تھیں ان کی شادی حافظ الملک کے بھانجے خان محمد خاں کے لڑکے شاہ محمد خاں کے ساتھ ہوئی تھی ۱۲۴۹ھ تک بقید حیات تھیں۔ تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں لڑکیوں کا انتقال ان کی زندگی ہی میں ہو گیا۔

نویں صاحبزادی نواب غلام مصطفیٰ خاں کی حقیقی ہمشیرہ تھیں ان کی شادی حافظ الملک کی شہادت کے بعد ملک احمد خاں ابن ملک سید خاں کے ساتھ ہوئی تھی لا ولد انتقال کیا۔

حافظ الملک کی دو بہنیں

حافظ الملک کی ایک ہمیشہ عزیز شاہ خاں کو بیابا ہی تھیں جن کے بطن سے ایک صاحبزادے سہمی بہ حضرت شاہ خاں پیدا ہوئے۔

دوسری ہمیشہ جو ”بی بی صاحبہ“ کے نام سے موسوم تھیں اپنے بھائی کی حیات ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ نہایت غیرت مند اور خود دار تھیں۔ جب ان کے پانچوں فرزند سمیان خان محمد خاں سید محمد خاں۔ میر محمد خاں۔ احمد خاں اور محمد خاں جنگ کٹرہ سے صبح و سالم مکان پر واپس آئے تو انہیں دیکھ کر کھلبے خوش ہونے کے بہت غضب ناک ہوئیں اور فرمایا کہ۔

”تمہارے اُس ماموں کو جس نے مثل فرزندوں کے تمہیں پر ورش کیا مگر جنگ میں قتل کر کے پانچوں زندہ اور صحیح و سالم میرے سامنے آئے ہو۔ کیوں نہیں تم میں سے کوئی ان کے ساتھ مارا گیا؟ نہایت شرم و افسوس کی بات ہے۔ میرے سامنے سے چلے جاؤ۔ خدا نے چاہا تو نازیست میں تمہاری صورت نہ دیکھو گی“

چنانچہ ایسا ہی کیا کہ جب تک حیات رہیں کسی فرزند کی صورت نہ دیکھی اور اپنے تمام مال و متاع سے ایک نہایت خوبصورت اور عالی شان مسجد تعمیر کرائی جو آج تک ”بی بی جی کی مسجد“ کے نام سے محلہ بہاری پور بریلی میں اپنی قدیمی شان و شوکت کے ساتھ قائم ہے اور اپنے بانی کی رفیع شان سیرت (ریکرکٹ) کی گواہی دے رہی ہے۔

مستورات کی زبان یہ تو ہم لکھ چکے ہیں کہ حافظ الملک کے گھرانے کی تمام مستورات تعلیم یافتہ تھیں ان کی زبان کی یہ کیفیت تھی کہ ہندوستانی کے علاوہ پشتو اور فارسی بلا تکلف بولتی تھیں گو یا کہ یہ اُن کے گھر کی زبان تھی اور اب سے پچاس سال پہلے تک ضیعت العرواب زادیاں اپنی گفتگو میں پشتو اور فارسی کے الفاظ۔ فقرات اور اشعار کمال حسن و خوبی ادا کیا کرتی تھیں۔ ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ ایک روز نواب سعادت یار خاں مرحوم کی اہلیہ محترمہ جو نواب محبت خاں کی صاحبزادی تھیں اپنے بیٹے نواب عبدالغیر خاں سے کسی بات پر ناراض تھیں۔ چنانچہ دوکان میں شریف لائے تو فرمایا کہ

”کیوں عزیز!“

پہل سال عمر عزیزت گزشت
فرج تو از حال طفلی نگشت

ضمیمہ نمبر ۳ رویل کھنڈ روہیلہ حکومت کے بعد

ریاست رامپور پر ایک نظر معاہدہ لال ڈانگ کی رو سے علاقہ رامپور نواب فیض اللہ خاں ریاست رامپور پر ایک نظر

فیض اللہ خاں کا انتقال ہوا۔ ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے نواب محمد علی خاں مسند نشین ریاست ہوئے لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی سخت گیری کے باعث قتل کر دیئے گئے اور ان کے چھوٹے بھائی نواب غلام محمد خاں نے اپنے بھتیجے کا حق غضب کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ ۱۲۴۰۔ کنویر کو ان سے انگریزوں اور اودھ کی فوج سے دریا ئے سنکھ کے پل کے قریب موضع بٹھورا پر زبردست جنگ ہوئی۔

سرفراز خاں ڈھو اور پنجواں بلند خاں نے بڑی بہادری دکھائی اور نواب صاحب کو شامدار فتح نصیب ہوئی مگر دو جوڑا کے مقام پر دوبارہ لڑائی میں شکست فاش اٹھانی پڑی اور ان کو بنارس میں نظر بند کر کے بھیجا گیا۔

نواب غلام محمد خاں کی نظر بندی کے بعد حق دار ریاست نواب احمد علی خاں مسند نشین ہوئے انہیں کے عہد حکومت میں ریاست رامپور براہ راست انگریزی حکومت کے زیر اثر آئی۔ انہوں نے ۱۲۴۱ سال حکومت کر کے ۱۲۵۷ء میں انتقال کیا۔ نواب احمد علی خاں کے کوئی اولاد ذرینہ نہ تھی۔

اس لئے ان کے بعد ان کے چچا زاد بھائی نواب محمد سعید خاں بہادر ابن نواب غلام محمد خاں جو بدایوں میں ڈپٹی کلکٹر تھے نواب بنائے گئے ۱۲۵۷ء میں نواب محمد سعید خاں نے انتقال کیا اور نواب یوسف علی خاں مسند نشین ہوئے ان کی مسند نشینی کے ڈوبرس اور دو ماہ بعد ۱۲۵۸ء کا ہنگامہ واقع ہوا۔ نواب صاحب اس ہنگامہ میں انگریزی حکومت کے وفادار رہے اور بہت امداد کی جس کی بنا پر ہنگامہ فرو ہوئے کے بعد برٹش گورنمنٹ نے بطور شکریہ ایک سو چھیالیس

مواضعات کا علاقہ عطا کیا اور خطاب فرزند لپیہر دولت انجمن شیعہ سے سرفراز کیا۔ نواب یوسف علی خاں کا ۱۸۶۵ء میں انتقال ہوا اور ان کے بعد کلب علی خاں حکمران ریاست ہوئے۔ نواب کلب علی خاں راہپور کے نہایت ہرولغزیز اور حد درجہ مشہور نواب گزرے ہیں اور گوان کے انتقال کو سینتالیس سال کے قریب گزر چکے ہیں لیکن ان کی دینداری۔ علم و مستی۔ بیدار مغزی۔ عدل پروری اور اہل کمال کی قدر دانی کے واقعات آج تک زبان زد خاص و عام ہیں۔ ۱۸۷۵ء میں نواب مشتاق علی خاں صاحب بہادر سند نشین ریاست ہوئے ان کے عہد میں جنرل عظیم الدین خاں مدارالہام ایک مشہور و معروف شخص گزرے ہیں جن کی کوشش سے انتظامات ریاست میں بعض اہم اصلاحات ظہور میں آئیں۔ نواب مشتاق علی خاں صاحب عرش آشتیاں نے صرف ستائیس ماہ حکومت کر کے ۲۵ فروری ۱۸۸۹ء کو انتقال کیا اور ان کے فرزند نواب حامد علی خاں بہادر ان کے جانشین ہوئے۔ نواب صاحب کا ابتدائی دور حکومت جنرل عظیم الدین خاں کے کارناموں سے مشہور ہوا۔ جب جنرل صاحب گولی سے مارے گئے اور نواب صاحب بخوبی سن تمیز کو پہنچ گئے تو خود نواب صاحب کی شخصیت کو فروغ حاصل ہوا۔ انھوں نے اکتالیس سال نہایت کثرت کے ساتھ حکومت کی۔ ریاست کی رونق و خوبصورتی بڑھانے کے لئے کروڑوں روپیہ کی عمارتیں بنوائیں۔ علمی اداروں اور اہل علم کی سرپرستی و قدر دانی میں لاکھوں روپیہ صرف کیا۔ بہت بیدار مغز اور عالی دماغ حکمران تھے۔ ۲۰ جون ۱۸۹۳ء کو انتقال فرمایا۔ آج کل راہپور میں ہزاری نس نواب رضا علی خاں بہادر سند آرائے ریاست ہیں چونکہ موجودہ نواب صاحب کو خان حکومت ہاتھ میں لئے بہت تھوڑا زمانہ گزرا ہے اس لئے ان کے طرز حکمرانی کے نتائج اور ذاتی حالات کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا بھی قبل از وقت ہے۔

اس کتاب کی تالیف و ترتیب کے دوران میں خاکسار مولف کو راہپور کو پچشم خود دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ نہایت شاندار اور پرفضا مقام ہے۔ پختہ بازار اور عالی شان سرکاری عمارت قابل دید ہیں۔ لیکن صاف و شفاف شاہراہوں اور بارونق بازاروں میں سے گزر کر جب مسلمان غریبوں کے محلوں میں جانے کا اتفاق ہوا تو ان کی حالت ناگفتہ بہ پائی۔ غلیظ گلیاں اور زیادہ تر شکستہ مکانات نظر پڑے۔

زن و مرد عوام کے کپڑے پھیلے اور ان کے چہرے پژمردہ پائے۔ برعکس اس کے ہندو آبادی کو عام طور پر متمول اور خوش حال دیکھا۔ لیکن اب نیا دور حکومت ہے نوجوان فرماں روا کو رعایا کی تعلیم کی طرف خاص توجہ ہے۔ عربی مدارس کے علاوہ انگریزی کی تعلیم کے لئے ریاست کا ہائی اسکول جاری ہے۔ جہاں بلا فیس تعلیم دی جاتی ہے۔ ہر مائٹنس بیگم صاحبہ کی سرپرستی میں لڑکیوں کی تعلیم کی بھی ابتدا ہو گئی ہے اگر بھی کوشش جاری رہی تو عجب نہیں کہ رامپور کی غریب رعایا کی مفلوک الحالی خوشحالی میں تبدیل ہو جائے۔

روہیل کھنڈ عہد شاہانِ اودھ میں شجاع الدولہ نے روہیل کھنڈ فتح کر کے نواب سعادت علی خاں کو بریلی کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن آصف الدولہ تخت نشین ہوئے تو انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بھائی کو معزول کر کے بنارس میں نظر بند کر دیا اور اپنے خسر صورت سنگھ کو ان کی بجائے گورنر بنایا۔ آصف الدولہ نے بنارس میں وزیر اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ایک معاہدہ کی رو سے تجارتی مال کی درآمد و برآمد پر ازبہرہ وصول قائم کیا گیا۔ حافظ الملک مرحوم کی اس اہم اصلاح کا جس کی وجہ سے سرزمینِ روہیل کھنڈ بہت بڑی تجارت گاہ ہو گئی تھی خاتمہ کر دینے سے دیسی تجارت کو بہت نقصان اور انگریزی تجارت کو غیر معمولی فائدہ ہوا۔ اس معاہدہ کی یادگار میں ایک نیا سکے ۳۰ جولائی ۱۸۵۷ء کو آصف آباد (بریلی) میں چلا یا گیا۔ یہ سکے سٹراچ نیلسن رائٹ کے پاس اب تک موجود تھا۔

۱۸۵۷ء سے ۱۸۵۹ء تک شمالی روہیل کھنڈ میں نیپالیوں کے پے درپے حملوں کی وجہ سے مسلسل چار سال تک سخت بے چینی رہی۔

نواب آصف الدولہ اور ان کے جانشین نواب سعادت علی خاں کے عہد حکومت میں روہیل کھنڈ میں عام طور پر بد امنی اور بد نظمی کا زور رہا۔

روہیلوں کے زمانے میں مخلوق کو جو آسائش و آرام نصیب تھا اس کا خاتمہ ہو گیا تھا اور زراعت و تجارت برباد ہو گئی تھی۔ مسٹر ٹیننٹ نے ۱۸۹۹ء میں براہ چندوسی - بسولی - آفولہ - علی گنج - بریلی اور فرید پور روہیل کھنڈ کا سفر کیا تھا انہوں نے اپنے مشاہدات سفر کو اس طرح بیان کیا ہے کہ گزشتہ

بیس سال کے عرصہ میں یہ عمدہ علاقہ بالکل ویران ہو گیا ہے اور حالانکہ نئی کاشت کے ہر جگہ کچھ آثار پائے جاتے ہیں لیکن آبادی بہت کم ہو گئی ہے اور لافخداؤں کے اور غیر آباد مکانات کے تحلیف و دستخط سامنے ہیں۔ کھیتوں کو جنگلی جانوروں نے اپنا مسکن بنا لیا ہے اور صنعت و تجارت کا انتہائی نڈوال ہو گیا ہے یہ صورت حال اس وجہ سے بھی ہے کہ قریب قریب تمام روپے ایلے اودھ گورنمنٹ کی برٹش سے تنگ آکر ملک بدر ہو گئے ہیں۔“

شاہان اودھ کے عہد حکومت میں اہل تشیع حضرات کی مذہب و ذی علم آبادی کا کافی اضافہ ہوا۔ روہیل کھنڈ کے ہر ایک ضلع میں ہمارے ان بھائیوں کے مشہور خاندان آکر سکونت پذیر ہو گئے اور حکومت کی جانب سے ان کو معقول زمینداریاں اور جاگیریں عطا کی گئیں۔ بیرلی میں حسین باغ۔ گڈری کی مسجد اور کالا امام باڑہ وغیرہ اس عہد کی مشہور یادگاریں ہیں

روہیل کھنڈ عہد انگلشیہ میں ۱۷۷۴ء میں جب حکومت اودھ پر برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے قصبہ کا بارنا قابل ادائیگی ہو گیا اور ساتھ ہی عالمان کمپنی نے یہ محسوس کیا کہ اودھ والے روہیل کھنڈ جیسے زیر خطہ زمین پر حکومت کرنے کے اہل تابعت نہیں ہوئے ہیں تو اپنا یہ فرض سمجھا کہ روہیل کھنڈ کی عنان حکومت خود ہی اپنے ہاتھ میں لے لیں اور بنگال و بہار کی طرح اس سرزمین پر بھی اپنی ’آسامی حکومت‘ کی برکات کی ضو فتائی کریں اور یہاں کی رہنے بسنے والی مخلوق پر احسان فرمائیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نواب سادات علیخان بہادر والی اودھ جو نواب آصف الدولہ کے انتقال کے بعد سند حکومت پر برسرِ اقتدار ہوئے تھے پہلے ہی سے اس ’بار امانت‘ کو اپنے نازک کاندھوں سے اتار پھینکنے کو تیار بیٹھے تھے۔ انھوں نے فوراً اُس روہیل کھنڈ کو جسے داؤد خاں۔ نواب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں نے اپنے خون سے سینچا تھا اور جسے شجاع الدولہ نے اپنی جان دیکر حاصل کیا تھا بلا پس و پیش اور بغیر کسی خفیہ سی مزاحمت کے ’عطائے توبلقائے‘ تو کھراپے انگریز بہانوں کے حوالے کر دیا۔

انگریزی حکومت کے داؤدور روہیل کھنڈ میں حکومت انگریزی کے داؤدور گزرے پس ایک ۱۷۷۴ء

سے ۱۸۵۶ء تک جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی صاحب اختیار ہی اور دوسرا وہ جو ایام غدی میں نڈس ماہ کے لئے روہیلہ حکومت کے دوبارہ قیام و اختتام کے بعد شروع ہوا۔

پہلا دور انگریزوں نے روہیل کھنڈ پر قبضہ و تصرف حاصل کرتے ہی پوری تندہی کے ساتھ اپنے آپ کو ملکی فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف کر دیا اور مخلوق کو شاہراہ تہذیب و ترقی جدید پر ڈالنے کی جدوجہد شروع کر دی۔

قسط ۱ لیکن نہ معلوم کیوں دو تین ہی سال کے قلیل عرصہ میں اس سرزمین میں پہلی مرتبہ ایک سخت قحط پڑا۔ جس سے مخلوق پر بہت تباہی آئی۔ قحط سے نجات ملی تو ۱۸۵۶ء میں امیر خاں پنڈاری نے حملہ کیا اور وہ پہلی بھیت تک لٹ مار کر تاپا ہوا چلا گیا۔ امیر خاں سے فرصت ہوئی تو تحصیل بیسل پور کے زمینداروں نے زبردست ہنگامہ برپا کیا جو بمشکل ایک سال میں فرو ہو سکا۔ اس ہنگامہ کے بعد ۱۸۵۶-۵۷ء میں نیپالیوں سے ہولناک لڑائیاں ہوتی رہیں جس میں انگریزوں کی پے درپے شکستوں نے ٹھانڈوں کے دلوں سے ان کا خوف زائل کر دیا اور وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ صرف کسی بہانہ کی ضرورت تھی سو وہ اس طرح ہاتھ لگا کر۔

منفی گردی ۱۸۵۷ء کے ریفلیشن ۱۶ کی روسے گورنمنٹ نے ہاؤس ٹیکس کا قاعدہ جاری کیا تھا۔ ۱۸۵۷ء میں اس قاعدہ پر عمل درآمد شروع ہوا تو ایک آگ سی لگ گئی۔ بریلی میں لوگوں نے اپنا "کام کاروبار بند کر دیا اور گروہ در گروہ احتجاج کرنے کے لئے پکری میں جمع ہو گئے۔ منفی محمد عیوض صاحب نے جو بہت ضعیف العمر مگر انتہائی دلیر اور جدوجہد کے مقدس شخص تھے۔ اس گروہ کی رہنمائی اختیار کی۔ اور مسٹر ڈمبلٹن کلکٹر کے سامنے مخلوق کی شکایات پیش کیں لیکن مسٹر ڈمبلٹن نے نہ صرف اپنا حکم منسوخ کرنے سے صاف انکار کر دیا بلکہ ٹیکس کی وصولیابی کا کام ہندو کو تو نال شہر کے سپرد کر دیا جو بہت سخت گیر تھا اور ہندو مسلم اہالیان شہر کی اس طرح پر اس سے انتہا نالاں تھے۔ ۱۶- اپریل ۱۸۵۷ء کو ہندو مسلمانوں کا ایک جم غفیر شہر کی سڑکوں پر جمع تھا کہ کلکٹر ضلع کچھ فوجی سپاہیوں کے ساتھ شہر میں آیا لوگ اسے جھکے منتشر ہونے لگے مگر جب اس کا منفی صاحب کے مکان کے پاس سے گزر ہوا تو اس پر حملہ کیا گیا۔ کلکٹر

صاحب کے ساتھیوں نے جواب میں گولی چلائی اور کچھ آدمی مارے گئے۔ اس داروگیر میں مفتی صاحب اپنے مکان سے نکل کر حسین باغ چلے گئے وہاں جا کر انھوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا علم سبز بلند کیا۔ آٹا خانہ میں بکثرت ہتھیار بند مسلمان ان کے گرد اکٹھے ہو گئے اور دو روز کے قلیل عرصہ میں پہلی بھیت۔ رامپور اور شاہجام پور سے ہزاروں آدمی ان سے اکٹھے ہوئے یہاں تک کہ باغ ہزار مسلح اشخاص کی ایک باقاعدہ فوج تیار ہو گئی۔ مسٹر ڈیملٹن مجسٹریٹ ضلع نے بھی گرد و نواح سے مقابلہ کرنے کے لئے ایک معقول فوج جمع کی۔ لڑائی سے پہلے مصالحت کی کچھ گفت و شنید ہوئی اہالیان شہر نے قانون یکس کی منسوخی اور کوئٹا کو ان کے والے کئے جانے کے مطالبات کئے جو نامنظور کئے گئے۔ اس پر ۲۱۔ اپریل ۱۹۴۷ء کو مجاہدین نے مسٹر بیسٹرنج کے رٹے کو مار ڈالا اور انگریزی فوج پر دھاوا کر کے اسے شکست دی مگر یہ لوگ کیپٹن کنگھم کی مراد آباد سے آئی ہوئی فوج کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکے تبہ کہ نہ میں متصل مزار شاہ اندولی بہت بڑی لڑائی ہوئی طرفین کا بہت کشت و خون ہوا اور انجام کار مجاہدین کو شکست ہو گئی۔

مفتی محمد عیوض صاحب اور بعض دوسرے سربراہان اور وہ لوگ ریاست ٹونک میں چلے گئے اور انگریزوں کا شہر پر باقاعدہ تسلط ہو گیا۔

اسی ہنگامہ کے بعد کٹنڈونٹ میں ایک قلعہ بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن آگے چکر قلعہ نہایت چھوٹا ثابت ہوا اور اس سے کبھی کوئی خاص کام نہ لیا جاسکا۔

۱۹۴۷ء کا ہندو مسلم فساد ۱۹۴۷ء میں اس سرزمین کا امن پھر خطرہ میں پڑ گیا لیکن اس مرتبہ جو ہنگامہ ہوا وہ گورنمنٹ کے خلاف نہ تھا بلکہ وہ ہیل کھنڈ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے جھڑپ کرنا اور اپنی اپنی مذہبی ٹولیاں بنا کر آپس میں دست و گریبان ہو گئے۔ یہ پہلا فرقہ وارانہ فساد تھا جو واقع ہوا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اتفاق سے بریلی میں محرم اور رام نو می کے تیوہار ایک ہی تاریخوں میں پڑ گئے تھے ہندو مسلمانوں کے آپس میں بھڑ جانے کا اس سے بہتر موقع اور کونسا ہو سکتا ماسٹر لارک جیسے قابل آدمی مجسٹریٹ ضلع تھے ان کی کوشش سے وقتی طور پر ہنگامہ فرو ہو گیا لیکن عارضی سکون کے بعد ایک مسلمان درمی بافت نے چودھری بسنت رائے کو جن کے یہاں سے عہد آصف الدولہ میں

محرم کے جلوس اور عہدِ انجمنیہ میں رام پوری کے جلوس نکلا کرتے تھے مارڈالا تو صورت حال قابو سے باہر ہو گئی اور ہندو مسلمان آپس میں خوب لڑے۔

پھر قحط بدقت فرقہ وارانہ فساد فرو ہوا تو اسی سال پھر قحط پڑا یہ قحط انسا سخت تھا کہ مخلوق اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے لوٹ مار اور دیکیتی تک کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ۱۸۳۷ء میں قحط سے نجات ملی اور ۱۸۳۸ء تک کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔

ہنگامہ ۱۸۳۷ء۔ مشہور ہے کہ ۱۸۳۷ء میں ۱۸۳۷ء کو سرکارِ کبپتی کی فوجوں نے جب بریلی۔ مراد آباد۔ روہیلہ حکومت کا ایگزیکیوٹو کنٹرول بریلی میں خان بہادر خاں سے جو خاندان حافظ الملک میں بہت معزز تھے کہا کہ۔

”مردِ فدا! میں یہاں بلوہ ہونے والا ہے چونکہ یہ ملک آپ لوگوں کا موردِ فی ہے آپ اس کا بندوبست کیجئے“ (تاریخِ سلطانی)

خان بہادر خاں نے اس وقت تواضع کر دیا لیکن جب واقعی بلوہ ہو گیا اور کمشنر صاحب اور دوسرے انگریز اپنی اپنی جان بچا کر نئی تال چلے گئے تو خان بہادر خاں نے مدارِ علیخان اور بخت خاں وغیرہ کے اصرار سے نیز غالباً اس خیال سے کہ ان سے تو کمشنر صاحب یہاں کا بندوبست کرنے کے لئے کہہ ہی چکے تھے سند حکومت روہیلہ کھنڈ پر شکن ہونا منظور کر لیا۔ اور حتی الوسع امن و امان قائم رکھنے کی بہت کوشش کی ایک حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ چنانچہ دورِ دور سے لوگ بھاگ کر بریلی آتے تھے اور انہیں یہاں پناہ ملتی تھی خان بہادر خاں کو صرف اس قدر سکون نصیب ہوا کہ وہ دو ایک نئی عمارتیں بنوا سکے۔ لیکن یہ صورت حال زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ بدامنی کا زمانہ تھا ہر طرف آگ برس ہی تھی باغیوں کو قابو میں رکھنا کوئی آسان کام نہ تھا چنانچہ ان کے مختصر سے دورِ حکومت میں انگریزوں کے ساتھ طرح طرح کے مظالم کئے گئے اور یہ انہیں نہ روک سکے۔

۵۔ ۱۸۳۷ء کو انگریزی فوجوں نے بریلی کا محاصرہ کیا اور دریائے گنگا پر خان بہادر خاں کی فوج

سے دوپہر کا لڑائی ہوئی۔ خان بہادر خاں کی طرف سے فیروز شاہ نامی ایک تیموری شہزادے اور اسماعیل خاں۔ ولی داد خاں اور بندے میر خاں وغیرہ نے بہت دیرلی وجوہ مردی دکھائی۔ لیکن بعد دوپہر ایسے سپاہیوں کے جو فوج میں نئے نئے بھرتی ہوئے تھے اور اس سے پہلے کبھی لڑائی کی صورت نہ دیکھی تھی میدانِ جنگ سے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ خان بہادر خاں نے ہر چند ان کو روکا۔ سخت و سخت کہا یہاں تک کہ انجام کار بانسوں سے پٹوایا مگر ان بزدلوں سے کچھ پیش نہ گئی۔ مجبوراً شکست کھا کر خان بہادر خاں کو بھی راہ فرار اختیار کرنی پڑی اور وہ اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ پینال کے پہاڑوں پر چلے گئے۔ ۶۔ ستمبر ۱۷۵۷ء کو مشرق و مغرب کی جانب سے انگریزی فوج نے شہر میں داخل ہو کر قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا اور اہلیانِ شہر کی وہ مشہور ”بھاگڑ“ واقع ہوئی جس کی در دا انگیز یاد کج تک لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے۔

۱۷۵۷ء میں زبرد امن کوہ پینال خان بہادر خاں ایک لڑائی میں پشتِ اسب سے گر کر گرفتار ہوئے اور کھٹولائے گئے۔ جس وقت چیف کمشنر کے سامنے پیش ہوئے تو زمین پر بیٹھ گئے اور کہا کہ۔

”مذتوں کرسی پر بیٹھے اب قیدیوں کی جگہ بیٹھنا چاہئے“

لیکن چیف کمشنر نے مانا اور فرمایا کہ۔

”نواب صاحب آپ کرسی پر بیٹھیں“

خان بہادر خاں نے انکار کیا اس پر صاحب موصوف نے ان کی بغلوں میں ہاتھ دلو کر کرسی پر بٹھایا۔ وقت باز پرس خان بہادر خاں نے تقریر مردانہ و امیرانہ کی زیادہ لجاجت سے کام نہیں لیا۔ مثلاً کہا کہ۔

”میں نے از خود بغاوت پر مکر نہیں باندھی فوج سرکار انگریزی باغی ہو گئی اور جو جس ملک

کا دعویدار تھا اس کو واپس گردانا۔ چونکہ بریلی۔ شاہجہان پور اور پہلی بھیت وغیرہ میں کل ہو چکے تھے

ہمارا ملک موروثی تھا اس وجہ سے سخت خاں اور جملہ رعایا نے مجتمع ہو کر تھکوسہ نشین ریت

کیا میں نے نہ بلوہ کرایا اور نہ کسی انگریز زن و بچہ کو قتل کیا۔ جس وقت آپ صاحبان نے

فوج کے ظلم سے مجبور ہو کر ملک چھوڑ دیا تب میں نے اپنا قبضہ کیا۔ باقی بلوایوں کی روک تھام

اس دم میرے اختیار میں نہ تھی۔ انھوں نے جو چاہا سو کیا۔ بعد ازاں لڑائیاں جابجا سر میدان
میری اور آپ کی فوج سے البتہ ہوئیں۔ ان میں طرفین کا کشت و خون ہوا اُس میں میری کیا

خطا

عروسِ ملک کسے در کنار گیر و تنگ کہ بوسہ بربل شمشیر آبدار زند

اب میں آپ کے بس میں ہوں جو چاہئے میری نسبت حکم دیجئے“ (تاریخ سیلانی،

خان بہادر خاں کو لکھنؤ سے بریلی لاکر کوٹوالی کے سامنے پھانسی دی گئی۔ پھانسی دیتے وقت ان سے کہا گیا کہ
آپ کو جو کچھ کسی کو نصیحت و وصیت کرنی ہو کہجئے۔ جواب دیا کہ بھکوکھک کسی سے نہیں کہنا ہے اور چشم پر آب
ہو کر یہ شعر زبان پر لائے

”جرم کلمہ حق یکشند و غوغائے است“ ”زمرگ زندگیم میشود تماشا ہے است

اس روز بریلی میں احتیاطاً تمام انگریزی فوج و توپ خانہ سے شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی تھی کہ ببادا شو ریش
یا کسی قسم کا فساد برپا ہو جائے۔

پھانسی کے بعد لاش کو فوج کے مسلمان سپاہیوں نے ڈسٹرکٹ جیل بریلی میں دفن کر دیا۔ خاکسار مؤلف
کے ایک خاندانی بزرگ نے جو دفن کے وقت موجود تھے خان بہادر خاں کی لاش کو قبر میں بغیر کفن رکھتے
ہوئے دیکھ کر ان کے چہرے پر اپنا رومال ڈال دیا تھا۔

”دنیا کا عجیب کا رخانہ دیکھا یکساں نہ کبھی رنگ زمانہ دیکھا

گردش میں تھا جن کے سر پہ چتر تریں تربت پہ نہ ان کی شامیانہ دیکھا

خان بہادر خاں کو اپنے زمانہ حکومت میں شہنشاہ ہند بہادر شاہ ظفر نے خلعت سرفرازی و خطاب
”نواب انظام الدولہ محافظ الملک خان بہادر نونویر جنگ رئیس اعظم روہیل کھنڈ“ عطا کیا تھا۔ انھوں نے

اپنی مہر پر

”الحکم شد و الملک شد“

کندہ کرایا تھا۔ ایک اور مہر پر یہ سچ کندہ تھا۔ ”شہید خان بہادر بہ ذوالفقار علی“ خان بہادر خاں کی

ہوائی ہوئی ایک مسجد محلہ جوڑ بریلی میں متصل ایڈورڈ میموریل ہائی اسکول اچھی حالت میں موجود ہے۔
خان بہادر خاں شاعر بھی تھے اور مصروفِ تخلص تھا کلامِ توان کا بہت ہو گا صرف ایک غزل ہم تک پہنچی ہے جس پر نواب عبدالغزیز خاں مرحوم نے نفعین لکھی تھی۔ وہ غزل یہ ہے۔

تا حشر اب خیالِ زمیر اکرے گا دل تو اُس کو مل گیا تو مر کیا کرے گا دل
جان و جگر تو نام کو باقی نہیں رہے کیونکر اب اسکی زلف سے سودا کرے گا دل
جان و جگر کے واسطے دیکھو گے دوستو کن کن خرابیوں کو نہ برپا کرے گا دل
لیجائیں گے اڑا کے خریدارِ مشل بو جیتا برنگِ غنچہ گرہ واکرے گا دل
ثلثے کی طرح او بری ہو دیکھا چاک چاک جیوں جیوں کہ اسکی زلف سنوارا کرے گا دل
مصروف دیکھ پیروئی دل نہ کیجو میری طرح سے تھکاو بھی رسوا کرے گا دل

ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد اور آخر ۱۸۵۷ء میں پورے روہیل کھنڈ پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا اور اس تسلط کے بعد سے تا اہم مذم یعنی ۱۹۳۳ء تک ملک کو عام طور پر امن و امان نصیب ہے۔
دوسرا دور ۱۸۶۰ء - ۱۸۶۹ء - ۱۸۶۶ء - ۱۸۶۷ء - ۱۸۶۸ء کی قحط سالیوں اور ۱۸۶۹ء - ۱۸۷۰ء کے

۱۸۶۹ء اور ۱۸۷۰ء کے ہندو مسلم فسادات کے واقعات ضرور پیش آئے جن سے مخلوق کی جان و مال کا کافی نقصان ہوا لیکن اس قسم کے واقعات کا کبھی کبھی واقع ہونے رہنا معمولی حادثات سمجھے جانے لگے ہیں اور ان سے اب کوئی خاص تکلیف محسوس نہیں ہوتی ہے۔

آج کی حالت آئی زمانہ روہیل کھنڈ کسی علیحدہ ریاست کا نام نہیں ہے اور نہ اُس کی کوئی جدِ اگلا حیثیت ہے۔ برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ ہندوستان میں جو عظیم الشان سلطنت قائم ہے اس کا ایک صوبہ مالک متحدہ اگرہ واودھ ہے جس کی ایک ڈویژن روہیل کھنڈ ہے بریلی اس ڈویژن کا صدر مقام ہے جہاں کمشنر صاحب رہتے ہیں۔ کمشنر صاحب کی نگرانی میں بریلی کے علاوہ بدایوں - پٹی بھیبت - مراد آباد -

شاہجہاں پور اور بجنور پانچ اضلاع اور ہیں۔ اور اس محدود درجہ پرانی زمانہ روہیل کھنڈ کا اطلاق کیا جاتا ہے اسی منظر روہیل کھنڈ میں مسلمانوں کے قدیم خاندان آباد ہیں جن کی جاگیریں زمینداریاں روز بروز

ان کے ہاتھ سے نکلتی جاتی ہیں اور ان کی مالی حالت بہت گر گئی ہے نہ صرف مالی حالت بلکہ ان کی جسمانی حالت بھی وہ باقی نہیں رہی ہے جو آج سے ڈیڑھ سو سال قبل روہیلوں کے عروج کے زمانے میں تھی۔ بھول مولانا

حالی ۵

گرسلف دیکھیں ہمارے زندہ ہو کر اب ہمیں آئے نسبت اور زراعت سے ہماری انگوار

بزرگوں کی جائیدادیں خلاصہ یہ کہ صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ بجز سود کا لین دین کرنے والی جماعتوں کے عام حقوق کی مالی حالت روز بروز کمزور ہو رہی ہے۔ پُرانی جائیدادیں اور بزرگوں کے اور اندونختے جمع کئے ہوئے اندونختے خرچ ہو چکے ہیں اور جو باقی ہیں وہ بہت جلد ختم ہو جائیں گے۔

صنعت و حرفت اور تجارت صنعت و حرفت اور تجارت کا تنزل ہے اور جو لوگ ان پیشوں کو اختیار کرتے ہیں انہیں بالعموم سوائے نقصان کے نفع کی صورت دیکھنا نصیب نہیں ہوتی۔

ملازمینیں ملازمین محدود ہیں اور جو لوگ ملازم ہیں ان کا معیار زندگی اس قدر بلند ہے کہ وہ آمدنی سے زائد خرچ کرنے پر مجبور ہیں۔

زمیندار کسان زمینداروں کا حال سب سے زیادہ تباہ ہے۔ یہ جماعت چونکہ ہمیشہ سے بے عمل اور کاہل رہی ہے اور اس کا گذارہ محض باپ دادا کی متروکہ زمین کی آمدنی پر رہا ہے اس لئے اب کہ اقتصادی کساد بازاری نے زمین اور اس کے پیداوار کی قیمتیں گھٹادی ہیں کاشتکار قاتوں مر رہا ہے زمیندار بھوک سے تڑپ رہا ہے۔

تعلیم اس زمانہ میں تعلیم کا بہت زیادہ رواج ہو گیا ہے اور گواس کی گرانی اور اس کے تحصیل لا حاصل ہونے سے لوگ بدحواس ہو گئے ہیں مگر پھر بھی اپنے بچوں کو تعلیم دلانے پر مجبور ہیں کیونکہ اگر تعلیم میں نہ لگائیں تو کوئی دوسرا ایسا کام نہیں ہے جس میں بچے مصروف ہو کر آوارگی سے بچ سکیں۔ مزدور ست ہے کہ جلد سے جلد موجودہ طریقہ تعلیم اس انقلاب پر پاکیا جائے اور صنعت و حرفت کی تعلیم کو لازمی بنایا جائے۔

تہذیب و اخلاق تہذیب و اخلاق کی پستی جیسی اس زمانہ میں ہے شاید ہی کبھی ہوئی ہو بد اخلاقی۔ بد اطواری اور بے راہ روی گھر گھر اور محلہ محلہ عام ہے اور لطف یہ ہے کہ ان باتوں کو اب کوئی حیب نہیں سمجھتا۔

کو کین خوری - شراب نوشی - قمار بازی اور دوسرے ناگفتہ بہ افعالِ شنیعہ کے لوگ علانیہ مرکب ہوتے ہیں اور نہیں شرارتے - اکثر اخلاقی گناہ تو تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ قیثن میں شامل ہو گئے ہیں اور لوگ ان کو فخریہ کرتے ہیں - آج سے تقریباً نصف صدی پہلے سعدی ہند مولانا حالی نے اپنی اس رباعی میں ملک کی اسی حالت کی طرف اشارہ کیا تھا فرماتے ہیں ۷

پوچھا جو کل انجامِ ترقی بشر یاروں سے کہا پیرِ مٹاں نے ہنس کر
باقی نہ رہے گا کوئی انسان میں عیب ہو جائیں گے چھل چھلا کے سب عیب ہنر

(اختصار فیض الحسن بدرسم بریلوی تحریک برنود)

۲۲ - اکتوبر ۱۹۳۳ء

معرکہ

انتخابِ اکابر و مخلوط

مصنف

سید الطاف علی صاحب بی، اے (علیگ)

اس کتاب میں مسئلہ انتخاب پر نہایت سلیس اور دلچسپ زبان میں بحث کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے تمام قومی امراض و نشستوں کی تھخیص کے ساتھ مخلوط طریقہ انتخاب کو اختیار کرنے سے دور ہو سکتے ہیں۔

ملک کے مشہور رہنماؤں اور تمام موقر اخبارات کی رائے ہے کہ مسئلہ انتخاب جیسے پیچیدہ سیاسی مسئلہ پر اس وقت تک اس سے بہتر کوئی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔

ایک ایڈیشن گجراتی زبان کا اور دو ایڈیشن اردو زبان کے شائع ہو چکے ہیں۔

ایک آنر کے ٹکٹ بھیجا بلا قیمت طلب کیجئے

ملنے کا پتہ

نظامی پریس بک انجمنی

بدایوں

